مکمل مدلل

# مسائل عیدین وقربانی

مع **عقیقہ**

## قرآن وسنت کی روشنی میں

حضرات مفتیان کرام دار العلوم دیوبند کی تصدیق وتائید کے ساتھ

مؤلف

**مولانا محمد رفعت قاسمی**

مدرس دار العلوم دیوبند

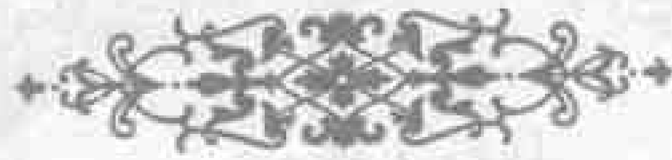
الناشر

**مکتبۃ الحسن**

33۔حق سٹریٹ اردو بازار۔لاہور

فون 042-7241355 موبائل 0300-4339699

042-7018002 فیکس 042-7241355



نام کتاب ........................ مسائل عیدین وقربانی

مصنف ........................ مولانا محمد رفعت قاسمی

باہتمام ........................ عبدالقدیر

تعداد ........................ 1100

قیمت ........................ 100 روپے





الناشر

مکتبۃ الحسن

33۔حق سٹریٹ اردو بازار۔لاہور

فون 042-7241355 موبائل:0300-4339699

042-7018002 فیکس: 042-7241355

# فہرست عنوانات مسائل عیدین و قربانی مع عقیقہ


انتساب
سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف
سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا

# عرضِ مؤلف

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

اس وقت احقر کی ساتویں کتاب "مکمل ومدلل مسائل عیدین و قربانی" جس میں تقریباً چھ سو مسائل ہیں پیش کرتے ہوئے میرا دل شکرِ الٰہی سے لبریز ہے جس نے محض اپنی توفیق سے مجھ جیسے ناکارہ کو خدمتِ دین کا موقع دیا۔ اس خدمت گراں کو میں نے کہاں تک صحیح انجام دیا میں نہیں کہہ سکتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اپنی بساط کے مطابق عیدین و قربانی اور عقیقہ کے اکثر وہ ضروری مسائل جن کو زیادہ تر قربانی کے زمانہ میں تلاش کیا جاتا ہے اور جو شرائط و احکام قربانی کے ہیں وہی اس کے بھی ہیں ان سب کو یکجا کرنے کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔ اللہ رب العزت اس سعی و کوشش کو قبول و نافع بنا کر آئندہ بھی دینی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ بھی خدا تعالیٰ ہی کا فضل و کرم ہے کہ اس نے احقر کی کتابوں کو اس قدر کامیاب و مقبولِ عام و خاص کیا ہے اور بعض ذمہ دارانِ مدارس نے تو اپنے یہاں داخل نصاب کر لیا ہے۔ نیز ہند اور بیرونِ ہند کے بعض مقامات سے اپنی اپنی مادری زبانوں میں ترجمہ کی اجازت طلب کی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام قدردانوں اور معاونین کو جزائے خیر اور علمِ نافع عنایت فرمائے آمین یا رب العالمین۔

نوٹ:۔ احقر کی استدعا ہے کہ اس کتاب سے فائدہ اٹھانے والے حضرات مجھ کو اور میرے والدین کو اور میرے شیخ و مربی حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند اور دیگر اساتذۂ کرام کو بھی اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

احقر محمد رفعت قاسمی

مدرس دارالعلوم دیوبند۔ (الہند)

محرم الحرام ۱۴۱۲ ہجری

# تصدیق

## جامع شریعت و طریقت، فقیہ الامّت سیّدی حضرت مولانا مفتی محمود حسن دامت برکاتہ چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی مفتیٔ اعظم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

محترم مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی مدرس دارالعلوم دیوبند نے دینی سابق تالیفات کی طرح عیدین و قربانی و عقیقہ سے متعلق مسائل منتشرہ کو مختلف کتب فتاویٰ وغیرہ سے جمع فرماکر امّت پر احسان فرمایا ہے۔ امید کہ اس مجموعہ کے ذریعہ عیدین و قربانی وغیرہ سے متعلق بدعات و رسوم کا انسداد ہوگا،

حق تعالیٰ شانہ قبول فرمائے، اُمّت کے لیے نافع و مفید بنائے اور مؤلف موصوف کو ترقیات سے نوازے، نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

العبد محمود غفرلہٗ
چھتہ مسجد دارالعلوم دیوبند
۸ ؍ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
۱۸ ؍ اکتوبر، روز جمعہ ۱۹۹۱ء

# ارشادِ گرامی

## حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہ،

### صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

---

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ اصحابہ واتباعہ التابعین لہم الیٰ یوم الدین۔

پیش نظر انتخاب فتاویٰ اس کے افادیت میں اور ہر شخص کے لیے نافع ہونے میں دو رائے نہیں اس لیے کہ تمام مندرج کتاب وہ فتاویٰ من وعن ہیں جو اکابر معتبرین کے ہیں۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پیشِ نظر تالیف کو بھی عزیزِ موصوف کے دیگر مجموعات کی طرح مقبول و نافع بنائے۔ آمین فقط

کتبہ العبد نظام الدین

۱۶ربیع الثانی ۱۲ ۱۴۱۲ھ

۲۵ر اکتوبر ۱۹ ۱۹۹۱ء

# رائے گرامی

## حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب زید مجدہم مفتی دار العلوم دیوبند

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

عیدین سے متعلق بہت سارے مسائل ہیں، اسی طرح قربانی اور عقیقہ سے متعلق بھی مسائل ہیں، یہ سب مسائل فقہ وفتاویٰ کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں، بروقت ہر شخص کا مسئلہ معلوم کرنا آسان نہیں ہوتا ہے، اور نہ ہر وقت کوئی عالم یا مفتی بآسانی ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قاری محمد رفعت صاحب استاذ دار العلوم دیوبند کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے فقہ وفتاویٰ کی متعدد کتابوں سے چُن چُن کر حوالجات کے ساتھ ان سارے مسائل کو یکجا کر دیا ہے اور ایک جلد میں باب وار اور فصل وار مختلف عنوانات کے تحت جمع کر دیا ہے۔

میں نے کتاب کا سرسری مطالعہ کیا اور جگہ جگہ غور وخوض سے بھی پڑھا اور محسوس کیا کہ قاری صاحب موصوف نے کافی محنت کی ہے اور وہ اپنی محنت میں پورے کامیاب ہیں،

اس سے پہلے موصوف کی متعدد کتابیں شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔ امید ہے یہ کتاب بھی مقبولِ عام ہوگی۔

مجھے پوری توقع ہے کہ قاری صاحب کی یہ کتاب بھی ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی اور پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے لیے یہ کتاب رہبری کا فرض ادا کرے گی اور ان کے لیے سہولت فراہم کرے گی، اللہ تعالیٰ موصوف کی اس محنت کو قبول فرمائے اور ان کے لیے زادِ آخرت بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

اخیر میں خاکسار موصوف کی خدمت میں اس محنت پر مبارکباد پیش کرتا ہے۔

طالب دعاء

محمد ظفیر الدین غفرلہٗ مفتی دار العلوم دیوبند

۱۸؍ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَقَالَ اِنِّیۡ ذَاہِبٌ اِلٰی رَبِّیۡ سَیَہۡدِیۡنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ

اور بولا میں جاتا ہوں اپنے رب کی طرف وہ مجھ کو راہ دے گا۔ اے رب

ہَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرۡنٰہُ بِغُلٰمٍ

بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا۔ پھر خوشخبری دی ہم نے اس کو ایک لڑکے کی

حَلِیۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَہُ السَّعۡیَ قَالَ یٰبُنَیَّ

جو ہوگا تحمل والا۔ پھر جب پہنچا اس کے ساتھ دوڑنے کو، کہا اے بیٹے

اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ

میں دیکھتا ہوں خواب میں کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں پھر دیکھ تو تُو

مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیۡۤ

کیا دیکھتا ہے۔ بولا اے باپ کر ڈال جو تجھ کو حکم ہوتا ہے تو مجھ کو پائے گا

اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَ تَلَّہٗ

اگر اللہ نے چاہا سہارنے والا۔ پھر جب دونوں نے حکم مانا اور پچھاڑا

لِلۡجَبِیۡنِ ﴿۱۰۳﴾ وَ نَادَیۡنٰہُ اَنۡ یّٰۤاِبۡرٰہِیۡمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدۡ

اس کو ماتھے کے بل۔ اور ہم نے اس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیم، تُو نے

صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

سچ کر دکھایا خواب۔ ہم یوں ہی دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ

بے شک یہی ہے صریح جانچنا۔ اور اس کا بدلہ دیا ہم نے

بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

ایک جانور ذبح کرنے کے واسطے بڑا۔ اور باقی رکھا ہم نے اس پر پچھلے لوگوں میں،

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي

کہ سلام ہے ابراہیم پر ہم یوں دیتے ہیں بدلہ

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

نیکی کرنے والوں کو۔

## خلاصۂ تفسیر

اور ابراہیم (علیہ السلام جب ان لوگوں کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو) کہنے لگے کہ میں تو (تم سے ہجرت کر کے) اپنے رب کی (راہ میں کسی) طرف چلا جاتا ہوں، وہ مجھ کو (اچھی جگہ) پہنچا ہی دے گا، (چنانچہ ملکِ شام میں جا پہونچے، اور یہ دعا کی کہ) اے میرے رب مجھ کو ایک نیک فرزند دے، سو ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی (اور وہ فرزند پیدا ہوا اور ہوشیار ہوا) سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ چلنے پھرنے لگا، تو ابراہیم (علیہ السلام) نے (ایک خواب دیکھا کہ میں اس فرزند کو خدا کے حکم سے ذبح کر رہا ہوں، اور یہ ثابت نہیں کہ حلقوم کٹا ہوا بھی دیکھا یا نہیں،

غرض آنکھ کھلی تو اسے اللہ کا حکم سمجھے، کیونکہ انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے اور اس حکم کی تعمیل پر آمادہ ہوگئے، پھر یہ سوچ کر کہ خدا جانے میرے فرزند کی اس بارے میں کیا رائے ہو، اس کو اطلاع کرنا ضروری سمجھا، اس لیے اس سے) فرمایا کہ برخوردار میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو (بہ امرِ الٰہی) ذبح کررہا ہوں، سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے؟۔ وہ بولے ابا جان (اس میں مجھ سے پوچھنے کی کیا بات ہے، جب آپ کو خدا کی طرف سے حکم کیا گیا ہے تو) آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ (بلا تأمل) کیجیے، انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو سہار کرنے والوں میں سے دیکھیں گے، غرض جب دونوں نے (خدا کے حکم کو) تسلیم کرلیا، اور باپ نے بیٹے کو (ذبح کرنے کے لیے) کروٹ پر لٹایا اور (چاہتے تھے کہ گلا کاٹ ڈالیں اور اس وقت) ہم نے ان کو آواز دی کہ ابراہیم (شاباش ہے) تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا (یعنی خواب میں جو حکم ہوا تھا اپنی طرف سے اس پر پورا عمل کیا اب ہم اس حکم کو منسوخ کرتے ہیں پس ان کو چھوڑ دو، غرض ان کو چھوڑ دیا، جان کی جان بچ گئی، اور بلند درجات مزید برآں عطا ہوئے) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (کہ دونوں جہاں کی راحت انھیں عطا کرتے ہیں) حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان (جس کو بجز مخلص کامل کے دوسرا برداشت نہیں کرسکتا تو ہم نے ایسے امتحان میں پورا اُترنے پر صلہ بھی بڑا بھاری دیا، اور اس میں جیسا امتحان ابراہیم علیہ السلام کا تھا، اسی طرح اسمٰعیل علیہ السلام کا بھی تھا، تو وہ صلہ میں شریک ہوں گے) اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا، (کہ ابراہیم علیہ السلام سے وہ ذبح کرایا گیا) اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات ان کے لیے رہنے دی کہ ابراہیم پر سلام ہو (چنانچہ ان کے نام کے ساتھ اب تک "علیہ السلام" کہا جا رہا ہے) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، (کہ انہیں لوگوں کی دُعاؤں اور سلامتی کی بشارتوں کا مرکز بنا دیتے ہیں۔

## بیٹے کی قربانی کا واقعہ

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کا ایک دوسرا اہم واقعہ بیان کیا گیا ہے،

جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے لیے اپنے اکلوتے فرزند کی قربانی پیش کی، واقعہ کے بنیادی اجزاء خلاصہ تفسیر سے واضح ہوجاتے ہیں بعض تاریخی تفصیلات آیتوں کی تفسیر کے ذیل میں آجائیں گی۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ (اور ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں) یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت ارشاد فرمائی جب کہ آپ اپنے اہلِ وطن سے بالکل مایوس ہوگئے، اور وہاں آپ کے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کوئی آپ پر ایمان نہیں لایا۔ "رب کی طرف چلے جانے" سے مراد یہ ہے کہ میں دارالکفر کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں کا مجھے اپنے رب کی طرف سے حکم ہوا ہے، اور جہاں میں اپنے پروردگار کی عبادت کرسکوں گا، چنانچہ آپ اپنی زوجہ مطہرہ حضرت سارہ رضؓ اور اپنے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام کو لے کر سفر پر روانہ ہوئے، اور عراق کے مختلف حصوں سے ہوتے ہوئے بالآخر شام تشریف لے آئے اس تمام عرصہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لیے آپ نے وہ دعا فرمائی جس کا اگلی آیت میں ذکر ہے، یعنی:

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (اے میرے پروردگار! مجھے ایک نیک فرزند عطا فرما) چنانچہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند کی پیدائش کی خوش خبری سنائی:۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ (پس ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی)۔ "حلیم المزاج" فرما کر اشارہ کردیا گیا کہ یہ نومولود اپنی زندگی میں ایسے صبر و ضبط اور بُردباری کا مظاہرہ کرے گا کہ دنیا اس کی مثال نہیں پیش کرسکتی، اس فرزند کی ولادت کا واقعہ یہ ہوا کہ جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھا کہ مجھ سے کوئی اولاد نہیں ہورہی تو وہ سمجھیں کہ میں بانجھ ہوچکی ہوں۔ اُدھر فرعونِ مصر نے حضرت سارہ رضؓ کو اپنی بیٹی جن کا نام ہاجرہ رضؓ تھا، خدمت گزاری کے لیے دے دی تھی، حضرت سارہ رضؓ نے یہی ہاجرہ رضؓ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا

کر دیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے نکاح کر لیا، انہی ہاجرہ رضہ کے بطن سے یہ صاحبزادے پیدا ہوئے اور ان کا نام اسمٰعیل (علیہ السلام) رکھا گیا۔

## حضرت ابراہیمؑ کا خواب

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّيٓ أَذْبَحُكَ (سو جب وہ فرزند ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیمؑ کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیمؑ نے فرمایا: برخوردار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تین روز متواتر دکھایا گیا (قرطبی)۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اس لیے اس خواب کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا ہے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر دیں، یوں یہ حکم براہِ راست کسی فرشتے وغیرہ کے ذریعہ بھی نازل کیا جا سکتا تھا، لیکن خواب میں دکھانے کی حکمت بظاہر یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت شعاری اپنے کمال کے ساتھ ظاہر ہو، خواب کے ذریعہ دیئے ہوئے حکم میں انسانی نفس کے لیے تاویلات کی بڑی گنجائش تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاویلات کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا (تفسیر کبیر)

اس کے علاوہ یہاں باری تعالیٰ کا اصل مقصد نہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرانا تھا، نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دینا کہ انھیں ذبح کر ہی ڈالو، بلکہ منشاء یہ حکم دینا تھا کہ اپنی طرف سے انھیں ذبح کرنے کے سارے سامان کر کے ان کے ذبح کا اقدام کر گذرو، اب یہ حکم اگر زبانی دیا جاتا تو اس میں آزمائش نہ ہوتی، اس لیے انھیں خواب میں دکھلایا کہ وہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں، اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سمجھے کہ ذبح کا حکم ہوا ہے، اور وہ پوری طرح ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے، اس طرح آزمائش بھی پوری ہو گئی، اور خواب بھی سچا ہو گیا، یہ بات زبانی حکم کے ذریعہ آتی تو یا آزمائش نہ ہوتی، یا حکم کو بعد میں منسوخ کرنا پڑتا۔

یہ امتحان کس قدر سخت تھا؟ اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ کے الفاظ بڑھائے ہیں، یعنی ارمانوں سے مانگے ہوئے اس بیٹے کو قربان کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا تھا جب یہ بیٹا اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا، اور پرورش کی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد اب وقت آیا تھا کہ وہ قوتِ بازو بن کر باپ کا سہارا ثابت ہو، مفسرین نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ بالغ ہو چکے تھے۔ (تفسیر مظہری)

## بیٹے سے مشورہ

فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ (سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے اس لیے نہیں پوچھی کہ آپ کو حکمِ الٰہی کی تعمیل میں کوئی تردد تھا، بلکہ ایک تو وہ اپنے بیٹے کا امتحان لینا چاہتے تھے کہ وہ اس آزمائش میں کس حد تک پورا اترتا ہے؟ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا طرز ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ احکامِ الٰہی کی اطاعت کے لیے تو ہر وقت تیار رہتے ہیں، لیکن اطاعت کے لیے ہمیشہ راستہ وہ اختیار کرتے ہیں جو حکمت اور حتی المقدور سہولت پر مبنی ہو، اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے سے کچھ کہے بغیر بیٹے کو ذبح کرنے لگتے، تو یہ دونوں کے لیے مشکل کا سبب ہوتا، اب یہ بات آپ نے مشورہ کے انداز میں بیٹے سے اس لیے ذکر کی کہ بیٹے کو پہلے سے اللہ کا یہ حکم معلوم ہو جائے گا تو وہ ذبح ہونے کی اذیت سہنے کے لیے پہلے سے تیار ہو سکے گا، نیز اگر بیٹے کے دل میں کچھ تذبذب ہوا بھی تو اُسے سمجھایا جا سکے گا۔ (روح المعانی و بیان القرآن)۔ لیکن وہ بیٹا بھی اللہ کے خلیلؑ کا بیٹا تھا اور اسے خود منصبِ رسالت پر فائز ہونا تھا، اس نے جواب میں کہا:۔

## فرماں بردار بیٹے کا جواب

يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (ابا جان! جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اُسے کر گذریئے)

اس سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بے مثال جذبۂ جاں سپاری کی تو شہادت ملتی ہی ہے، اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کم سنی ہی میں اللہ نے انھیں کیسی ذہانت اور کیسا علم عطا فرمایا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے اللہ کے کسی حکم کا حوالہ نہیں دیا تھا، بلکہ محض ایک خواب کا تذکرہ فرمایا تھا لیکن حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سمجھ گئے، کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اور یہ خواب بھی درحقیقت حکمِ الٰہی کی ہی ایک شکل ہے، چنانچہ انہوں نے جواب میں خواب کے بجائے حکمِ الٰہی کا تذکرہ فرمایا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنی طرف سے اپنے والد بزرگوار کو یہ یقین بھی دلایا کہ :۔ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے)۔ اس جملے میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی غایت ادب اور غایت تواضع کو دیکھئے، ایک تو ان شاء اللہ کہہ کر معاملہ اللہ کے حوالہ کر دیا اور اس وعدے میں دعوے کی جو ظاہری صورت پیدا ہو سکتی تھی اسے ختم فرما دیا، دوسرے آپ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ "آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے"، لیکن اس کے بجائے آپ نے فرمایا کہ "آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے"، جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ صبر و ضبط تنہا میرا کمال نہیں ہے بلکہ دنیا میں اور بھی بہت سے صبر کرنے والے ہوئے ہیں، ان شاء اللہ میں بھی اُن میں شامل ہو جاؤں گا، اس طرح آپ نے اس جملے میں فخر و تکبر، خود پسندی اور پندار کے ہر اُدنیٰ شائبے کو ختم کر کے اس میں انتہا درجے کی تواضع اور انکسار کا اظہار فرما دیا (روح المعانی)۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو کسی معاملے میں اپنے اوپر خواہ کتنا ہی اعتماد ہو، لیکن اُسے ایسے بلند بانگ دعوے نہیں کرنے چاہئیں جن سے غرور و تکبر ٹپکتا ہو، اگر کہیں ایسی کوئی بات کہنے کی ضرورت ہو تو الفاظ میں اس کی رعایت ہونی چاہیئے کہ ان میں اپنے بجائے اللہ پر بھروسہ کا اظہار ہو، اور جس حد تک ممکن ہو تواضع

کے دامن کو نہ چھوڑا جائے۔

## حکم کی تعمیل

فَلَمَّآ اَسْلَمَا (پس جب وہ دونوں جھک گئے) اَسْلَمَ کے معنی ہیں جُھک جانا، مطیع ہو جانا، رام ہو جانا، مطلب یہ ہے کہ جب وہ اللہ کے حکم کے آگے جُھک گئے، یعنی باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کا اور بیٹے نے ذبح ہو جانے کا ارادہ کر لیا، یہاں لَمَّا (جب) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، لیکن اس کا جواب مذکور نہیں ہے، یعنی آگے یہ نہیں بتایا گیا کہ جب یہ واقعات پیش آچکے تو کیا ہوا؟ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ باپ بیٹے کا یہ اقدام فداکاری اس قدر عجیب و غریب تھا کہ الفاظ اس کی پوری کیفیت کو بیان کر ہی نہیں سکتے،

بعض تاریخی اور تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی، ہر بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں مار کر بھگا دیا، آج تک منیٰ کے تین جمرات پر اسی محبوب عمل کی یادگار کنکریاں مار کر منائی جاتی ہے، بالآخر جب دونوں باپ بیٹے یہ انوکھی عبادت انجام دینے کے لیے قربان گاہ پر پہنچے تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا کہ ابّا جان! مجھے خوب اچھی طرح باندھ دیجیے، تاکہ میں زیادہ تڑپ نہ سکوں، اور اپنے کپڑوں کو بھی مجھ سے بچائیے، ایسا نہ ہو کہ ان پر میرے خون کی چھینٹیں پڑیں، تو میرا ثواب گھٹ جائے، اس کے علاوہ میری والدہ خون دیکھیں گی تو انھیں غم زیادہ ہوگا، اور اپنی چھری بھی تیز کر لیجیے اور اسے میرے حلق پر ذرا جلدی جلدی پھیریئے گا، تاکہ آسانی سے میرا دم نکل سکے، کیونکہ موت بڑی سخت چیز ہے، اور جب آپ میری والدہ کے پاس جائیں تو ان سے میرا سلام کہہ دیجیے گا، اور اگر آپ میرا قمیص والدہ کے پاس لے جانا چاہیں تو لے جائیں، شاید اس سے انھیں کچھ تسلی ہو، اکلوتے بیٹے کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ایک باپ کے دل پر کیا گذر سکتی ہے؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام استقامت

کے پہاڑ بن کر جواب یہ دیتے ہیں کہ: "بیٹے! تم اللہ کا حکم پورا کرنے کے لیے میرے کتنے اچھے مددگار ہو" یہ کہہ کر انہوں نے بیٹے کو بوسہ دیا، پُرنم آنکھوں سے انھیں باندھا، (مظہری)

وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ (انھیں پیشانی کے بل خاک پر لٹا دیا) حضرت ابن عباسؓ سے اس کا مطلب یہ منقول ہے کہ انھیں اس طرح کروٹ پر لٹا دیا کہ پیشانی کا ایک کنارہ زمین سے چھونے لگا، (مظہری)۔ لغت کے اعتبار سے یہ تفسیر راجح ہے، اس لیے کہ جَبِیْنٌ عربی زبان میں پیشانی کی دونوں کروٹوں کو کہتے ہیں۔ اور پیشانی کا درمیانی حصہ جَبْہَۃٌ کہلاتا ہے۔ اسی لیے حکیم الامت حضرت تھانوی رحؒ نے اس کا ترجمہ کروٹ پر لٹانے سے کیا ہے، لیکن بعض دوسرے حضرات مفسرین رحؒ نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اوندھے مُنہ زمین پر لٹا دیا، بہرصورت تاریخی روایات میں اس طرح لٹانے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ شروع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں سیدھا لٹایا تھا، لیکن جب چھری چلانے لگے تو بار بار چلانے کے باوجود گلا کٹتا نہیں تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیتل کا ایک ٹکڑا بیچ میں حائل کر دیا تھا، اس موقع پر بیٹے نے خود یہ فرمائش کی کہ ابا جان! مجھے چہرے کے بل کروٹ سے لٹا دیجئے، اس لیے کہ جب آپ کو میرا چہرہ نظر آتا ہے تو شفقتِ پدری جوش مارنے لگتی ہے، اور گلا پوری طرح کٹ نہیں پاتا، اس کے علاوہ چھری مجھے نظر آتی ہے تو مجھے بھی گھبراہٹ ہونے لگتی ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں اسی طرح لٹا کر چھری چلانی شروع کی (تفسیر مظہری وغیرہ) واللہ اعلم۔

## امتحان میں کامیابی

وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا (اور ہم نے انھیں آواز دی کہ اے ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا) یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں جو کام تمہارے کرنے کا تھا اس میں تم نے اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، (خواب

میں بھی غالباً صرف یہی دکھایا گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انھیں ذبح کرنے کے لیے چھری چلا رہے ہیں)، اب یہ آزمائش پوری ہو چکی اس لیے اب انھیں چھوڑ دو،

اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں) یعنی جب کوئی اللہ کا بندہ اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے اپنے تمام جذبات کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، تو ہم بالآخر اسے دنیوی تکلیف سے بھی بچا لیتے ہیں، اور آخرت کا اجر و ثواب بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیتے ہیں۔

وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ (اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا) روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ آسمانی آواز سن کر اوپر کی طرف دیکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مینڈھا لیے کھڑے تھے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مینڈھا تھا جس کی قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادے ہابیل رض نے پیش کی تھی، واللہ اعلم۔

بہر حال یہ جنتی مینڈھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے بیٹے کے بجائے اس کو قربان کیا، اس ذبیحہ کو "عظیم" اس لیے کہا گیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا تھا اور اس کی قربانی کے مقبول ہونے میں کسی کو کوئی شک نہیں ہو سکتا، (تفسیر مظہری وغیرہ)۔ (معارف القرآن ج ۷)

## عید کی وجہ تسمیہ

شوال کے مہینہ کی پہلی تاریخ کو عید الفطر (عید) اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو عید الاضحیٰ (بقر عید) اور دونوں کو "عیدین" کہتے ہیں۔

یہ دونوں تاریخیں اسلام میں عید اور خوشی کے دن ہیں جن میں دو دو رکعت نماز بطور شکر کے پڑھی جاتی ہے۔ عیدین کی نماز امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے، جب کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے

علماء عیدین کی نماز کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں۔

"عید" لفظ "عود" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "بار بار آنا" چنانچہ اس دن کو عید اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ دن بار بار یعنی ہر سال آتا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس دن کا نام "عید" اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ عَود کرتا ہے یعنی بندوں پر اپنی رحمت اور بخشش کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے (مظاہر حق جدید ص۷۷۲ ج ۲)۔

عید، عود سے ہے جس کے معنی ہیں لوٹنا، بار بار آنا، چونکہ یہ مفہوم اس دن کے اندر موجود ہے، اس لیے وہ دن جو ہر سال ماہِ شوال کی پہلی تاریخ اور ماہِ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو آتا ہے یوم عید کہلاتا ہے۔ اس دن میں اللہ تعالےٰ کے انعامات بندوں پر عائد اور مکرر ہوتے ہیں، یہ دن ہر سال مسرت و خوشی کا پیغام لاتا ہے، اس روز ہر شخص کی حسب حیثیت عزت و حرمت کا احساس ہر سال تازہ ہوتا ہے، اللہ تعالےٰ نے رمضان میں جو اپنے بندوں کو کھانے پینے سے روک دیا تھا، عید کے باعث اس کا انعام یعنی افطار بندوں پر رجوع کرتا ہے۔ اس اسلامی تقریب میں کتنے مختلف پہلوؤں سے عود کا مفہوم پایا جاتا ہے، اس لیے اس کو عید کہتے ہیں، پھر یوں بھی اہلِ عرب ہر مسرت بخش اجتماع کو عید سے یاد کرتے ہیں۔ (الصبح النوری قدوری ص۱۲۲)۔

جمعہ ہر ہفتہ کی عید ہے اور ہفتہ بھر کی نمازوں کی نعمت کا شکرانہ ہے۔ شریعت میں ہر طاعت پر شکرِ نعمت کے لیے اس کی جنس سے عید مقرر کردی گئی تاکہ مزید نعمت کا موجب بنے۔

لیکن زکوٰۃ کا چونکہ کوئی وقت معین نہیں نہ اس کے لیے کوئی اجتماع منعقد ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی تمام ادائیگی کے موقع پر اس کے مناسب کوئی شکر نہ تھا۔

ایک وجہ یہ بھی بتائی ہے کہ "عید" کو عید اس کی دوبارہ آمد کی نیک فالی کے لیے کہتے ہیں جس طرح قافلہ کو روانگی کے وقت ہی قافلہ کہہ دیتے ہیں۔ اور یہ لفظ قافلہ قفول سے بنا ہے جس کے معنیٰ واپس آنا، یعنی خدا کرے یہ قافلہ واپس لوٹ کر آئے۔ (اشعۃ اللمعات ص۹۶ ج ۲)۔

## عیدین کے مشروع ہونے کی دلیل

عید کی نماز پہلے سالِ ہجری میں مشروع ہوئی جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ وَلَھُمْ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْھِمَا فَقَالَ مَا ھٰذَانِ الْیَوْمَانِ؟ قَالُوْا کُنَّا نَلْعَبُ فِیْھِمَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَلَکُمُ اللّٰہُ بِھِمَا خَیْرًا مِّنْھُمَا یَوْمَ الْاَضْحٰی وَیَوْمَ الْفِطْرِ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ (جن کی کافی تعداد پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکی تھی) دو تہوار منایا کرتے تھے، اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ دو دن جو تم مناتے ہو، ان کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے؟ (یعنی تمہارے ان تہواروں کی کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟) انہوں نے عرض کیا کہ:۔ ہم زمانہ جاہلیت میں اسلام سے پہلے یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے (بس وہی رواج جواب تک چل رہا ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دو تہواروں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لیے مقرر کر دیے ہیں (اب وہی تمہارے قومی و مذہبی تہوار ہیں) یوم عید الاضحیٰ اور یوم عید الفطر۔ (سنن ابی داؤد)۔

تشریح:۔ قوموں کے تہوار دراصل اُن کے عقائد و تصورات اور ان کی تاریخ و روایات کے ترجمان اور ان کے قومی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

اس لیے ظاہر ہے اسلام سے پہلے اپنی جاہلیت کے دور میں اہل مدینہ جو دو تہوار مناتے تھے وہ جاہلی مزاج و تصورات اور جاہلی روایات ہی کے آئینہ دار ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ حدیث کے صریح الفاظ کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے ان قدیمی تہواروں کو ختم کرا کر ان کی جگہ عید الفطر اور عید الضحیٰ (عیدین) دو تہوار اس امت کے لیے مقرر فرما دیئے جو اس کے توحیدی مزاج اور اصول حیات کے عین مطابق اور اس کی تاریخ و روایات اور عقائد و تصورات کے پوری طرح آئینہ دار ہیں۔

کاش اگر مسلمان اپنے تہواروں ہی کو صحیح طور پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کے مطابق منائیں تو اسلام کی روح اور اس کے پیغام کو سمجھنے، سمجھانے کے لیے صرف یہ دو تہوار ہی کافی ہو سکتے ہیں۔ (معارف الحدیث ص ۲۹۸ ج ۳ و کتاب الفقہ ص ۵۴۸ ج ۱)۔

## عیدین کیا ہیں؟

ہر قوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن میں اس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور سطح کے مطابق اچھا لباس پہنتے اور عمدہ کھانے پکاتے ہیں، دوسرے طریقوں سے بھی اپنی اندرونی مسرت و خوشی کا اظہار کرتے ہیں، یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اسی لیے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے ہاں تہوار اور جشن کے کچھ خاص دن نہ ہوں۔

اسلام میں بھی دو دن رکھے گئے ہیں۔ ایک عید الفطر اور دوسرے عید الاضحیٰ (عید قربانی)۔ بس یہی مسلمانوں کے اصل مذہبی و ملی تہوار ہیں۔ ان کے علاوہ مسلمان جو تہوار مناتے ہیں اُن کی کوئی مذہبی حیثیت اور بنیاد نہیں ہے، بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں سے اکثر خرافات ہیں۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آئے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ان دونوں

تہواروں کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے عید الفطر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر یکم شوّال کو منائی جاتی ہے، اور عید الاضحیٰ (بقرعید) دس ذی الحجہ کو۔ رمضان المبارک دینی و روحانی حیثیت سے سال کے بارہ مہینوں میں سب سے مبارک مہینہ ہے۔ اسی مہینہ میں قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا، اسی پورے مہینہ کے روزے اُمت مسلمہ پر فرض کیے گئے، اس کی راتوں میں ایک مستقل باجماعت نماز کا اضافہ کیا گیا اور ہر طرح کی نیکیوں میں اضافہ کی ترغیب دی گئی۔ الغرض یہ پورا مہینہ خواہشات کی قربانی اور مجاہدہ کا اور ہر طرح کی طاعات وعبادات کی کثرت کا مہینہ قرار دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس مہینہ کے خاتمہ پر جو دن آئے ایمانی اور روحانی برکتوں کے لحاظ سے وہی سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو اُمت کے جشن و مسرت کا دن اور تہوار بنایا جائے، چنانچہ اسی دن کو عید الفطر قرار دیا گیا۔

اور دس ذی الحجہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں اُمتِ مسلمہ کے مؤسّس و مورثِ اعلیٰ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کا حکم و اشارہ پا کر اپنے لختِ جگر سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ان کی رضامندی سے قربانی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کر کے اور ان کے گلے پر چھری رکھ کر اپنی سچی وفاداری اور کامل تسلیم و رضا کا ثبوت دیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے عشق اور محبت و قربانی کے اس امتحان میں کامیاب قرار دے کر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو زندہ سلامت رکھ کر ان کی جگہ ایک جانور کی قربانی قبول فرمائی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر پر ”اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا“ کا تاج رکھ دیا تھا، اور ان کی اس ادا کی نقل کو قیامت تک کے لیے ”رسمِ عاشقی“ قرار دے دیا تھا، پس اگر کوئی دن کسی عظیم تاریخی واقعہ کی یادگار کی حیثیت سے تہوار قرار دیا جا سکتا ہے تو اس اُمتِ مسلمہ کے لیے جو ملّتِ ابراہیمی

کی وارث اور اُسوۂ خلیلی کی نمائندہ ہے۔ دس ذی الحجہ کے دن کے مقابلے میں کوئی دوسرا دن اس کا مستحق نہیں ہو سکتا، اس لیے دوسری عید دس ذی الحجہ کو قرار دیا گیا۔ جس وادیِ غیر ذی زرع (بنجر غیر آباد جگہ) میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا یہ واقعہ پیش آیا تھا، اسی جگہ میں پورے عالم اسلامی کا حج کا سالانہ اجتماع اور اس کے مناسک قربانی وغیرہ اس واقعہ کی گویا اصل اور اوّل درجے کی یادگار ہے۔ اور ہر اسلامی شہر اور بستی میں عید الضحیٰ کی تقریبات نماز اور قربانی وغیرہ بھی اس کی گویا نقل اور دوسرے درجہ کی یادگار ہے۔

بہر حال ان دونوں دنوں (یکم شوال اور دس ذی الحجہ) کی ان خصوصیات کی وجہ سے ان کو یوم العید اور اُمّتِ مسلمہ کا تہوار قرار دیا گیا (معارف الحدیث صفحہ ۳۹۷ جلد ۳)۔

## عیدین کی راتوں کی فضیلت

عَنْ ابی امامۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قام لیلتی العیدین محتسبا لم یمت قلبہ یوم تموت القلوب (رواہ ابن ماجۃ)۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عیدین کی دونوں راتوں میں خالص اجر و ثواب کی امید پر عبادت کی، اس کا دل (قیامت کے) اس (ہولناک) دن میں مردہ نہیں ہوگا جس دن لوگوں کے دل (خوف و دہشت سے) مردہ ہوں گے۔

تشریح:۔ قیامت کے ہولناک دن میں خوف و ہراس اور تکلیف و پریشانی کا یہ عالم ہوگا کہ آدمی زندگی پر موت کو ترجیح دے گا، جو لوگ ان دو مبارک راتوں میں اپنے دل، اپنے پروردگار سے لگائے رہیں گے، قیامت کے دن ان کو امن و سکون اور راحت و آرام نصیب ہوگا۔

اور بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس شخص کا دل دنیا کی

محبت میں دیوانہ نہ ہوگا، جو حقیقت میں دلوں کے لیے موت ہے اور یہ شخص بری موت سے محفوظ رہے گا (الترغیب والترہیب ص ۳۸۴ ج ۲)

عیدین کی شب میں تمام رات عبادت کرنا اور نفلیں پڑھنا مستحب ہے (فتاویٰ محمودیہ ص۳۳۵ ج ۲)۔

## عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَیَّامٍ اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ فِیْهِنَّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ هٰذِہِ الْاَیَّامِ الْعَشْرَۃِ. (رواہ البخاری)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو عملِ صالح جتنا ان دس دنوں (ذی الحجہ کے پہلے دس دن) میں محبوب ہے اتنا دوسرے کسی دن میں نہیں۔

تشریح:۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے سات دنوں میں سے جمعہ کو، سال کے بارہ مہینوں میں سے رمضان المبارک کو، اور پھر رمضان کے تین عشروں میں سے عشرۂ اخیرہ کو خاص فضیلت بخشی ہے، اسی طرح ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کو بھی فضل ورحمت کا خاص عشرہ قرار دیا ہے، اور اسی لیے حج بھی انہی دنوں میں رکھا گیا۔

بہر حال یہ رحمت خداوندی کا خاص عشرہ ہے۔ ان دنوں میں بندے کا ہر نیک عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، اور اس کی بڑی قیمت ہے۔ (معارف الحدیث ص۱۶۷ ج ۳)

## قربانی نہ کرنے پر وعید

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مَنْ کان لہ سعۃ ولم یُضَحِّ فَلَا یَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:۔جس کے پاس گنجائش ہو اور اس کے باوجود وہ قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔

تشریح:۔ پوری ملت اسلامیہ شریعت کا ایک اہم شعار اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی یادگار رہی ہے، انہی میں ایک شخص جسے خدا نے سب کچھ دیا ہے اور وہ آسانی سے اس اہم سنت میں حصہ لے سکتا ہے اور اس کے باوجود بے پرواہی برت رہا ہے تو اس کا کیا منھ ہے کہ سب مسلمانوں کے ساتھ مل کر عید منائے۔ (ترغیب صـ۳۹۴ ج ۲)۔

مسئلہ:۔ بہت سے لوگ باوجود وسعت کے قربانی نہیں کرتے، خاص کر دیہات کے لوگ اس میں بہت غفلت کرتے ہیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے "جو صاحب وسعت قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے" اور یہ معلوم ہے کہ عیدگاہ میں وہ لوگ جاتے ہیں جو مسلمان ہیں اور عیدگاہ سے بے تعلقی اور بُعد (دوری) انھیں کو ہے جو کافر ہیں۔ اب غور کرنا چاہیئے کہ حدیث شریف میں قربانی نہ کرنے والوں کے لیے کس قدر تہدید اور وعید شدید ہے۔ (اغلاط العوام صـ۱۳۲)

(بعض جگہ یہ رواج پایا جاتا ہے کہ جس کسی پر قربانی واجب ہوئی اس نے، بکرا، بھیڑ، دنبہ یا کوئی بڑا جانور خرید لیا اور قربانی کردی، لیکن اگر کبھی کچھ مالی اعتبار سے کمی ہوئی، چاہے وہ صاحب نصاب بھی ہو، لیکن اکثر و بیشتر یہ کہہ کر بری الذمہ ہونے کی کوشش کرتا ہے کہ ہر سال قربانی کرتے ہیں اگر اس سال نہ کی تو کیا حرج ہے؟

دین اسلام ایک کامل دین ہے جس میں انسان کی قیامت تک کی ضروریات وغیرہ کا خیال رکھا گیا ہے۔ قربانی کے باب میں شریعت کی دی ہوئی رعایتوں اور گنجائشوں کا استعمال نہ کرنے کی بناء پر ایسا ہوتا ہے، افضل تو یہ ہی ہے کہ صاحب نصاب ایک بکرا، دنبہ وغیرہ قربانی کا کرے۔ لیکن اگر اس کی ہمت نہ ہو تو بڑے جانور

میں ایک حصہ ضرور لے کر فریضۂ قربانی سے سبکدوش ہوکر اس وعید سے بچے۔ کیونکہ بڑے جانور میں سات افراد شریک ہوسکتے ہیں۔ اگر اس علاقہ میں بڑے جانور وغیرہ نہ ملتے ہوں یا گوشت نہ کھایا جاتا ہو تو قربانی کی رقم دینی مدارس میں جہاں پر قربانی کا انتظام ہو بھیج کر دُہل ثواب حاصل کرلیں۔ محمد رفعت قاسمی عفی عنہ)۔

## سب سے زیادہ محبوب عمل

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا۔ (ترمذی وابن ماجۃ)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی عید الاضحیٰ کے دن فرزند آدم کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں، اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھُروں کے ساتھ (زندہ ہوکر) آئے گا، اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہونچ جاتا ہے، پس اے خدا کے بندو! دل کی پوری خوشی سے قربانیاں کیا کرو۔ (ترمذی)

تشریح:۔ بعض عبادتوں کا بعض دنوں میں خصوصی اجر و ثواب ہے۔ خدائے رحمن و رحیم کو عید الضحیٰ کے دن سب سے زیادہ پسندیدہ یہ عمل ہے کہ اس کے نام پر زیادہ سے زیادہ جانیں قربان ہوں اور خون بہے، یہ دراصل انسان کے اپنے جذبات کی قربانی اور اس کی فداکاری کا امتحان ہے، چنانچہ اس کی ابتداء ملتِ اسلامیہ کے جدِّ امجد، خدا کے بہت زیادہ برگزیدہ بندے

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ایک بے مثال قربانی سے ہوئی۔ اپنے اکلوتے بیٹے کو خود اپنے ہاتھوں ذبح کر دینے سے بڑھ کر اور کیا قربانی ہو سکتی ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی طرف سے یہ کر دکھایا (گو خدا نے ان کے لختِ جگر کی جان بچالی)۔ اس اصل قربانی کی ہمت تو ہر کوئی نہیں کر سکتا تھا، اس لیے خدا نے اپنے کرم سے اس کا حکم تو نہیں دیا، البتہ اس مبارک وعظیم قربانی کی یادگار اس ملتِ حنیفیہ میں جاری رکھی اور ہر سال اس کا دُہرانا اہلِ استطاعت پر لازم کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ :۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان (جانوروں کا) گوشت پہونچتا ہے اور نہ ان کا خون، بلکہ اس کے پاس تو تمہارا تقویٰ پہونچتا ہے)۔ اس لیے جب چھری پھیر دی، جذبۂ قربانی اور دل کے تقویٰ کا امتحان ہوگیا۔ خون کا قطرہ زمین پر بعد میں گرا، نیک نیتی اور خلوصِ دل پہلے قبول ہوگیا۔

اس آیت نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ صرف جانوروں کا خون بہا دینے سے یا گوشت کھلانے ہی سے خدا کی خوشنودی حاصل نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے یہاں تو اصلی قیمت تقویٰ، خلوص، خوش دلی اور جوشِ محبت اور جذبۂ قربانی کی ہے، جس بندے میں یہ خوبی جتنی زیادہ ہے اس کی قربانی اتنی ہی زیادہ مقبول ہے۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۲۹۲ ج ۲)۔

## قربانی کی تاریخ

کسی حلال جانور کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے ذبح کرنا اس وقت سے شروع ہوا ہے جب سے آدم علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے اور دنیا آباد ہوئی۔ سب سے پہلے قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل وقابیل نے دی۔ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا۔ یعنی جب کہ دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی۔ (سورۂ مائدہ پارہ ۶)۔

علامہ ابنِ کثیر علیہ الرحمۃ نے بروایت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی

تفسیر میں نقل فرمایا کہ ہابیل نے ایک مینڈھے کی قربانی پیش کی اور قابیل نے اپنے کھیت کی پیداوار سے کچھ غلہ وغیرہ صدقہ کر کے قربانی پیش کی۔ حسبِ دستور آسمان سے آگ نازل ہوئی، ہابیل کے مینڈھے کو کھالیا اور قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا۔ قربانی کے قبول ہونے یا نہ ہونے کی پہچان پہلے انبیاء کے زمانہ میں یہ تھی کہ جس قربانی کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے تو ایک آگ آسمان سے آتی اور اس کو جلا دیتی تھی۔ سورۂ آلِ عمران میں اس کا ذکر صراحۃً آیا ہے کہ:-

بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّار یعنی وہ قربانی جس کو آگ کھا جائے

اس زمانہ میں کفار سے جہاد کے ذریعہ جو مالِ غنیمت ہاتھ آتا تو اس کو بھی آسمان سے آگ نازل ہو کر کھا جاتی تھی اور یہ جہاد کے مقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی۔

اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہوا کہ قربانی کا گوشت اور مالِ غنیمت ان کے لیے حلال کر دیئے گئے۔ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خصوصی فضائل اور انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِم۔ یعنی میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ کے زمانہ کے بعض غیر مسلموں نے اپنے اسلام قبول نہ کرنے کا ایک یہ عذر بھی پیش کیا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی قربانیوں کو آگ کھا جایا کرتی تھی، اور آپؐ کے زمانہ میں ایسا نہیں ہوتا، اس لیے ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک یہ صورت ظاہر نہ ہو۔ سورۂ مائدہ میں اس عذرِ لنگ کو بیان کر کے یہ جواب دیا گیا کہ جن انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں قربانیوں کو آگ نے کھایا تھا تم انھیں پر کونسا ایمان لائے ہو، تم نے تو ان کو بھی جھٹلا دیا ہے بلکہ ان کے قتل تک سے دریغ نہ کیا تھا۔ ان کا یہ قول حق طلبی کے لیے نہیں تھا بلکہ حیلہ جوئی کے لیے تھا۔

جانور کی قربانی سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے عبادت اور تقربِ الٰہی کا ذریعہ دی گئی ہے اور قربانی کا خاص ایک طریقہ کہ آسمانی آگ آکر

اس کو جلادے۔ یہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک تمام انبیاء سابقین کے دور تک مشہور رہا۔

قربانی ایک اہم عبادت اور شعائرِ اسلام میں سے ہے، زمانۂ جاہلیت میں بھی اس کو عبادت سمجھا جاتا تھا مگر بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے، اسی طرح آج تک دوسرے مذاہب میں قربانی مذہبی رسم کے طور پر ادا کی جاتی ہے، بتوں کے نام پر، یا مسیح کے نام پر قربانی کرتے ہیں۔ سورۂ کوثر پارۂ عم میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جس طرح نماز اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہو سکتی، قربانی بھی اسی کے نام پر ہونی چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد دس سال تک مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا، ہر سال پابندی سے قربانی فرماتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ قربانی صرف مکہ معظمہ کے لیے مخصوص نہیں بلکہ ہر شخص پر ہر شہر میں شرائط کے بعد واجب ہے اور مسلمانوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے، اسی لیے جمہور علمائے اسلام کے نزدیک قربانی واجب ہے۔ (شامی۔ تاریخ قربانی ص۲۱)۔

## قربانی کی حقیقت

اصل میں قربانی کی حقیقت تو یہ تھی کہ عاشق خود اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھیے، ان کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اس لیے حکم دیا کہ تم جانور ذبح کردو، ہم یہی سمجھیں گے کہ تم نے خود اپنے آپ کو قربان کردیا۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواب کے ذریعہ بشارت دی گئی کہ آپ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کریں۔ اب دیکھیے کہ یہ حکم اول تو اولاد کے بارے میں دیا گیا۔ اور اولاد بھی کیسی، فرزند اکلوتا اور فرزند بھی ناخلف نہیں بلکہ نبیٔ معصوم۔ ایسے بچے کی قربانی کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ حقیقت میں انسان کو اپنی قربانی پیش کرنا اتنا زیادہ مشکل نہیں، مگر اپنے ہاتھ سے اپنی اولاد کو ذبح کرنا بڑا سخت مشکل کام ہے۔

مگر چوں کہ حکمِ خداوندی تھا، اس لیے آپ نے اپنے بیٹے کی محبت پر حکمِ خداوندی کو مقدم رکھتے ہوئے فرمانِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو منیٰ کے منحر میں لے گئے اور فرمایا بیٹا! مجھے خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کر دوں۔ تو اسمٰعیل علیہ السلام نے فوراً یہ فرمایا:۔ افعل ما تؤمر یعنی جو آپ کو حکم ہوا ہے ضرور کیجئے، اگر میری جان کی ضرورت ہے تو ایک جان کیا؟ اگر ہزار جانیں بھی ہوں تو نثار ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رسیوں سے پہلے ان کے ہاتھ پاؤں باندھے، پھر چھری تیز کی۔ اب بیٹا بھی خوش ہے کہ میں خدا کی راہ میں قربان ہو رہا ہوں۔ ادھر باپ بھی خوش ہے کہ میں اپنے ہاتھ سے بیٹے کی قربانی پیش کر رہا ہوں۔ چنانچہ حکمِ خداوندی کی تعمیل میں اپنے بیٹے کی گردن پر چھری چلا دی، جب چھری کُند ہو گئی تو اس وقت حکمِ الٰہی ہوا:۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ٥ (الصّٰفّٰت پارہ ۲۳) بے شک آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔ اب ہم اس کے عوض جنت سے ایک مینڈھا بھیجتے ہیں اور تمہارے بیٹے کی جان کے عوض ایک دوسری جان کی قربانی مقرر کرتے ہیں۔

چنانچہ اسی دن سے اونٹ، بھینس، گائے، مینڈھا، بکرا وغیرہ قربانی کے لیے فدیہ (بدلہ) میں مقرر ہو گیا ہے۔ (خطباتِ حکیم الاسلام صفحہ ۳۹۵ جلد ۲)۔

## محبوباتِ نفس کی قربانی

قربانی کی بھی ایک صورت ہے اور ایک روح ہے۔ صورت تو جانور کا ذبح کرنا ہے اور اس کی حقیقت ایثارِ نفس کا جذبہ پیدا کرنا ہے اور تقرب الی اللہ ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ روح بغیر جانور ذبح کیے کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ بات پہلے معلوم ہو چکی کہ ہر صورت میں اس کے مطابق روح ڈالی جاتی ہے۔ نماز میں نماز کی روح، زکوٰۃ میں زکوٰۃ کی روح اور قربانی میں قربانی کی روح ڈالی جاتی ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے جو صورت مقرر کر دی

ہے، وہی اختیار کرنا پڑے گی۔ تب وہ روح اس میں ڈالی جائے گی۔ اگر وہ کسی چیز کی قربانی طلب کریں تو قربانی دینی ہوگی۔

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ (پارہ ۴۔ رکوع ۱) یعنی تم خیر کامل کبھی حاصل نہ کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے۔

اور مال محبوب چیز ہے۔ مال میں سے جانور بھی زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ کیونکہ جان دار ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اگر بے جان چیز ضائع ہو جائے تو آدمی دوسرا گھڑ کر بنا سکتا ہے، بخلاف جاندار کے کہ اگر فنا ہو گیا دوسرا ویسا نہیں ملتا۔ اور یہ مال ایسی چیز ہے کہ فنا ہو کر ہی نفع پہونچاتا ہے۔ اگر کسی کے پاس ایک کروڑ روپیہ رکھا ہوا ہو تو وہ بے کار ہے اس سے کوئی نفع نہیں پہونچ سکتا، جب تک اس کو خرچ نہ کرے۔ تو جب دنیوی منافع اس کو خرچ کیے بغیر نہیں مل سکتے تو اللہ تعالیٰ کی رضا (خوشنودی) جو اعلیٰ ترین نفع ہے، وہ محبوباتِ نفس قربان کیے بغیر کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

اور محبوبات کیا ہیں؟ جان، مال، اولاد، عزت، آبرو وغیرہ۔ چناں چہ ارشادِ باری ہے:۔ اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ ؕ (پارہ ۱۱۔ رکوع ۲۔ سورۃ التوبہ)۔ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا۔

غرض کہ آپ کو ان میں سے ہر چیز مٹانی ہوگی، تب کہیں بندگی کا اظہار ہوگا۔ درحقیقت جنت تو ایمان کے بدلے میں ملے گی اور اعمال تو ایمان کی شناخت کا ذریعہ ہیں۔ جیسے اگر سونا خریدا جائے تو اس کو کسوٹی پر گھس گھسا کر دیکھا جاتا ہے، اگر کھرا ہے تو اس کی قیمت ادا کرتے ہیں، ورنہ نہیں۔ تو اس جگہ قیمت سونے کی ہوتی ہے، لکیروں کی نہیں جو کسوٹی پر پڑ جاتی ہیں۔

بس اسی طرح آخرت کے بازار میں جنت کے عوض ایمان کی قیمت ادا کرنا ہے، اعمال ان لکیروں کی طرح ہمارے ایمان کی پختگی کی علامت

ہیں۔ اس لیے جنت حاصل کرنے کی غرض سے ہمیں "محبوباتِ نفس" کو قربان کرنا لازمی ہے۔ اگر مال خرچ کرنے کا حکم ہو تو مال خرچ کرو، جان دینے کا حکم ہو تو جان نثار کرو، عزت کی ضرورت ہو تو وہ بھی قربان کرو، یہی عشق کی پختگی کی علامات ہیں۔ (خطباتِ حکیم الاسلام صفحہ ۳۹۱ جلد ۲)۔

## قربانی کا حکم عام ہے

خلیل اللّٰہی (حضرت ابراہیمؑ) کے کارناموں میں سے جو چیزیں کسی خاص مقام کے ساتھ مخصوص تھیں وہ صرف حجاج پر لازم کی گئیں، جو اس مقام پر پہونچ کر انجام دیتے ہیں جیسے منیٰ میں تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا اور سات چکر لگانا اور جو چیز اس خاص جگہ سے تعلق نہیں رکھتی ہر جگہ کی جا سکتی ہے، جیسے جانور کی قربانی، اس کو تمام اُمت کے لیے حکم عام کے ساتھ واجب ولازم قرار دے دیا گیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہؓ و تابعینؒ اور پوری اُمت ہر خطے اور ہر ملک اور ہر جگہ میں اس واجب کی تعمیل کرتے رہے اور اس کو نہ صرف واجباتِ اسلامی میں سے ایک واجب قرار دیا گیا بلکہ شعائرِ اسلام میں داخل سمجھا گیا ہے۔ "وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ۔ (سورۃ الحج)۔ یعنی قربانی کے جانوروں کو ہم نے اللہ کی یادگار بنایا ہے۔ اللہ کی یادگار سے مراد اللہ کے دین کی یادگار ہے، ہاں یہ ظاہر ہے کہ جو قربانی اس مقام میں کی جائے جہاں سے اس کا آغاز ہوا یعنی منیٰ میں، وہ زیادہ افضل ہے اور موجبِ ثواب و برکات ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج میں سَو اونٹوں کی قربانی کی جن میں سے ترسٹھ اونٹوں کی قربانی خود فرمائی، باقی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔ (مسلم) یہ اتنی بڑی تعداد اسی فضیلت کی وجہ سے کی گئی، ورنہ مدینہ طیبہ میں عام عادت دو جانوروں کو ذبح کرنے کی تھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ

طیبہ میں دس سال قیام فرمایا اور ہر سال قربانی کرتے تھے۔ (ترمذی شریف)۔
آپؐ کا معمول یہ تھا کہ عید کی نماز پڑھ کر عید گاہ میں قربانی فرماتے تھے تاکہ سب مسلمانوں کو حکم شرعی کی اطلاع بھی ہو جائے اور آداب بھی سیکھ لیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ نماز عید سے پہلے قربانی نہیں ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر نماز عید کو مقدم فرمایا اور قربانی کو اس کے بعد کرنے کا حکم جاری فرمایا خواہ وہ مکہ میں ہو یا مدینہ میں یا دنیا کے کسی مقام میں۔ قرآن شریف کی آیاتِ مذکورہ اور روایتِ حدیث اور صحابۂ کرام کے تعامل سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ قربانی کا عبادت ہونا تو عہدِ آدم علیہ السلام سے ثابت ہے، مگر عید الاضحیٰ میں اس کا ضروری اور واجب ہونا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار کے طور پر جاری ہوا، اور قرآن وسنت کے نصوص میں اس کو اسلامی واجبات میں سے ایک اہم واجب قرار دیا جو ہر ملک، ہر خطہ اور ہر زمانہ میں ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ مدینہ طیبہ میں بھی قربانی کا فریضہ ادا کیا۔ اس زمانہ کے بعض لوگوں نے جو قربانی کو مکہ معظمہ کے ساتھ مخصوص کیا اور وہ بھی کسی عبادت کے طور پر نہیں بلکہ حجاج کی مہمانی کے طور پر سمجھا ہے وہ نہ صرف قرآن وحدیث سے بلکہ تمام شرائع انبیاء اور ان کی تاریخ سے بالکل ناواقفیت پر مبنی ہے، ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر قربانی کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ مکہ معظمہ میں جمع ہونے والے حجاج کی مہمانی اس سے کی جائے تو پھر اس میں نماز عید سے پہلے اور بعد میں کیا فرق پڑتا ہے اور بارہؔ تاریخ کی شام کے بعد قربانی ممنوع ہو جانے کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ کیا تیرہؔ تاریخ کو حجاج مکہ میں نہیں رہتے؟ اگر مہمانی اس کا مقصد تھا تو قربانی کے جانوروں کے لیے جو شرائط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر وغیرہ کے لحاظ سے بیان فرمائی ہے، ان شرائط کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ نیز کیا مہمان کو صرف گوشت کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی چیز کی

حاجت نہیں ہوتی۔ اگر مہمانی مقصود ہوتی تو قربانی کے ذریعہ گوشت مہیا کرنے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ دوسری اشیاء خوردنی جمع کرنے کا فریضہ عائد کیا جاتا، خصوصاً جبکہ مدینہ طیبہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رض سے ہر سال قربانی کرنا ثابت ہے تو پھر اس کے خلاف کوئی رائے قائم کرنا اور اس کو اسلام میں ٹھونسنا بہت بڑی جرأتِ رندانہ ہے۔ (تاریخ قربانی صـ۲۲ مصنفہ مفتی محمد شفیع رح)۔

## قربانی وصدقہ میں فرق ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ اصل مقصد جان کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔ چنانچہ اس سے انسان میں جاں سپاری اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہی اس کی روح ہے۔ تو یہ روح صدقہ سے کیسے حاصل ہوگی۔ کیونکہ قربانی کی روح تو جان دینا ہے اور صدقہ کی روح مال دینا ہے۔ پھر اس عبادت کا صدقہ سے مختلف ہونا اس طرح بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا کوئی دن متعین نہیں، مگر قربانی کے لیے ایک خاص دن مقرر کیا گیا ہے اور اس کا نام بھی یوم النحر اور عیدالاضحیٰ یعنی قربانی کا دن رکھا گیا ہے۔

جہاں تک قربانی کے مسئلہ کا تعلق ہے تو یہ سلفاً خلفاً ایسی ہی ہوتی چلی آئی ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا بھی اور اُمت کا بھی اس پر اجماع ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل میں سب کے یہاں قربانی تھی۔ ائمہ کرام کا بھی اس پر اجماع ہے۔ یہ اور بات ہے کہ امام شافعی رح، امام احمد ابن حنبل رح اور امام ابو یوسف رح کے یہاں قربانی سنت ہے اور امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک واجب ہے۔ یہ اس کے حکم میں اختلاف ہے اور ائمہ کے دقائق ہیں، مگر قربانی کی مشروعیت میں سب متفق ہیں۔ اور اگر یہ کوئی غیر شرعی عمل ہوتا تو احادیث میں اس کی صفات وغیرہ کیوں بیان کی جاتیں؟

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

ہدایت فرمائی ہے کہ ہم قربانی کی آنکھ اور کان کو خوب دیکھ بھال لیا کریں، ہم ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان آگے سے کٹا ہوا ہو۔ اور نہ جس کا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو، اور نہ جس کا کان چرا ہوا ہو، اور نہ جس کے کانوں میں سوراخ ہو، اور اس کے علاوہ بھی بعض اوصاف مذکور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے احکام صدقہ سے بالکل جدا ہیں۔ اس لیے اس میں صدقہ کے احکام سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اور پھر ساری امت آج تک بلا اختلاف یہ عمل کرتی چلی آرہی ہے اور تعامل امت سب سے بڑی دلیل ہے۔

(خطبات حکیم الاسلام ص۳۲۷ ج۲)۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ جانوروں کی قربانی جو ہر سال مسلمانوں پر لازم کی گئی ہے وہ ابراہیمی یادگار کی حیثیت رکھتی ہے تو اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ جانور کی قیمت کا صدقہ کر دینا یا کسی دوسرے نیک کام میں لگا دینا اس فریضہ سے سبکدوش نہیں کرسکتا۔ جیسے روزہ کی جگہ نماز یا نماز کے بدلہ روزہ کافی نہیں۔ زکوٰۃ کے بدلے میں حج یا حج کے بدلہ میں زکوٰۃ کافی نہیں۔

کوئی شخص اپنا اگر سب مال بھی اللہ کی راہ میں صدقہ کر دے تو ایک نماز کا فریضہ اس کے ذمہ سے ادا نہیں ہوتا، اسی طرح صدقہ خیرات کتنا بھی خرچ کر دے وہ یادگار ابراہیمی کی قائم مقام اور واجب قربانی کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ (تاریخ قربانی ص۱۸ از مفتی محمد شفیع رح)۔

## صدقہ کر دینے سے قربانی ادا نہ ہوگی

سارے اعمال شرعیہ کا مقصود تقویٰ ہے۔ مثلاً نماز سے عاجزی وانکساری کی صورت میں تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ روزے میں تزکیۂ نفس کی صورت میں، جہاد میں شجاعت کی صورت میں اور قربانی میں جان نثاری کی صورت میں تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ اب اگر آپ نے قربانی کے بجائے نماز پڑھ لی، تو نماز سے عاجزی اور بندگی کا تقویٰ تو ملا،

مگر قربانی کی صورت میں حاصل ہونے والا تقویٰ نہ ملا۔ پس اگر کوئی شخص قربانی نہ کرے اور صدقہ دے دے تو قیامت کے دن اس کو صدقہ کا ثواب مل جائے گا مگر قربانی کا مطالبہ باقی رہے گا اور یہ سوال ہوگا کہ قربانی کیوں نہیں کی؟ بالکل اسی طرح جیسے کوئی شخص نماز توپڑھتا رہا اور روزہ نہ رکھا تو روزہ کا مطالبہ ہوگا کہ روزہ کیوں نہیں رکھا تھا۔

اس کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے کہ آپ نے ایک آدمی ملازم رکھا جس کے سپرد آپ نے کھانا پکانے اور کھانا کھلانے کی خدمت سونپی، اب اس نوکر نے یہ کیا کہ کھانا تو پکایا نہیں مگر گھر کو صاف کر کے آئینہ بنا دیا، ہر چیز قرینہ سے رکھ دی، جھاڑو بھی دی، فرش بھی دھویا، جالے بھی صاف کیے، اور جب آپ گھر میں پہونچے اور دیکھا کہ ملازم نے گھر کو بہت صاف ستھرا کر رکھا ہے تو یقیناً آپ خوش ہوں گے مگر جب کھانے کے وقت آپ کو معلوم ہوگا کہ اس نے کھانا نہیں پکایا، تو یقیناً آپ اس سے باز پُرس کریں گے کہ تو نے کھانا کیوں نہیں پکایا؟ تو کیا وہ ملازم جواب دے سکتا ہے کہ صاحب میں نے گھر تو صاف کر دیا، اب کھانے کا مطالبہ کیسا؟۔ ظاہر ہے کہ اس سے یہی کہا جائے گا کہ یہاں جو کام تیرے سپرد کیا تھا وہ تو، تُو نے کیا نہیں اور ایک ایسا کام کیا جو فی الجملہ اگرچہ اچھا ہے مگر تیرے سپرد نہ تھا، اس لیے یہ کام تجھ کو کھانا کھلانے کے بعد کرنا چاہیئے تھا۔

اسی طرح صدقہ وخیرات تو عبادات نافلہ ہیں اور قربانی واجب ہے تو صدقہ دینے سے اس کا مطالبہ باقی رہے گا۔

حاصل یہ کہ جو صورت آپ اختیار کریں گے، اس کی رُوح اس میں ڈالی جائیگی جیسے انسان کی صورت میں انسان کی روح اور حیوان کی صورت میں حیوان کی روح۔ پھر قربانی کی روح صدقہ میں کیسے آسکتی ہے؟ اس لیے قیامت میں ہر ایک عمل کی مختلف صورتیں ہوں گی۔ مثلاً جو شخص مسجد بناتا ہے اس کو جنت میں

مکان ملتا ہے۔ اور روزہ دار کے لیے قیامت کے دن دسترخوان بچھایا جائے گا، اسی طرح قربانی کے متعلق ارشاد ہے کہ "قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کھالوں کے ساتھ موجود ہوگا۔"

حدیث شریف میں ان اجزار کا ذکر ہے جن کو ہم بے کار سمجھ کر پھینک دیتے ہیں، اس کے ردّی اجزار پر بھی ثواب دیا جائے گا۔ تو جو اصلی چیز یعنی گوشت ہے اس پر کیوں ثواب نہ ملے گا!

آگے ارشاد ہے کہ "قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے وہ اللہ تعالٰے کے یہاں مقبولیت کا درجہ حاصل کرلیتا ہے، تم اس عمل (قربانی) کو کرکے اپنا دل ٹھنڈا کرو۔" تو یہ مقبولیت کا درجہ بھی قربانی کے ساتھ خاص ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ص۴۰۶ و ص۴۰۷ جلد ۲)۔

## قربانی سے جانوروں کی کمی نہ ہوگی

قربانی پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ تین تاریخوں میں بیک وقت لاکھوں جانور ہلاک ہوجاتے ہیں تو اس کا مضر اثر قومی اقتصادیات پر پڑنا بھی ناگزیر ہے کہ جانور کم ہوجائیں گے اور سال بھر لوگوں کو گوشت ملنے میں مشکلات پیدا ہوجائیں گی لیکن یہ خیالات صرف انسان کے ذہن پر مسلط ہوجاتے ہیں جبکہ وہ خالقِ کائنات کی قدرتِ کاملہ اور اس کے نظام محکم کے مشاہدہ سے بالکل غافل ہوجائے۔

حالانکہ نظامِ قدرت پورے عالم میں ہمیشہ سے یہ ہے کہ جب دنیا میں کسی چیز کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے تو اللہ رب العالمین اس چیز کی پیداوار بھی زیادہ بڑھا دیتے ہیں اور جب ضرورت کم ہوجاتی ہے تو پیداوار بھی گھٹ جاتی ہے، جیسے کوئی شخص کنوئیں کے پانی پر رحم کھاکر اس لیے نکالنا چھوڑ دے کہ کہیں پانی ختم نہ ہوجائے۔ تو کیا کنوئیں کے سوتے بند ہوجائیں گے اور کنواں پانی نہ دے گا؟ بلکہ جتنا زیادہ نکالا جائے گا اتنا

ں کنوئیں سے پانی زیادہ ملے گا۔ اعداد و شمار کا حساب لگا کر دیکھیں۔ پچھلے
انہ میں جتنی قربانی کی جاتی تھی اُتنی آج نہیں ہے۔ جس طرح تمام احکامِ دین
ثلاً نماز، روزہ میں سُستی آگئی ہے، قربانی کے مسئلہ میں اس سے زیادہ
سُستی برتی جاتی ہے۔ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں قربانی کا یہ عالم تھا کہ ایک
ب آدمی سَو سَو اُونٹوں کی قربانی کرتا تھا۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سَو اونٹوں کی قربانی کی اور
یسٹھ اونٹوں کی قربانی کا فریضہ خود اپنے دستِ مبارک سے انجام دیا۔ اور
بانی کی اس فراوانی اور زیادتی کے زمانہ میں کسی جگہ یہ شکایت نہیں سنی گئی کہ
نور نہیں ملتے یا گراں ملتے ہیں۔ اِس زمانہ میں جب کہ نماز روزہ اور دوسری
دات کی طرح قربانی میں بھی سخت غفلت برتی جارہی ہے، لاکھوں انسان
ں کے ذمہ شرعاً قربانی لازم ہے، قربانی نہیں کرتے، تو اس وقت جانوروں
لی کو قربانی کا نتیجہ کہنا واقعات کے سراسر خلاف ہوگا۔ اس زمانہ میں بھی
ت سے ممالک ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی برائے نام ہے، نہ وہاں قربانی
تی ہے اور نہ قربانی کی وجہ سے کوئی جانور کم ہوتا ہے مگر جانوروں اور گوشت
گرانی وہاں ہمارے ملکوں سے زیادہ نظر آتی ہے۔ اور اگر کسی کا ایسا ہی
جا ہے تو ایک سال کسی شہر یا کسی ملک میں قربانی بند کرکے دیکھ لے کہ قوم
قتصادیات میں اس کا کیا خوش گوار اثر ہوتا ہے، جانوروں اور گوشت کی
ودھ اور گھی کی کتنی ارزانی ہو جاتی ہے، کوئی مسلم ملک تو انشاء اللہ اس
تجربہ کرنے کے لیے بھی تیار نہ ہوگا۔ ہمارا پڑوسی ملک موجود ہے جہاں گائے
مدتک نہ صرف سالانہ قربانی بلکہ روزانہ گوشت خوری بھی بند ہے، کیا
دیکھا کہ وہاں گلی گلی گائے پھرتی ہے؟ یا دودھ کی ندیاں بہتی ہیں
ان ہوگیا ہے؟

مشترکہ ہندوستان میں جبکہ مسلمان اور انگریزی فوج

ذبح کیا کرتے تھے اور سالانہ قربانی ہوا کرتی تھی، لیکن گھی اور دودھ کا جو بھاؤ نرخ، اس وقت تھا، آج اس وقت سے بہت زیادہ گراں ہے اور ارزانی کا کہیں نام نہیں۔ اور قدرت کے دستور کے مطابق ہمارا خیال یہ ہے کہ اگر وہاں گائے کا خرچ اسی طرح کم ہوتا چلا گیا تو کچھ عرصہ میں وہاں گائے کی پیداوار نہ ہونے کے قریب ہوجائے گی۔ اور کیا یہ مثال سارے جہاں کے سامنے نہیں کہ اب سے سو سال پہلے تک تمام سفر گھوڑوں پر طے کیے جاتے تھے اور ساری دنیا میں جنگیں صرف گھوڑوں کے ذریعہ سے ہی کی جاتی تھیں۔ فوج کے لیے لاتعداد گھوڑے پالے جاتے تھے۔ اور اب موجودہ زمانے میں جب گھوڑوں کی جگہ موٹروں، ہوائی جہاز اور دیگر سواریوں نے لے لی تو کیا دنیا میں گھوڑے زیادہ سستے ہوگئے، یا ان کی تعداد گھٹ گئی اور قیمت بڑھ گئی۔ یہ قدرت کا کارخانہ، اس کا نظام، انسانی سمجھ، فہم و ادراک اور انسانی تجویزوں سے بہت بلند ہے۔

کاش قربانی سے ناآشنا مسلمان سوچیں اور غور کریں اور قربانی کو ایک رسم یا عید کی تفریح کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس کی حقیقت کو سامنے رکھ کر سنتِ ابراہیمی کے اتباع کے طور پر ادا کریں تو ایمان و عمل میں قوت و اخلاص کی برکات کا مشاہدہ ہونے لگے۔ ہر عبادت میں ثواب کے علاوہ کچھ مخصوص آثار بھی ودیعت کیے گئے ہیں جیسے نماز میں تواضع و انکساری، زکوٰۃ میں حُبِّ مال سے قلب کی صفائی، روزہ اور حج میں اللہ جل شانہٗ کی محبت میں ترقی حاصل ہوتی ہے، اسی طرح قربانی سے ایمان و اخلاص میں قوت، اعمالِ شاقہ کے لیے عزم و ہمت پیدا ہوتی ہے۔ (تاریخ قربانی از مفتی محمد شفیع رح صفحہ ۲۶)۔

مَسئلہ:۔ بعض لوگ خود ذبح پر ہی اعتراض کیا کرتے ہیں کہ "یہ بے رحمی ہے" جانور کو تکلیف دینا ہے، ہم کہتے ہیں کہ ذبح میں "ایسی" تکلیف نہیں ہوتی، موتِ طبعی میں زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ہوتی بھی ہو تو محبوبِ حقیقی کے حکم سے ہو وہ سب محبوب ہے۔ تو جانور کے ذبح کو بے رحمی بتلانا سخت غلطی ہے

(اغلاط العوام ص۱۸۱)۔

## اسلام کو ذبح نہ کیجیے

اس جگہ یہ اشکال کہ قربانی کرنے سے جانور ختم ہو جائیں گے۔ سو اوّل تو یہ خیال ہی غلط ہے کیونکہ لاکھوں جانور جو روزانہ بطور ذبح کے کاٹے جاتے ہیں، عید کے دن وہ ذبح نہیں ہوتے، اس طرح کچھ معمولی سا فرق پڑتا ہے جو کسی بھی طرح قابلِ اعتنا نہیں۔ پھر اس روز بعض ایسے لوگوں کو بھی گوشت پہونچ جاتا ہے جو سال میں ایک آدھ دفعہ ہی کھا سکتے ہیں۔ اور پھر ان کی ساری کھالیں غرباء و مساکین میں تقسیم ہوتی ہیں۔ غرض بہت سے منافع اس سے حاصل ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ جو روپیہ قربانی پر صرف ہوتا ہے اس کو مہاجرین وغیرہ کی امداد میں صرف کیا جائے، تو بے شک مہاجرین کی امداد بھی ضروری ہے، مگر ہر کام کے لیے اسلام کے گلے پر چھری کیوں چلتی ہے؟ کچھ اپنی خواہشاتِ نفس پر بھی تو چھری چلایئے اور غیر شرعی اخراجات کو بند کر کے مہاجرین وغیرہ کی امداد کیجیے۔ مثلاً سنیما ہے، شراب ہے اور دوسرے فضول اخراجات ہیں۔ حاصل یہ کہ اب یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ جس طرح کائنات کی ہر چیز میں ایک صورت ہے اور ایک روح ہے، اسی طرح اعمالِ شرعیہ میں بھی ایک روح ہے اور جیسے وہاں ہر صورت کی ایک خاص روح ہے جو دوسری صورت میں نہیں آسکتی۔ اسی طرح یہاں بھی ایک روح ہے جو دوسرے میں نہیں آسکتی۔ (خطبات حکیم الاسلام ص۴۰۵ ج۲)۔

## سنتِ ابراہیمیؑ کی یادگار

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول رسول حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ان اعمال و افعال کو پسند فرما کر قیامت تک ان کی یادگار کو زندہ رکھنے کے لیے ان افعال و اعمال کی نقل کرنے کو اپنی محبوب عبادت قرار دے کر اپنے بندوں پر لازم کر دیا جس طرح واجباتِ حج میں تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا اسی خلیل الٰہی

عمل کی یادگار ہے: حجاج پر خصوصاً اور عام مسلمانوں پر عموماً جانوروں کی قربانی اسی یادگار کو زندہ رکھنے کے لیے لازم کی گئی ہے جس طرح صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا اور سات چکر لگانا حضرت ہاجرہ رضہ کے ایک عمل کی یادگار ہے اس کو بھی واجبات حج میں داخل کر دیا گیا ہے۔

ایک حدیث شریف ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قربانی کی کیا اصلیت ہے؟ آپؐ نے فرمایا تمہارے والد ابراہیم علیہ السلام کی سنت و یادگار ہے۔ صحابہ رضہ نے عرض کیا پھر ہمارے لیے اس میں کیا ثواب ہے؟ فرمایا جانور کے ہر بال کے عوض ایک نیکی نامۂ اعمال میں لکھی جائے گی۔ (مشکوٰۃ شریف)۔

## اسلامی یادگاریں

دنیا میں عظیم الشان کارناموں کی یادگاریں قائم کرنے کا دستور پرانا ہے مگر عام طور پر اس کے لیے مجسمے کھڑے کر دینے یا کوئی تعمیر کر دینے کو کافی سمجھا جاتا ہے جس سے کارنامہ کے انجام دینے والے کا اعزاز تو ہوتا ہی ہے اور کچھ دیر تک باقی بھی رہتا ہے لیکن یادگار قائم کرنے کی اصلی روح اس سے زندہ نہیں رہتی، اس لیے اسلام نے مجسمات و تعمیرات کی قدیم رسم کو چھوڑ کر اُن کے افعال کی نقل کرنے کو عبادت بنا دیا اور قیامت تک لوگوں پر لازم کر دیا جس سے نہ صرف ان اعمال کے کرنے والوں کی یاد ہر وقت زندہ رہتی ہے بلکہ اُن کے اس نیک عمل کا جذبہ بھی دلوں میں بیدار ہوتا ہے۔ مجسمات و تعمیرات کتنی ہی مضبوط ہوں آخر کار حوادث کا شکار ہیں لیکن یہ یادگار یعنی قربانی جس کو عملی طور پر اُمت کے لیے لازم و واجب قرار دے دیا گیا اور اُن کے احکام قرآن و سنت میں محفوظ کر دیئے گئے ہیں، رہتی دنیا تک جاری اور باقی ہیں وہ ہر زمانہ اور ہر دَور میں ہر انسان کو یہ خلیل اللہی سبق دیتی رہتی ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہی انسانیت کی تکمیل ہے اور اُس پر بھی حقِ عبدیت

سے سبک دوشی نہیں ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(تاریخ قربانی ص۱۸ از مفتی محمد شفیع رح)

## شیطانی چالیں

اللہ کی عبادت وطاعت کا یہ عظیم الشان مظاہرہ (بیٹے کی قربانی)، شیطان کس طرح دیکھ سکتا تھا، یہ جانتے ہوئے کہ مقابلہ پر اللہ تعالیٰ کے خلیل (حضرت ابراہیم علیہ السلام) جیسے کوہِ استقامت ہیں۔ شیطان اپنی تدبیروں سے باز نہ آیا۔ اول تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ کے پاس ایک مہربان ہمدرد کی شکل میں آیا اور پوچھا اسماعیل کہاں گئے ہیں؟ انہوں۔نے جواب دیا اپنے والدصاحب کے ساتھ جنگل سے لکڑیاں چننے کے لیے گئے ہیں۔ شیطان نے کہا، یہ بات نہیں تم غفلت میں ہو، ان کے باپ ان کو ذبح کرنے کے لیے لے گئے ہیں، حضرت ہاجرہ رض نے کہا کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو ذبح کیا کرتا ہے؟ شیطان نے کہا ہاں وہ یہ کہتے ہیں کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا حکم دیا ہے۔ یہ سن کر اکلوتے بیٹے کی ماں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے گھرانے کے شایانِ شان تھا کہ "اگر واقعہ یہی ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تو ان کو اس کی تعمیل ہی کرنی چاہیئے۔ شیطان یہاں سے مایوس ہو کر اب باپ بیٹے کے تعاقب میں لگ گیا جو شہر مکہ معظمہ سے منیٰ کی طرف جارہے تھے، اوّل ایک دوست کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے آکر ان کو روکنا چاہا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاڑ لیا، اس لیے آپؑ پر اثر انداز ہونے میں شیطان ناکام رہا، اس کے بعد جمرۂ عقبہ کے قریب ایک بڑے جُثّہ کی صورت میں آپؑ کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا، ایک فرشتہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ تھا، اس نے کہا اے ابراہیمؑ! اس کو پتھر سے مارو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سات کنکریاں شیطان کے ماریں اور ہر ایک کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہا تو شیطان دفع ہوگیا۔ آگے بڑھ کر پھر

جمرۂ وسطیٰ کے قریب اسی طرح راستہ روک لیا تو پھر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے تکبیر کہہ کر سات کنکریاں ماریں تو شیطان دفع ہوگیا۔ اسی طرح تیسری مرتبہ جمرۂ اولیٰ کے پاس پہونچ کر راستہ گھیر لیا، حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے پھر وہی عمل کیا اور آگے بڑھ کر قربانی کی جگہ پر پہونچ گئے۔

اور جب باپ بیٹے اس عظیم قربانی کے لیے تیار ہوگئے اور باپ نے بیٹے کو قربان کرنے کے لیے چہرہ کے بل کروٹ پر لٹا دیا۔ اس طرح لٹانے میں تواضع بھی تھی اور یہ حکمت بھی کہ اکلوتے بیٹے کا چہرہ سامنے آکر کہیں ہاتھ میں غیر اختیاری لغزش نہ آجائے۔ بعض روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے نزدیک ذبح کی تکمیل کے لیے پوری قوت سے چھری چلائی لیکن قدرتِ خداوندی چھری کے درمیان حائل ہوگئی۔

اور بعض روایات میں ہے کہ اس حالت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اباجان! آپ کے پاس میرے کفن کے لیے کوئی کپڑا نہیں ہے اس لیے تکلیف ہوگی، بہتر یہ ہے کہ میرا کرتہ صاف و سفید ہے اس کو اتار لیجئے گا تاکہ کفن کے کام میں آجائے۔ (تاریخ قربانی صـ۱۴ از مفتی محمد شفیع رح)

## قربانی کا حکم خواب میں کیوں ہوا؟

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صاحبزادے (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) کے ذبح کرنے کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عالمِ بیداری کے بجائے خواب میں کیوں دیا گیا، اس میں کیا حکمت ہے؟۔

اس میں راز یہ ہے کہ اصل مقصودِ حق بیٹے کو ذبح کرانا نہیں تھا، بلکہ باپ بیٹوں کا امتحان ہی مقصود تھا، اس لیے صریح الفاظ میں ذبح کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ خواب میں یہ دکھلایا گیا کہ وہ ذبح کر رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے وہ عمل مکمل کر دیا جس کو خواب میں دیکھا تھا، غیبی آواز نے ان کو امتحان میں کامیابی اور تعمیلِ حکم کی تکمیل کی خوش خبری سنا دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

خواب میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ ذبح کر ڈالا بلکہ ذبح کی تیاری دکھلائی گئی تھی وہ پوری ہوگئی۔ اور تفسیر روح البیان میں ہے کہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ خواب میں دُنبہ کو بشکل اسماعیلؑ دکھلایا گیا ہو جیسے علم کو دودھ کی شکل میں دکھلایا جاتا ہے۔ دُنبہ اور حضرت اسماعیل ع میں معنوی مناسبت یہ تھی کہ دُنبہ ذبح کے لیے مطیع و فرماں بردار ہوتا ہے، اس کی تخلیق (پیدائش) کا منشاء ہی ذبح کرکے استعمال کرنا ہے۔ بخلاف بیل اور اونٹ کے کہ ان کی تخلیق کا اصل منشاء سواری لینا اور باربرداری ہے، کبھی ذبح کرکے گوشت بھی کھالیا جاتا ہے بخلاف مینڈھے دنبہ وغیرہ کے کہ ان کے وجود کا اصل مقصود ہی ذبح کرکے کھانا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اصل مقصود دُنبہ ہی کا ذبح کرنا تھا مگر امتحان کے لیے اس کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شکل میں دکھلا دیا گیا اور خواب کی اصل تعبیر کی طرف اسی امتحان کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذہن منتقل نہ ہوا، یہاں تک کہ امتحان کی تکمیل ہوگئی۔ (تاریخ قربانی صـ۱۵ از مفتی محمد شفیع صاحبؒ)۔

## مناسکِ حج میں شرکت

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَاَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَاْخُذَنَّ شَعْرًا وَلَا يُقَلِّمَنَّ ظُفْرًا۔ (رواہ مسلم)۔

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے (یعنی ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا جائے) اور تم میں سے کسی کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو تو اس کو چاہیئے کہ اب قربانی کرنے تک اپنے بال یا ناخن بالکل نہ تراشے (صحیح مسلم)

تشریح:۔ دراصل یہ عشرہ حج کا ہے اور ان ایام کا خاص الخاص عمل حج ہے،

لیکن حج مکہ معظمہ میں ہی جاکر ہو سکتا ہے، اس لیے وہ عمر میں صرف ایک دفعہ اور وہ بھی اہلِ استطاعت پر فرض کیا گیا ہے، اس کی خاص برکت وہی بندے حاصل کر سکتے ہیں جو وہاں حاضر ہو کر حج کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے سارے اہلِ ایمان کو اس کا موقع دیا ہے کہ جب حج کے یہ دن آئیں وہ اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی حج اور حجاج سے ایک نسبت پیدا کرلیں اور ان کے اعمال میں شریک ہو جائیں، عیدالاضحیٰ کی قربانی کا خاص راز یہی ہے۔

حجاج کرام دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں، دنیا بھر کے دوسرے مسلمان جو حج میں شریک نہیں ہو سکتے، ان کو حکم ہے کہ وہ اپنی اپنی جگہ ٹھیک اُسی دن اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں نذر کریں، اور جس طرح حاجی احرام باندھنے کے بعد بال یا ناخن نہیں ترشواتے، اُسی طرح یہ مسلمان جو قربانی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد بال، ناخن نہ ترشوائیں اور اس طریقے سے بھی حجاج سے ایک مناسبت اور مشابہت پیدا کریں۔ کس قدر مبارک ہدایت ہے جس پر چل کر مشرق و مغرب کے مسلمان حج کے انوار و برکات میں حصہ لے سکتے ہیں۔ (معارف الحدیث صفحہ ۱۴۸ جلد ۳)۔

لیکن یہ ممانعت تنزیہی ہے، لہٰذا بال، ناخن وغیرہ کا نہ کٹوانا مستحب ہے اور اس کے خلاف عمل کرنا ترکِ اولیٰ ہے۔ (مظاہر حق جدید ص۳۰۱ ج۲)۔

مسئلہ:۔ جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو، اس کے لیے یہ مستحب ہے کہ بقرعید کی نماز کے بعد قربانی کر کے ناخن اور بال کتروائے اور حجامت بنوائے اور جو شخص قربانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو اس کے لیے یہ مستحب نہیں ہے، وہ نماز عیدالاضحیٰ سے پہلے بھی حجامت بنوا سکتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲ ج۵)۔

مسئلہ:۔ جس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہے اس کے لیے مستحب ہے کہ ماہِ ذی الحجہ کے آغاز سے جب تک قربانی کا جانور ذبح نہ کرلے اپنے جسم کے کسی

عضو و جزء سے بال و ناخن صاف نہ کرے کہ قربانی کرنے والا اپنی جان کے فدیہ میں قربانی کر رہا ہے اور قربانی کے جانور کا ہر جزو قربانی کرنے والے کے جسم کے ہر جزو کا بدلہ ہے۔ جسم کا کوئی جز نزولِ رحمت کے وقت غائب ہو کر قربانی کی رحمت سے محروم نہ رہے، اس لیے آپؐ نے مذکورہ حکم دیا ہے لیکن چالیس دن سے زائد مدت ہو جاتی ہے تو کراہت سے بچنے کی خاطر بال وغیرہ کی صفائی میں ڈھیل اور سستی نہ کرے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۸۵ ج ۲)۔

## تشریق کی وجہ تسمیہ

ایام تشریق کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ مشرک کہا کرتے تھے اے شبیر! تو سفید ہو تاکہ ہم چلیں، یعنی تو روشن ہو جا اور ہم تیری روشنی میں اپنے راستے پر آئیں جائیں "شبیر" ایک پہاڑ کا نام ہے جب تک سورج طلوع نہیں ہوتا تھا، مشرکین مزدلفہ روانہ نہ ہوا کرتے تھے۔ اسلام کی روشنی پھیلنے پر ان کا یہ قول باطل ہو گیا۔

دوسری وجہ:۔ بعض تشریق نام کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ لوگ قربانی کے گوشت کے ٹکڑے کر دیتے تھے اور انھیں دھوپ میں سکھاتے تھے، جو گوشت دھوپ میں سکھایا جاتا ہے اُسے تشریق اللحم کہتے ہیں۔

تیسری وجہ:۔ بعض کا کہنا ہے کہ عید کی نماز اور قربانی کے دن کو تشریق کہا جاتا ہے، اس لیے کہ عید کی نماز اس وقت ادا کی جاتی ہے جب سورج جھک رہا ہوتا ہے اور مصلی کو بھی اسی لیے مشرق کہتے ہیں کہ وہ سورج کے نکلنے کا انتظار کرتا ہے، اسی لیے یوم عید کو تشریق کہا گیا ہے، پھر جو دن اس دن کے تابع ہیں ان کو بھی یہی نام دیا گیا ہے۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ تشریق کے دنوں میں روزے کیوں مکروہ قرار دیئے گئے ہیں۔ اس کا جواب یہ فرمایا کہ خانہ کعبہ کی زیارت کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں اور مہمان کو نہیں چاہیئے کہ جس نے دعوت دی ہو

اس کے گھر جا کر روزہ رکھے۔ پھر پوچھا گیا کہ خانہ کعبہ کے پردے میں آدمی کیوں لٹکتے ہیں؟ فرمایا کہ یہ لٹکنا ایسا ہے جیسے کوئی بندہ اپنے مالک کا گناہ کرتا ہے پھر اسے معاف کرانے کے لیے اس کا دامن پکڑ لیتا ہے، اور عاجزی وزاری سے معافی کی درخواست کرتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص۴۴۴)۔

## نمازِ پنجگانہ کے بعد تکبیرات

تشریق کی تکبیرات (نویں ذی الحجہ کی نمازِ فجر سے لے کر پانچویں دن کی نمازِ عصر تک ہے) اس میں چار چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔

(۱) ان تکبیروں کا حکم کیا ہے؟ (۲) کتنی مرتبہ پڑھیں اور کیا پڑھیں۔ (۳) تکبیرات کے شرائط۔ (۴) تکبیرات کا وقت۔

تکبیرات کا حکم یہ ہے کہ یہ واجب ہیں، ان کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ پڑھیں۔ شرائط یہ ہیں کہ مقیم ہوں اور شہر میں ہو، اور فرض نماز جماعتِ مستحبہ سے پڑھے۔ آزاد ہونا اور بادشاہ کا ہونا امام ابو حنیفہ رحمہ کے صحیح قول کے مطابق شرط نہیں ہے۔ تکبیرات کی ابتداء نویں تاریخ ذی الحجہ (عرفہ) کے روز فجر کی نماز کے بعد سے ہوتی ہے اور ان کا اختتام صاحبینؒ کے قول کے مطابق ایامِ تشریق کے آخری دن یعنی تیرہویں ذی الحجہ کو عصر کی نماز کے بعد ہو جاتا ہے، (اس طرح صاحبین کے قول کے مطابق جن فرض نمازوں کے بعد تکبیرِ تشریق کہی جائے گی وہ کل ملا کر ۲۳ نمازیں ہوئیں) اور فتویٰ اور عمل سب زمانوں میں صاحبینؒ کے قول پر ہے۔ سلام پھیرنے کے بعد فوراً تکبیراتِ تشریق ادا کرنی چاہئیں، یہاں تک کہ اگر کلام کیا، یا جان بوجھ کر وضو توڑ ڈالا، تو تکبیراتِ تشریق ساقط ہو جائیں گی۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۲۳ ج۲)۔

## تکبیرِ تشریق کی ابتداء

جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے لاڈلے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اللہ کے

حکم سے ذبح کر رہے تھے تو حضرت جبریئل علیہ السلام جنت سے ان کا فدیہ (بدل) لے کر پہونچے اور انھیں خطرہ ہوا کہیں جلدی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح نہ کر ڈالیں چنانچہ اس وقت ان کی زبان پر یہ کلمات آگئے "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت جبریئل ؑ کو دیکھا تو بول پڑے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ" اور جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو فدیہ آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا "اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہی کلمات منقول ہیں۔ (درمختار ص۷۹۸ جلد اول بحوالہ طحطاوی)۔

## تکبیراتِ تشریق کے مسائل

تکبیر تشریق ہر اس فرض عین نماز کے بعد متصلاً کہے گا جو جماعتِ مستحب کے ساتھ ادا کی گئی ہے۔ جماعت ختم ہونے کے بعد متصلاً (فوراً) کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی ایسا مانع درمیان میں نہ آنے پائے کہ بنائے نماز کو روک دینے والا ہو، یعنی اگر نماز کے بعد اس طرح کا فساد ہو جائے کہ بول پڑے یا باہر چلا جائے یا کچھ کھا پی لے تو پھر تکبیر تشریق اس کی وجہ سے ساقط (ختم) ہو جائے گی اور اس فرض نماز کے بعد بھی پڑھی جائے گی جو قضا اسی سال کی ہو، اس لیے کہ تکبیر کا وقت قائم ہے جس طرح قربانی اگر پہلے دن نہ کرے تو دوسرے تیسرے دن کرلے کہ وہ بھی قربانی کے دن ہیں۔

جماعتِ مستحب کی قید سے عورتوں اور ننگوں کی جماعت نکل گئی کہ ان کی جماعت مستحب نہیں ہے، لیکن صحیح تر قول میں غلاموں کی جماعت خارج نہیں ہے یعنی ان کی جماعت کے بعد تکبیر تشریق واجب ہے اس لیے جماعت میں آزاد کا ہونا شرط نہیں۔ (ردِ مختار ص۷۹۹ جلد اول)

(یہاں فرضِ عین کی قید اس لیے لگائی گئی تاکہ فرض کفایہ نکل جائے چنانچہ نمازِ جنازہ کے بعد تکبیر تشریق واجب نہیں ہے، یا فرض قضاء

کی جماعت، کے بعد تکبیرِ تشریق کے واجب ہونے کی تین شرطیں ہیں اول یہ کہ ایامِ تکبیر کی نماز کی قضاء ہو۔ دوسرے یہ کہ یہ قضاء ایامِ تکبیر ہی میں پڑھی جائے۔ تیسرے یہ کہ یہ اسی سال کی قضاء ہو، پہلے سال کی قضاء نہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اگر غیر ایامِ تکبیر کی قضاء نماز اگر جماعت سے ان دنوں میں پڑھی جائے تو اس کے بعد تکبیرِ تشریق واجب نہیں ہوگی۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔ تکبیراتِ تشریق اقتداء کی وجہ سے عورت اور مسافر پر بھی واجب ہوجاتی ہیں۔ عورت آہستہ تکبیر کہہ لے (اگر مرد امام کی اقتداء میں نماز پڑھے تو) مسبوق (جس کی رکعت رہ گئی ہو) وہ اپنی نماز پوری کرنے کے بعد تکبیریں کہے، اگر امام نے تکبیریں چھوڑ دیں (یا بھول گیا) پھر بھی تکبیر کہے البتہ مقتدی امام کا اس وقت تک انتظار کرے کہ امام سے کوئی ایسی حرکت واقع ہو کہ جس سے تکبیرات منقطع ہوجائیں، اور وہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن کے بعد نماز کی بناء جائز نہیں رہتی، مثلاً مسجد سے چلا جانا، یا قصداً وضو توڑنا اور کلام کرنا، اگر امام کو سلام کے بعد تکبیرات سے پہلے حدث ہوگیا (وضو ختم ہوگیا) تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ تکبیرات کہے طہارت کے لیے نہ جائے۔ (درمختار ص۷۶ ج۱)۔

مسئلہ:۔ تکبیرِ تشریق اللہ اکبر الخ ایک دفعہ کہنا واجب ہے، اس سے زیادہ واجب نہیں، ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا خلافِ سنت ہے۔ پس بہتر یہ ہے کہ ایک دفعہ پر اکتفاء کیا جائے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۰۴ ج۵ بحوالہ شامی ص۵۶۳ ج۱)۔

مسئلہ:۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تکبیراتِ تشریق عورتوں پر نہیں ہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص۱۹۷ ج۵)۔

مسئلہ:۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ گاؤں والوں پر (جہاں نمازِ جمعہ واجب نہیں) تکبیرِ تشریق واجب نہیں فرماتے اور صاحبین رح واجب

فرماتے ہیں اور معتمد اور زیادہ احتیاط والا قول صاحبین کا ہے کہ اہلِ قریہ پر واجب ہے کہ تکبیر تشریق کہیں (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص۲۱۷ ج۵)۔

تکبیر تشریق کے وجوب کے بارے میں اکثر علماء نے مذہب حنفیہ اختیار فرمایا ہے یعنی وجوب انھیں شرائط کے ساتھ (مقیم ہو اور شہر میں ہو اور فرض نماز جماعت مستحبہ سے پڑھے) باقی اگر تنہا نماز پڑھنے والا اور مسافر وغیرہ بھی تکبیر تشریق کہہ لے تو کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ اس پر بھی فتویٰ دیا گیا ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ص۲۱۹ جلد ۵)۔

مسئلہ:۔ تکبیر تشریق اگر اس وقت چھوٹ گئیں تو پھر ان کی قضاء نہیں ہے توبہ کرنے سے گناہ اس کے ترک کا معاف ہوجائے گا۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۰۷ ج۵)۔

مسئلہ:۔ فتویٰ اس پر ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے والے اور تنہا نماز پڑھنے والے اس میں برابر ہیں، اسی طرح مرد و عورت دونوں پر واجب ہے، البتہ عورت باواز بلند تکبیر نہ کہے آہستہ کہے (شامی)۔

مسئلہ:۔ اس تکبیر کا متوسط بلند آواز سے کہنا ضروری ہے، بہت سے لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں، یا تو پڑھتے ہی نہیں، یا آہستہ پڑھ لیتے ہیں، اس کی اصلاح ضروری ہے۔ (جواہر الفقہ ص۴۴۹ ج۱)۔

## عیدین کے دن غسل کرنا

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بن عباس رضؓ قَال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یغتسل یوم الفطر و یوم الاضحیٰ۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کرتے تھے۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ متعدد روایتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کرنے کا معمول معلوم ہوتا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضؓ کا یہ معمول نقل کیا ہے کہ وہ عید الفطر کے

دن عیدگاہ جانے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے۔ اور اہلِ دین کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ عید، بقرعید کے دن غسل، خوشبو اور حسبِ استطاعت عمدہ کپڑے پہننے کا اہتمام کرتے ہیں۔ (الترغیب ص۳۲۵ ج۱)۔

**مسئلہ:**۔ عیدین کے دن عورتوں کے لیے بھی مستحب ہے کہ وہ غسل کریں اور عمدہ لباس پہنیں، کیونکہ یہ دن خوشی اور زینت کا ہے۔ (کبیری ص۵۲۴)۔

## عید کے دن زیارتِ قبور

**سوال:**۔ عید کے دن عید کی نماز کے بعد لوگ قبرستان جاتے ہیں وہاں فاتحہ پڑھ کر چلے آتے ہیں تو قبرستان جانا خصوصاً اس دن کیسا ہے؟

**جواب:**۔ حامداً ومصلیاً۔ عید کا دن مسرت کا ہوتا ہے بسا اوقات خوشی میں لگ کر آخرت سے غفلت ہوجاتی ہے اور زیارتِ قبور سے آخرت یاد آتی ہے اس لیے اگر کوئی شخص عید کے دن زیارتِ قبور کرے تو مناسب ہے، کچھ مضائقہ نہیں لیکن اس کا التزام خواہ عملاً ہی سہی جس سے دوسروں کو یہ شبہ ہو کہ یہ چیز لازمی اور ضروری ہے، درست نہیں۔ نیز اگر کوئی شخص اس دن زیارتِ قبور نہ کرے تو اس پر طعن کرنا یا حقیر سمجھنا درست نہیں، اس کی احتیاط لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۲۷۷ ج۲)۔

## عیدین کی رسمیں

ایک تو عید کے دن سویاں پکانے کو بہت ضروری سمجھتے ہیں، شریعت سے یہ ضروری بات نہیں ہے، اگر دل چاہے پکالو، مگر اس میں ثواب نہ سمجھو۔ دوسرے رشتہ داروں کے بچوں کو دینا لینا یا رشتہ داروں کے گھر کھانا بھیجنا، پھر اس میں اُدلا بدلہ رکھنا اور نہ ہونے پر قرض لے کر کرنا، یہ پابندی فضول بھی ہے اور اس سے تکلیف بھی ہوتی ہے، اس لیے یہ سب (پابندیاں) قیدیں چھوڑ دیں۔ (ان کی شرعی حیثیت کوئی نہیں ہے)، اور بقرعید میں بھی عید جیسا دینا لینا ہوتا ہے، جیسا عید کا حکم ہے اس کا ہے۔ اور بقرعید میں بہت سے آدمیوں پر قربانی واجب ہوتی ہے اور قربانی نہیں کرتے، یہ بھی

گناہ ہے۔ تیسرے قربانی میں اپنی طرف سے یہ بات گھڑ رکھی ہے کہ بسری سقے کا حق ہے اور پائے نائی کا حق ہے، یہ بھی واہیات اور خلافِ شرع پابندی ہے، ہاں اپنی خوشی سے جس کو چاہے دے دو۔ (بہشتی زیور ص۵۸ ج ۲)

## عیدین میں نمازِ جنازہ

اگر عید اور جنازہ کی نمازیں جمع ہو جائیں تو پہلے عید کی نماز پڑھی جائے گی، پھر جنازہ کی نماز، اس لیے کہ عید کی نماز واجب عین ہے، یعنی ہر عاقل، بالغ مسلمان پر واجب ہے۔ اور جنازہ کی نماز فرضِ کفایہ ہے کہ کچھ لوگوں کے پڑھنے سے سبھوں کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اور جنازہ کی نماز خطبۂ عید اور مغرب وغیرہ کی سنتوں سے پہلے پڑھی جائے گی کیونکہ جنازہ کی نماز فرضِ کفایہ ہے اور عید کا خطبہ اور مغرب کی سنتیں مسنون ہیں۔

مسئلہ:۔ عید کی نماز سورج گہن کی نماز پر مقدم ہوگی۔ (اگر سورج گہن عید کے دن اور عید کی نماز کے اوقات میں سے ہو جائے، عموماً ایسا ہوا نہیں کرتا ہے، اس وجہ سے کہ سورج گہن مہینہ کے پورے ہونے کے بعد ہوا کرتا ہے اور عیدین ابتدائے ماہ میں ہوتی ہیں)۔

مسئلہ:۔ لیکن فتویٰ اس پر ہے کہ نمازِ جنازہ وقتی نمازوں کی سنتوں کے بعد ہی پڑھی جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سنتوں کو فرض نمازوں کے ساتھ ملحق قرار دیا ہے کہ فرض نماز کے تابع ہیں، لہٰذا فرض نمازوں کے بعد سنت پڑھے، پھر نمازِ جنازہ۔ مفتی بہ قول یہی ہے۔ (درمختار ص۸۶ ج ۱)۔

## نمازِ جنازہ میں شرکت کا طریقہ

اگر کوئی شخص نمازِ جنازہ میں اس وقت آئے جب کہ امام تکبیرِ اولیٰ کہہ چکا ہو، اور ثنا پڑھنے میں مصروف ہو، یا دوسری تکبیر بھی ہو چکی ہے اور امام جنازہ درود پڑھ رہا ہے، یا تیسری تکبیر بھی ہو چکی ہے، اور امام دعا پڑھنے لگا ہے تو مقتدی سرِ دست کوئی تکبیر نہ کہے، بلکہ امام کی تکبیر کا انتظار کرے اور اس کے ساتھ تکبیر

کہے، اور اگر انتظار نہ کیا اور تکبیر کہہ لی تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن یہ تکبیریں نماز جنازہ کی تکبیروں میں شمار نہ کی جائیں گی، مسبوق یعنی بعد میں شامل جماعت ہونے والے کو چاہیئے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد رہی ہوئی تکبیروں کو پورا کرلے، بشرطیکہ جنازہ فوراً نہ اُٹھالیا گیا ہو۔ اگر جنازہ اٹھالیا گیا ہو تو چاہیئے کہ سلام پھیر دے اور رہی ہوئی تکبیروں کو پورا نہ کرے۔ اور اگر مقتدی اس وقت پہونچے جبکہ امام چوتھی تکبیر بھی کہہ چکا ہو، لیکن ابھی تک سلام نہ پھیرا ہو تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ امام کے ساتھ شامل ہوجائے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اگر جنازہ نہ اُٹھایا گیا ہو تو اپنی نماز جلدی سے پوری کرلے ورنہ سلام پھیردے۔ (کتاب الفقہ صفحہ ۸۳ ج ۱)

**مسئلہ**:۔ نماز جنازہ جوتہ پہن کر پڑھنے کے بارے میں جو حکم اور نمازوں کا ہے وہی دربارہ طہارت مکان ولباس، جوتہ وغیرہ جنازہ کی نماز کا حکم ہے، اگر جوتہ استعمال شدہ ناپاک ہے کوئی نماز اُس سے جائز نہیں نہ نماز پنجگانہ، نہ نماز جنازہ اور اگر جوتہ پاک ہے تو ہر ایک نماز درست ہے۔ (عزیز الفتاوی صفحہ ۲۳۶ ج ۱)

## عرفہ نویں ذی الحجہ کو کہتے ہیں

**مسئلہ**:۔ عرفہ کا دن ایک ہے یعنی نویں تاریخ ذی الحجہ کی۔ (فتاوے دارالعلوم دیوبند صفحہ ۲۰۱ جلد پنجم)۔

**مسئلہ**:۔ عرفہ کے دن بعض مقامات پر وقوف عرفہ کرنے والوں کی مشابہت کرتے ہوئے لوگ اجتماع کرتے ہیں۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۵۷ ج ۱)

## ضحیٰ صحیح ہے یا اضحیٰ؟

**سوال**:۔ ضحیٰ اور اضحیٰ میں کونسا لفظ صحیح ہے؟ اگر ضحیٰ کہہ کر نماز پڑھے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

**جواب**:۔ بقرعید کے لیے عربی میں یوم الاضحیٰ موضوع ہے۔ الاضحیٰ قربانی کے معنی میں ہے۔ الضحی کہنا یا ضحیٰ کہنا بقرعید کو غلط ہے، مگر نماز ہوجاتی ہے۔ (فتاوی دارالعلوم صفحہ ۲۲۴ ج ۵ بحوالہ ردالمحتار صفحہ ۲۷۱ ج ۵)۔

## عیدین وجمعہ کا اجتماع

**سوال**:۔ عید اور جمعہ اگر ایک دن

جمع ہو جائیں تو بعض حضرات کہتے ہیں کہ جمعہ نہ پڑھا جائے۔ اور صحیح مسلم کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ نمازِ جمعہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں؟۔

**جواب:**۔ اس حدیث کو مسلم شریف میں تلاش کیا مگر پتہ نہیں چلا، بے شک ابو داؤد شریف میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل نقل کیا گیا ہے۔ مگر ذرا غور کرنا چاہیئے کہ ایک صحابی رضہ کے فعل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو چھوڑ دینا خلافِ انصاف ہے۔ آپؐ کے زمانہ میں بھی یہ اتفاق پیش آیا، مگر آپؐ نے جمعہ ادا کیا اور آپؐ نے گاؤں والوں کو کہہ دیا کہ "تم جانا چاہو تو چلے جاؤ، ہم جمعہ ادا کریں گے"۔

ابو داؤد وغیرہ میں موجود ہے۔ اور عبداللہ بن زبیر رضہ کے فعل کی علماء نے تاویل کی ہے، لہٰذا جمعہ ضرور ادا کرنا چاہیئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جمعہ کی نماز قرآن شریف سے ثابت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۴۵ ج ۵)۔

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان گاؤں والوں سے کہ "تم جانا چاہو تو چلے جاؤ، ہم جمعہ ادا کریں گے"۔ یہ اس لیے تھا کہ گاؤں والے عید کی نماز کے لیے صبح ہی سے آگئے تھے؛ جیسا کہ آج کل بھی صبح ہی سے دیہات وغیرہ کے افراد آنے شروع ہو جاتے ہیں، اور گاؤں پر جمعہ واجب نہیں ہے، اگر پڑھ لیں گے تو جمعہ صحیح ہو جائے گا یعنی ظہر کی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن صبح سے جمعہ کی نماز تک انتظار کرنا وہ بھی عیدین کے دن؟ اس لیے آپ کی اجازت صرف گاؤں والوں کو تھی جن پر جمعہ فرض نہیں ہوتا ہے (محمد رفعت قاسمی)۔

**مسئلہ:**۔ اگر جمعہ کے روز عید الفطر یا عید الضحیٰ ہو تو جمعہ و عیدین دونوں واجب ہیں۔ (امداد الفتاویٰ ص۶۴۴ ج۱)۔

## امامت وخطابت کے مسائل

اکثر قصبات میں عیدین کی امامت اور بعض جگہ جمعہ اور نماز پنج گانہ بھی محض موروثی بنا پر دعوائے ریاست کی طرح چلی آتی ہے، خود امام صاحب میں اہلیت ہو یا نہ ہو۔ بعض جگہ تو امام قرآن بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ ایسی صورت میں نماز ہی سب کی باطل ہوگی، اور اگر صحیح پڑھ بھی لیا مگر مقتدی لوگوں کو اس کی امامت ناگوار ہے اور جبراً و کرہاً بخیال احتمال فتنہ کے خاموش ہیں تو اس امام کو سخت گناہ ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایسے امام کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

عموماً امام وہ لوگ رکھے جاتے ہیں جو کسی کام کے نہ رہیں، جب تک کام کے رہے، نوکری چاکری کرتے رہے اور جب اپاہج ہوگئے تو وکالت دربار خداوندی (مسجد) کے لیے منتخب ہوئے کیونکہ امامت وکالت دربار خداوندی ہے۔ تو خدا کے سامنے پیش کرنے کے لیے ارزل الناس، اور اخس الناس تجویز ہوتا ہے۔

خرچ کی کفایت کے لیے ایسے آدمیوں کو رکھا جاتا ہے جو نہایت ذلیل، بدنیت دنی الطبع ہوتے ہیں، یہاں تک کہ تمثیلاً کہا جاتا ہے کہ فلانے کی تو ملانوں کی سی نیت ہوگئی مگر اپنی غلطی کو کوئی نہیں دیکھتا کہ اول تو انتخاب ہی میں ایسے لوگ لائے جاتے ہیں جو فطرۃً پست حوصلہ ہوتے ہیں، پھر ان کی خدمت کی یہ حالت ہے کہ خوشی میں برادری کی تو پوچھ ہوتی ہے، شادی ہو، بیاہ ہو، بسم اللہ ہو، سب میں لمبی چوڑی فہرستیں بنیں مگر ان میں امام صاحب اور مؤذن صاحب کا نام کہیں نہ آئے گا۔

تنبیہ:۔ کیسی ظلم کی بات ہے کہ ہر دنیوی کام کے لیے تو ذی ہنر اور ذی لیاقت آدمی تلاش کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ لوہار، معمار، نجار بلکہ گانے والا تک بھی ماہر تلاش کیا جاتا ہے۔ اور خدا کے روبرو جو سب کی طرف سے وکیل بن کر کھڑا ہوتا ہے وہ چھانٹ کر ایسا رکھا جاتا ہے جس میں نہ کمال نہ جمال، تمام محلہ میں جو

ناکارہ، اندھا، چندھا، فاتر الحواس، گنوار، بدتمیز، جاہل، غرض جو کسی مصرف کا نہ رہے اس کو امامت کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ (اغلاط العوام مکمل ص۷)۔

(امام وخطیب اپنی جگہ پر ایک اہم ذمہ داری کا مالک ہوتا ہے، عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ منصب جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد تھا، آپؐ خود ہی امامت فرماتے رہے، جب آپؐ بیمار ہوئے تو اس منصب عظیم پر آپؐ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فائز کیا، اسی طرح اس منصب پر یکے بعد دیگرے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم فائز ہوتے رہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے امامت کے منصب پر جلیل القدر شخصیت کو فائز کرنے کی تاکید کی ہے مگر افسوس کی بات ہے (جس کی طرف مولانا تھانوی رح اظہار فرما رہے ہیں)، کہ آج سب سے زیادہ یہی منصب پست ہو کر رہ گیا ہے، گھٹیا سے گھٹیا شخص کا اس منصب کے لیے انتخاب ہوتا ہے اور خواص وعوام اسی کو پسند کرتے ہیں جب کہ ایسا ہونا نہیں چاہیے۔ اس کے احکامات کی تفصیل دیکھیے احقر کی کتاب "مکمل ومدلل مسائل امامت" میں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

**مسئلہ**:۔ یہ قول غلط ہے کہ سوائے سادات (سیدوں) کے اور کوئی شخص امامت کا مستحق نہ ہو۔ امامت کا استحقاق علم وفضل وتقویٰ پر ہے، جو شخص مسائلِ شرعیہ سے واقف ہو اگرچہ سید نہ ہو، تو اس سید سے جو مسائل سے واقف نہیں احق اور اولیٰ ہے (زیادہ حقدار ہے)۔ (فتاویٰ محمدیہ ص۱۰۱ ج۱)۔

**مسئلہ**:۔ نمازِ عید ایک شخص نے پڑھائی اور خطبہ دوسرے شخص نے دیا تو نماز ہو جاتی ہے، مگر بہتر ومناسب یہ ہے کہ خطبہ ونماز ایک شخص ہی پڑھائے (رد المحتار باب الجمعہ ص۷۶۷ ج۱)۔

**مسئلہ**:۔ اجرت پر امامت عیدین وجمعہ کا حکم یہ ہے کہ امامت پر اجرت لینا فقہاء نے جائز لکھا ہے۔

**مسئلہ**:۔ عیدین یا جمعہ کی نماز (وغیرہ) کی امامت دو دفعہ کوئی شخص نہیں کر سکتا

ہے، اگر ایسا کیا گیا تو پچھلے یعنی دوسرے مقتدیوںؒ کی نماز نہیں ہوگی، کیونکہ امام کی دوسری نماز نفل ہوئی، اور نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض یا واجب پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۲۵ ج۵ بحوالہ رد المحتار باب الامامت ص۵۴۲ ج۱)

مسئلہ:- عیدین میں امام حنفی اپنے مذہب کے موافق تکبیراتِ زوائد کہے یعنی تین تکبیرات ہر رکعت میں علاوہ تکبیرِ افتتاح اور رکوع کے۔

مقتدی جو شافعی المذہب ہیں وہ اپنے مذہب کے موافق تکبیرات پوری کر لیں اگر ان کے نزدیک یہ جائز ہو کہ حنفی امام کے پیچھے تکبیرات پوری کر لی جائیں۔ الغرض امام حنفی کو ان کے (دوسرے) مذہب کا اتباع ضروری نہیں ہے، لیکن اگر امام ان کی رعایت سے ان کے مذہب کے موافق تکبیرات کہے گا تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۲۹ ج۵ بحوالہ رد المحتار باب العیدین ص۷۸۰ جلد اول)۔

مسئلہ:- حنفی مقتدی اگر شافعی امام کے پیچھے عید کی نماز پڑھے تو اس کو تکبیراتِ عیدین میں اتباع شافعی امام کی کرنی چاہیئے، لیکن شافعی وغیرہ امام کی مستقل طور پر فجر میں پڑھی جانے والی قنوتِ (نازلہ) ورفع یدین اور نمازِ جنازہ کی چار سے زائد تکبیر میں اتباع نہ کی جائے (اس لیئے) کہ وہ منسوخ ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۲۷۳ ج۱)

مسئلہ:- عیدین کی نماز میں امام اعوذ باللہ تکبیراتِ زوائد کے بعد پڑھے گا، اس لیے کہ قرارت تکبیراتِ زوائد کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحؒ اور امام محمد رحؒ کے نزدیک اعوذ باللہ قرارت کے تابع ہے اور یہی مذہب صحیح ہے (یعنی مسلک)۔ (در مختار ص۳۲۷ ج۱)۔

مسئلہ:- امام کو نماز میں زیادہ بڑی سورتیں پڑھنا جو مقدارِ مسنون سے بھی زیادہ ہوں یا رکوع سجدے وغیرہ میں بہت زیادہ دیر تک رہنا مکروہ تحریمی ہے۔ بلکہ امام کو چاہیے کہ اپنے مقتدیوں کی حاجت اور ضرورت اور ضعف وغیرہ کا خیال رکھے جو سب میں زیادہ صاحب ضرورت ہو، اس

کی رعایت کرکے قرات وغیرہ کرے بلکہ زیادہ ضرورت کے وقت مقدار مسنون سے بھی کم قرات کرنا بہتر ہے تاکہ لوگوں کا حرج نہ ہو جو قلتِ جماعت کا سبب ہو جائے۔ (طحطاوی مع مراقی الفلاح صہ ۱۶۵)۔

مسئلہ:۔ امام کو چاہیے کہ صفیں سیدھی کرے یعنی صف میں لوگوں کو آگے پیچھے کھڑے ہونے سے منع کرے سب کو برابر کھڑے ہونے کا حکم دے، صف میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا چاہیے، درمیان میں خالی جگہ نہ رہنا چاہیے (مراقی الفلاح صہ ۲۱۱)۔

مسئلہ:۔ اکثر عوام کو دیکھا ہے کہ جماعت میں صف بندی کے وقت پاؤں کا انگوٹھا ملا کر صف سیدھی کیا کرتے ہیں حالانکہ کندھے اور ٹخنے کے سیدھے کرنے سے صف سیدھی کرنی چاہیے۔ (اغلاط العوام صہ ۷۱)۔

مسئلہ:۔ اگر امام تکبیر (زوائد) کہنا بھول جائے اور رکوع میں اُس کو خیال آئے تو اس کو چاہیے کہ رکوع کی حالت میں تکبیر کہہ لے پھر قیام کی طرف نہ لوٹے اور اگر لوٹ (بھی) جائے تب بھی جائز ہے یعنی فاسد نہ ہوگی، لیکن ہر حال میں بوجہ کثرتِ اژدہام (مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے) سجدۂ سہو نہ کرے۔ (بہشتی زیور حصہ ۱۱ صہ ۸۷)

مسئلہ:۔ مقتدیوں کو نماز کے ہر رکن کا امام کے ساتھ ہی بلا تاخیر ادا کرنا سنت ہے، تحریمہ بھی امام کے تحریمہ کے ساتھ کریں، رکوع بھی امام کے ساتھ، قومہ بھی امام کے قومے کے ساتھ، سجدہ بھی اس کے سجدہ کے ساتھ۔ غرض کہ ہر فعل اس کے فعل کے ساتھ۔ ہاں اگر قعدۂ اولیٰ میں امام قبل اس کے کھڑا ہو جائے کہ مقتدی التحیات پوری کریں تو مقتدیوں کو چاہیے کہ التحیات تمام کرکے کھڑے ہوں، اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں اگر امام قبل اس کے کہ مقتدی التحیات تمام کریں سلام پھیر دے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ التحیات تمام کرکے سلام پھیریں، ہاں رکوع سجدہ وغیرہ میں اگر مقتدیوں نے تسبیح نہ پڑھی ہو تو بھی امام کے ساتھ ہی کھڑا ہونا چاہیے۔ (کبیری صہ ۵۶۹)۔

مسئلہ:۔ امام سے پہلی رکعت کی تکبیر زائد چھوٹ گئی اور فاتحہ و سورت سے

فراغت کے بعد یاد آئی یا دوسری رکعت کی تکبیر رکوع میں یاد آئی تو اب تکبیر نہ کہے بلکہ سجدۂ سہو سے جبر نقصان کرے۔ اگر کثرت اژدھام کی وجہ سے سجدۂ سہو کرنے سے نماز میں خلل کا اندیشہ ہو تو سجدۂ سہو معاف ہے۔ اگر امام تکبیر کے لیے رکوع چھوڑ کر قیام کی طرف لوٹ آیا تو ایک قول کے مطابق نماز فاسد ہو گی مگر عدم فساد راجح ہے۔ البتہ اس صورت میں رکوع دوبارہ نہ کرے ورنہ نماز واجب الاعادہ ہو گی، اگر سورت پوری کرنے سے قبل تکبیر زائد یاد آگئی تو تکبیر کہکر فاتحہ اور سورت دوبارہ پڑھے، اور سجدۂ سہو (اگر مجمع کم ہو تو) کرے۔ (احسن الفتاوی ص۱۱۶ ج۴ بحوالہ ردالمحتار ص۷۸۱ ج۱)۔

مسئلہ:۔ اگر امام زائد تکبیریں کہنا بھول جائے اور رکوع میں خیال آئے تو رکوع ہی میں تکبیریں کہہ لے، پھر سے کھڑا نہ ہو۔ (درمختار ص۵۸۵ ج۱)

مسئلہ:۔ اگر امام سے عیدین کی نماز میں سہو ہو جائے تو سجدہ سہو نہ کرے، اگر نمازی اتنے کم ہوں کہ سجدۂ سہو کی وجہ سے نماز میں خلل کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو سجدۂ سہو کرے۔ (طحطاوی ص۲۵۲)

مسئلہ:۔ عیدین کی نماز اور جمعہ و فرض اور نفل سب میں ترک واجب سے سجدۂ سہو لازم ہے لیکن متاخرین نے کہا ہے کہ عیدین و جمعہ کی نماز میں اگر مجمع زیادہ ہو تو سجدہ نہ کرے، فتنہ و فساد کی وجہ سے۔ (عزیز الفتاوی ص۳۹ ج۳)۔

مسئلہ:۔ نماز عید ایک شخص نے پڑھائی اور خطبہ دوسرے شخص نے تو نماز تو ہو جاتی ہے مگر بہتر و مناسب یہ ہے کہ نماز و خطبہ ایک شخص پڑھائے۔ (عزیز الفتاوی ص۳۰۹ جلد اول)۔

## عیدین کی شرائط

چھوٹے مواضعات میں جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنی مکروہ تحریمی ہے، علاوہ ازیں بڑے مواضعات میں جہاں جمعہ وعیدین کی نماز جائز ہے وہاں تنہا نماز پڑھنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ جمعہ وعیدین کی نماز کے لیے چند شرائط ہیں۔ منجملہ اُن شروط کے ایک شرط جماعت بھی ہے، تنہا تنہا

پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (امداد المفتین ص۴۰۲ ج۲)

مسئلہ:۔ جمعہ و عیدین میں بلند آواز سے قرات کرنا واجب ہے۔ اور تراویح میں بھی واجب ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۱ ج۱ بحوالہ در مختار ص۳۹۲ ج۱)۔

## عیدین کی سنن و مستحبات

عیدین کے دن تیرہ۱۳ چیزیں مسنون ہیں (۱) شرع کے موافق اپنی آرائش کرنا۔ (۲) غسل کرنا۔ (۳) مسواک کرنا۔ (۴) عمدہ سے عمدہ کپڑے (نئے یا دھلے ہوئے) جو اپنے پاس موجود ہوں پہننا۔ (۵) خوشبو لگانا۔ (۶) صبح کو بہت سویرے اٹھنا۔ (۷) عیدگاہ میں سویرے سویرے جانا۔ (۸) قبل عیدگاہ جانے کے کوئی شیریں (میٹھی) چیز مثل چھوہارے وغیرہ کے کھانا۔ (۹) قبل عیدگاہ جانے کے صدقۂ فطر دے دینا۔ (۱۰) عید کی نماز عیدگاہ میں جاکر پڑھنا یعنی شہر کی مسجد میں بلا عذر نہ پڑھنا۔ (۱۱) جس راستے سے جائے، اس کے سوا دوسرے راستے سے واپس آنا۔ (۱۲) پیادہ (پیدل) جانا۔ (۱۳) راستے میں اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ (عید الفطر میں) آہستہ آواز سے پڑھتے ہوئے جانا چاہیے۔ (بہشتی زیور ص۸۵ ج۱۱ بحوالہ شرح التنویر ص۱۱۳ ج۱)۔

(عید الاضحیٰ میں نماز سے پہلے نہ کھانا مستحب ہے خواہ قربانی کرے یا نہ کرے اور عیدگاہ میں جاتے وقت راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہنا مسنون ہے۔ محمد رفعت غفرلہ)

مسئلہ:۔ عیدین کی شب میں جاگ کر عبادت الٰہی اور درود شریف اور تلاوتِ قرآن کرتے رہنا مستحب ہے۔ اور عیدین کے روز خوشبو لگانا اور اپنے کو آراستہ (صاف ستھرا) کرنا مستحب ہے۔ لیکن عورتیں اگر عید کے دن نمازِ عید کو جانا چاہیں تو ان کے لیے یہ اُمور مستحب نہیں ہیں۔ کیونکہ اس سے فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اگر انھیں جانا نہ ہو تو اُمورِ مذکورہ ان کے لیے بھی مستحب ہیں جس طرح ان لوگوں کے لیے مستحب ہیں جو عید کی نماز کو نہ جائیں، کیونکہ خود کو

آراستہ کرنا عید کے دن کے لیے مستحب ہوتا ہے، نمازِ عید کے لیے نہیں۔ حنفیہ رح کے نزدیک یہ امور مستحب نہیں ہیں بلکہ سنّت ہیں۔ مرد و عورت اپنے بہترین لباس زیبِ تن کریں، خواہ وہ نئے ہوں یا استعمال میں آچکے ہوں، لباس کا رنگ سفید ہو یا سفید نہ ہو، اس پر بھی سب کا اتفاق ہے، عید کے روز مستحب یہ ہے کہ ناخن ترشواکر، بال وغیرہ بناکر اور میل کچیل دور کرکے اپنے کو آراستہ پیراستہ کرے، اور مستحب ہے کہ نمازِ فجر پڑھنے کے بعد ہی عیدگاہ کی جانب جانے کی جلدی کرے، خواہ سورج ابھی نہ نکلا ہو، یہ حکم اس کے لیے ہے جو امام نہ ہو۔

امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ عیدگاہ جانے میں تاخیر کرے کہ وہاں پہونچتے ہی نماز کے لیے کھڑا ہوجائے اور مزید انتظار نہ کیا جائے، عیدگاہ پیدل جانا مستحب ہے۔ نیز مستحب یہ ہے کہ کسی مسلمان سے ملنا ہو تو چہرے سے خوشی اور بشاشت کا اظہار کیا جائے اور یہ کہ حسبِ مقدور صدقاتِ نافلہ کی کثرت کی جائے اور جس پر فطرہ واجب ہے وہ نمازِ عید سے پہلے اور نمازِ فجر کے بعد ہی نکال دے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص۵۵۵ تا ص۵۵۸)۔

## عیدین کی نماز عیدگاہ میں ہی افضل ہے

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰی اِلَی الْمُصَلّٰی فَاَوَّلُ شَیْءٍ یَبْدَاءُ بِہِ الصَّلٰوۃُ ثُمَّ یَنْصَرِفُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰی صُفُوْفِہِمْ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الضحیٰ کے دن عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے۔ سب سے پہلے آپ نماز پڑھاتے تھے، پھر نماز سے فارغ ہوکر لوگوں کی طرف رُخ کرکے خطبہ کے لیے کھڑے ہوتے تھے اور لوگ بدستور صفوں میں بیٹھے رہتے تھے۔

**تشریح:۔** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام

معمول یہی تھا کہ عیدین کی نماز آپؐ مدینہ طیبہ کی آبادی سے باہر اُسی میدان میں پڑھتے تھے جس کو آپؐ نے اس کام کے لیے منتخب فرمالیا تھا اور گویا (عیدگاہ) قرار دے دیا تھا۔ اس وقت اس کے گرد کوئی چہار دیواری بھی نہیں تھی، بس صحرائی میدان تھا۔ لکھا ہے کہ مسجدِ نبویؐ سے قریباً ایک ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ (معارف الحدیث ص۳۹۹ جلد۳)۔

**مسئلہ:**۔ سنت طریق کے موافق شہر سے باہر نمازِ عیدین ادا کرنا بہتر ہے، اور اس میں فضیلت زیادہ ہے بہ نسبت شہر میں ادا کرنے کے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۰۸ جلد۵ بحوالہ ردالمحتار باب العیدین ص۷۷۶ جلداول)۔

**مسئلہ:**۔ عیدگاہ شہر سے باہر ہونا سنتِ مؤکدہ ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز ہمیشہ باہر ادا فرماتے تھے، بلکہ معذورین کو بھی ساتھ لے جانے کا اہتمام فرماتے تھے، صرف ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے باہر تشریف نہیں لے جاسکے۔ (رواہ ابوداؤد فی سننہ)۔

اس لیے اصل حکم یہی ہے کہ عیدین کے لیے شہر سے باہر ایک ہی جگہ اجتماع عظیم ہو، اس میں شوکتِ اسلام کا مظاہرہ بھی ہے، مگر بڑے شہروں سے باہر نکلنا مشکل ہے، اس لیے شہر کے اندر بڑے میدان میں یا ضرورت کے وقت مسجد میں ادا کرنا بلاکراہت درست ہے لیکن حتی الامکان لازم ہے کہ ہر محلہ میں چھوٹے چھوٹے اجتماعات کی بجائے ایک بڑے مقام پر بڑے اجتماع کی کوشش کی جائے۔ (احسن الفتاویٰ ص۱۱۹ ج۴، بحوالہ ردالمحتار ص۷۷۶ ج۱)۔

نمازِ عید کے لیے عیدگاہ جانا سنتِ مؤکدہ ہے بلاعذر اس کا تارک لائقِ ملامت اور مستحقِ عتاب ہے اور ترک کا عادی گنہگار ہوتا ہے۔ شہر سے عیدگاہ دور ہونے کی وجہ سے ضعیفوں اور بیماروں کو تکلیف ہوتی ہو تو اُن کے لیے مسجد میں انتظام کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص۲۷۶ ج اول)۔

## بارش کی وجہ سے عیدین کی نماز مسجد میں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِیْ یَوْمِ عِیْدٍ فَصَلّٰی بِهِمِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِیْدِ فِی الْمَسْجِدِ۔ (ابوداؤد وابن ماجہ)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن بارش ہونے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عید کی نماز مسجدِ نبویؐ میں پڑھائی۔

تشریح:۔ عیدین میں "اُمتِ مسلمہ کا تہوار" اور "دینی جشن" ہونے کی جو شان ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کی قوموں کے جشنوں اور میلوں کی طرح ہمارا عیدین کی نماز والا اجتماع بھی کہیں کھلے میدان میں ہو، آپؐ کا عام معمول و دستور بھی یہی تھا، اس لیے عام حالات میں یہی سنت ہے کہ (نمازِ عیدین عیدگاہ میں ہی ہو)، لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بارش کی حالت ہو (یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہو) تو عیدین کی نماز بھی مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے۔

(معارف الحدیث ص۴۰۶ ج ۳۔ ومظاہر حق ص۲۹۴ ج ۲)۔

## عیدگاہ میں آواز ملا کر تکبیر کہنا

سُوال:۔ ہمارے یہاں دستور بن چکا ہے کہ عید کی نماز سے پہلے ایک دو آدمی منبر کے پاس کھڑے ہو کر زور زور سے تکبیر پڑھتے ہیں اس کے بعد حاضرین آواز ملا کر جواب دیتے ہیں، مقصدِ اصلی یہ ہے کہ کسی کی نماز نہ رہ جائے۔ تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟

جواب:۔ صورتِ مسئولہ یعنی عیدگاہ میں بآوازِ بلند اجتماعی طور پر تکبیر کا التزام ایک رسم ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفائے راشدینؓ وغیرہم صحابہ کرامؓ اور ان کے پیرو تابعینؒ اور ان کے فرماں بردار تبع تابعینؒ اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ائمہ مجتہدینؒ و مشائخ اور فقہاء کرامؒ سے یہ ثابت نہیں ہے، پس شرعی ثبوت کے بغیر دین و شریعت میں خود ایجاد کردہ یہ عمل

رَدّ اور باطل ہے۔ دین کسی کے تابع نہیں، سب اس کے تابع ہیں کسی کو دین میں کمی وبیشی کا حق نہیں، جس طرح منقول اور ثابت ہوا اسی طرح عمل کرنا ضروری ہے۔

دیکھئے! جمعہ کے دن منارہ پر اذان ہوتی ہے مگر عید کے دن نہیں ہوتی، کہ منقول نہیں ہے، جمعہ کے خطبہ کے وقت اذان ہوتی ہے مگر عید کے خطبہ کے لیے اذان نہیں ہوتی اس لیے کہ ثابت نہیں ہے۔ جمعہ کی نماز کے لیے اقامت ہوتی ہے مگر عید کی نماز کے لیے اقامت نہیں ہوتی کہ منقول نہیں ہے۔

عید گاہ میں نمازِ عید سے پہلے حضرت علی رضؓ نے ایک شخص کو نفل پڑھنے سے روکا، اس نے کہا یہ (نمازِ نفل) عذاب کا کام تو نہیں؟ (پھر کیوں منع کرتے ہو)۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا جس کام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہ فرمایا ہو اور نہ اس کی ترغیب دی ہو وہ اجر و ثواب کا کام نہیں ہے۔ لہٰذا یہ نماز عبث ہے اور (دین میں) فعلِ عبث حرام ہے اور ڈر ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی خلاف ورزی پر خدائے پاک تجھے عذاب دے۔

لہٰذا آپ کے یہاں جو رسم ہے وہ غلط اور خلافِ سنت ہے جو واجبُ الترک ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ صـ۵۲ ج ۵)۔

## عورتوں کا نماز کے لیے عیدگاہ جانا

اس پرفتن زمانہ میں عورتوں کو مسجد و عیدگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں۔ بے شک فقہاء کرام رحؒ اس کا انکار نہیں کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں عورتیں نمازِ پنجگانہ اور عیدین کی جماعت میں حاضر ہوتی تھیں، لیکن وہ خیر القرون کا زمانہ تھا، فتنوں سے محفوظ تھا، آپؐ بہ نفسِ نفیس موجود تھے، وحی کا نزول ہوتا تھا، نئے نئے احکام آتے تھے، نئے مسلمان تھے، نماز روزے وغیرہ کے احکام سیکھنے کی ضرورت تھی اور سب سے بڑھ کر آپؐ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوتا تھا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواب کی تعبیر بیان فرماتے تھے اور عجیب و

غریب علوم کا انکشاف فرماتے تھے، ان کو حاضری کی اجازت تھی۔ لیکن یہ کہنا کہ مردوں کی طرح عورتوں کو حاضری کا حکم تاکیدی تھا، یہ صحیح نہیں، عورتوں کے لیے مردوں کی طرح جماعت ضروری نہیں تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "عورتوں کی سب سے بہترین مسجد ان کے گھر کی گہرائی ہے۔" (یعنی سب سے زیادہ بند اور تاریک کوٹھری)۔ (الترغیب ص۱۸۸ ج۱)۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی کوٹھری کی نماز کو مسجدِ نبوی کی نماز سے بدرجہا افضل بتایا، اس میں عیدین کو الگ نہیں کیا گیا ہے۔ مساجد گھروں سے قریب ہوتی ہیں، پھر گھر کی نماز افضل ہے، اور عیدگاہ تو شہر سے باہر اور دُور ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ نماز پنجگانہ وجمعہ فرض ہیں، جب کہ اس کے لیے مسجد میں آنا افضل نہیں تو عیدین کی نماز میں حاضر ہونا کیونکر افضل ہوگا۔ وقتی طور پر مصلحتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو عیدگاہ میں جمع فرمایا تھا، اس سے وجوب اور استحباب ثابت نہیں ہوسکتا۔ (کفایت المفتی ص۲۲۱ ج۵ ملخصاً)۔

**متفقہ فتاویٰ** آج کل فتاویٰ اس پر ہے کہ تمام نمازوں میں عورتوں کا جانا، خواہ دن کی ہو یا رات کی، جوان ہو یا ضعیفہ، دونوں کے لیے ممنوع ہے۔ (در مختار مع الشامی ص۵۲۹ ج۱)۔

**مسئلہ:** جماعت کے لیے عورتوں کا مسجد میں آنا اس زمانہ میں مکروہ ہے، کیونکہ فساد وفتنہ کا خطرہ ہے، عہدِ نبوی میں نکلنے کی اجازت شریعت کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے تھی اور اب وہ غرض باقی نہیں ہے اس لیے کہ شریعت کے احکام آج کل عام طور پر شائع ہیں اور عورتوں کا پردہ میں رہنا مناسب اور بہتر ہے۔ (اشعۃ اللمعات ص۲۳۳)۔ تفصیل دیکھئے فتاویٰ رحیمیہ از ص۵۶ تا ص۷۱ ج۵)

یہ حکم عام ہے، حرم شریف ہو یا مسجدِ نبوی، ہندوستان ہو یا عرب سب کے لیے یہی حکم ہے۔ لہٰذا عورتوں کی عزت، آبرو اور ایمان کی حفاظت اس میں ہے کہ عید کی نماز کے لیے بھی نہ نکلیں، ان پر عیدین کی نماز واجب بھی نہیں ہے (مالابد منہ ص۵۵)

## عیدگاہ اور مسجد میں فرق

جوازِ اقتدار میں عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے بقیہ احکام میں مسجد کے حکم میں نہیں بلکہ فنار مسجد اور مدرسہ کے حکم میں ہے جو چیزیں فنار مسجد اور مدرسہ وغیرہ میں جائز ہیں وہ عیدگاہ میں بھی جائز ہیں اور جو وہاں ناجائز ہیں وہ یہاں بھی ناجائز ہیں۔ ظاہر ہے کہ مدارس اور فنار مسجد مویشیوں (جانوروں) یا عوام کے راستہ کے لیے نہیں ہوتے، پس عیدگاہ کی اس سے حفاظت چاہیئے۔ بچوں کا کھیل کھیلنا (عیدگاہ میں) گنجائش رکھتا ہے۔ لیکن مستقل کھیل کے لیے عیدگاہ کو مقرر کرنا یا اس کو فیلڈ بنانا نہیں چاہیئے۔

نیز اگر قبریں بالکل متصل اور سجدہ کے سامنے ہیں تو وہاں نماز مکروہ تحریمی ہے اگر دائیں یا بائیں یا پیچھے ہیں تو اس ترتیب سے کراہت میں کمی ہے، اگر فاصلہ زیادہ ہے تو کراہت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ صہ ۳۱۶ ج ۸)۔

## عیدگاہ میں نمازیوں کا انتظار کرنا

(۱) نمازِ عید کا وقت ایسا ہونا چاہیئے کہ نمازِ فجر سے فارغ ہو کر بطریقِ مسنون لوگ تیاری کر کے عیدگاہ پہونچ جائیں۔

(۲) عید کے موقع پر کچھ لوگوں کا پیچھے رہ جانا متوقع ہے۔ لہٰذا امام اور حاضرین کو چاہیے کہ عجلت نہ کریں، وقتِ مقررہ کے بعد بھی پانچ سات منٹ ٹھہر کر نماز شروع کی جائے۔

حاضرین کو ایسے موقع پر ذرا ضبط اور صبر سے کام لینا چاہیئے۔ امام صاحب کو مشورہ دے سکتے ہیں لیکن نماز شروع کرنے پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔ اور امام کی بھی ذمہ داری ہے کہ حاضرین کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے پیچھے رہ جانے والوں کی رعایت کرے اور قراءت خطبہ میں اختصار کر کے تلافیٔ مافات کرے سال میں دو موقعے آتے ہیں کہ بے نمازی بھی اس میں شرکت کرتے ہیں۔ ضعیف بیمار اور معذورین بھی ہوتے ہیں، نماز فوت ہوگی تو بڑی برکتوں سے محروم

رہیں گے۔ لہٰذا قدرے انتظار کیا جائے۔ البتہ جو آخری وقت میں آنے کے عادی ہیں ان کو حاضرین کی تکلیف کا احساس نہیں ہے اور اپنی نماز کی بھی فکر نہیں ہے، اس طرح اپنا انتظار کراتے ہیں۔ ایسے غافل، کاہل اور سست لوگوں کا انتظار کرنا، ان کی عادت کو بگاڑتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۲۴ ج۳)۔

## عیدگاہ سے متعلق مسائل

مسئلہ:۔ شریعت میں عیدگاہ کے لیے تخصیص کسی جانب کی نہیں ہے، بلکہ مسنون صرف یہ ہے کہ شہر سے باہر جاکر نمازِ عیدین ادا کی جائے، اس میں کچھ حرج نہیں کہ عیدگاہ بنائی جائے۔ (غرض یہ کہ) عیدگاہ کے لیے کوئی جانب (دائیں، بائیں یا کسی اور جانب) شہر کی مقرر نہیں ہے، جس طرف سہولت ہو اور موقع ہو اسی طرف عیدگاہ بنائی جائے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۳۰ و ص۲۳۳ ج۵ بحوالہ مشکوٰۃ شریف باب العیدین ص۱۲۵ ج۱)۔

مسئلہ:۔ جس جگہ عیدگاہ میں حرام پیسہ لگا ہو، اس میں (نماز پڑھنا) مکروہ ہے، اس سے بہتر ہے کہ میدان میں نماز پڑھے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۵۷۹ ج۱)۔

مسئلہ:۔ ہندو کی زمین عیدگاہ کے لیے قبول کرنے کی جواز کی صورت بلا اختلاف یہ ہے کہ سیٹھ صاحب زمینِ مذکورہ بقدرِ حاجت علٰحدہ کر کے نشان لگا کر کسی مسلمان کی ملک کر دیں۔ پھر وہ مسلمان اس اراضی کو وقف کر دے، کیونکہ خود سیٹھ صاحب کے وقف کے جواز میں حسبِ روایاتِ فقہیہ تردّد ہے (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۱۰ ج۵)۔

مسئلہ:۔ عیدگاہ کی زمین فروخت نہیں کی جاسکتی ہے، عیدگاہ وقف ہوتی ہے اور مسجد کے حکم میں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۱۴ ج۵ بحوالہ ردالمحتار کتاب الوقف ص۵۰۷ ج۱)۔

مسئلہ:۔ عیدگاہ وقف ہے اس میں کوئی تصرف تعمیرِ مکان وغیرہ درست نہیں، البتہ اگر نمازیوں کے آرام کے لیے دھوپ اور بارش سے بچنے کے

کوئی حصہ مسقّف (پاٹ) کردیا جائے مسجد کی طرح، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
(فتاویٰ دار العلوم ص۲۱۴ ج۵)۔
مسئلہ:۔ جب کہ عیدگاہ کے معدوم (بہہ جانے) ہوجانے کا یقین ہے تو مسلمانوں کے لیے گنجائش ہے کہ اس کا تمام سامان (ملبہ وغیرہ) منتقل کر کے دوسری جگہ عیدگاہ تعمیر کرلیں۔ لیکن یہ پہلی جگہ بھی اگر سیلاب وغیرہ سے بچ گئی تو بدستور وقف رہے گی، اس میں کسی قسم کا تصرّف جائز نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۲۴ ج۵ بحوالہ ردالمحتار کتاب الوقف ص۵۱۴ ج۳)۔
مسئلہ:۔ نمازِ عیدین کے لیے بھی جگہ کا پاک ہونا صحتِ نماز کے لیے شرط ہے اگر ناپاک جگہ میں نمازِ عیدین وغیرہ پڑھی گئی تو وہ صحیح نہیں ہوئی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۲۲ ج۵)۔
مسئلہ:۔ ایک شہر میں دو عیدگاہ ہونے میں اور دو جگہ نمازِ عیدین ہونے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۰۸ ج۵ بحوالہ ردالمحتار ص۷۸۳ ج۱)۔
مسئلہ:۔ عیدین مختلف مسجدوں میں پڑھ سکتے ہیں، کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ جس بستی میں ایک جگہ جمعہ وعیدین جائز ہیں وہاں چند جگہ بھی جائز ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ ایک جگہ جمعہ وعیدین پڑھیں اور عید کی نماز باہر صحرا (جنگل) میں پڑھنا مسنون ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۲۸)
(مطلب یہ ہے کہ چند جگہ بھی جائز ہے، اگر ضرورت ہو کہ جگہ کی تنگی یا دوری کی وجہ سے یا فسادات وغیرہ کی وجہ سے۔ محمد رفعت قاسمی)۔
مسئلہ:۔ عید کی نماز مسجدوں میں ہوجاتی ہے مگر عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے عیدگاہ میں بلا عذر نمازِ عیدین نہ پڑھنا خلافِ سنت ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۲۶ ج۵)
مسئلہ:۔ اگر عیدگاہ میں امام بدعتی ہے، دوسری جگہ صحرا میں اس سنت کو ادا کریں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۲۹ ج۵ بحوالہ الدر المختار ص۱۱۱۴ ج۱)۔
مسئلہ:۔ مشترک زمین پر بغیر مالکوں کی رضامندی کے عیدگاہ بنانا جائز نہیں

اور قریۂ صغیرہ (جہاں پر نمازِ جمعہ جائز نہ ہو) میں عید کی نماز پڑھنا اور وہاں پر عیدگاہ بنانا ناجائز ہے اور نہ عیدگاہ بنانے کی قریہ صغیرہ میں ضرورت ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۵۷۹ ج۱)۔

مسئلہ:۔ عید کی نماز گاؤں میں مکروہ تحریمی ہے کیونکہ نمازِ عیدین کے لیے وہی شرائط ہیں جو نمازِ جمعہ کے لیے ہیں۔ اور جب کہ وہ نمازِ عید نہ ہوئی تو نفل ہوگی۔ اور نفل کو بتداعی (اجتماعی شکل میں) اور جماعتِ کثیرہ کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۳۰۸ ج۱)

مسئلہ:۔ جو نشہ کی حالت میں عیدگاہ میں آئے اور لوگوں کو بدبو کی وجہ سے تکلیف ہو، اگر لوگ اس کو نکال دیں تو یہ نکالنا شرعاً جائز ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۳۰۸ ج۱)۔

مسئلہ:۔ عیدگاہ میں نمازِ جنازہ پڑھنی جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۲۷۵ ج۲)۔

مسئلہ:۔ وہ جگہ جو نمازِ جنازہ اور عید کے لیے بنائی گئی ہے وہ صرف اقتداء کے جائز ہونے کے اندر مسجد کے حکم میں ہے اگرچہ اس کی صفوں میں دُوری واقع ہو، یہ لوگوں کی آسانی کے لیے کیا گیا، اقتداء کے سوا اور کسی حکم میں مسجد نہیں ہے، اسی پر فتویٰ بھی ہے (گو یہ جگہ مسجد نہیں ہے مگر چونکہ ایک خاص کام کے لیے ہے اور وہ نماز ہی ہے، اس لیے اُسے پاک وصاف رکھنا ضروری ہے) مگر اس عیدگاہ اور نمازِ جنازہ پڑھانے والی جگہ میں ناپاک اور حائضہ کا داخل ہونا جائز ہوگا۔ (درمختار ص۶۰۰ ج۱)۔ (بعض امور مثلاً وقف وغیرہ میں مسجد کے حکم میں ہے محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ عیدگاہ میں جاکر اس طور پر تکبیر کہنا کہ اول ایک شخص تکبیر کہے، اس کے بعد اور لوگ آواز ملاکر متفقہ طور پر تکبیر کہیں، اسی طرح نماز تک یہ سلسلہ جاری رکھیں یہ جائز نہیں ہے اور اس میں کراہت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۱۷ ج۵)۔

اور مشکوٰۃ شریف ص۱۲۷ ج۱ پر حدیث سے بھی اس مسئلہ کی تائید ہوتی

ہے کہ عیدین کے دن عیدگاہ میں کوئی آواز اور تکبیر وغیرہ لوگوں کو بلانے کی غرض
سے نہ کہی جائے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔ غیر قصابان کی نماز عیدین اس عیدگاہ میں درست ہے جو قصابان
نے بنائی ہو۔ (فتاوی دارالعلوم ص۲۰۸ ج۵)۔

مسئلہ:۔ عورتوں کا عیدگاہ جانا اس زمانہ میں بلکہ بہت پہلے عورتوں کا
ماعت میں شرکت کے لیے مسجد وعیدگاہ میں جانا ممنوع و مکروہ ہے۔ صحابہ کرام
نی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہی یہ ممنوع ہو چکا تھا۔ (الدر المختار ص۳۸۳ ج۱)۔
(تفصیلی حکم ملاحظہ ہو مکمل مدلل مسائل نماز جمعہ ص۱۲۷ تا ص۱۳۰)۔

مسئلہ:۔ (۱) جب کہ ایک عیدگاہ کافی ہو تو بلا ضرورت شرعی دوسری
یدگاہ بنانا شریعت کی منشاء کے خلاف ہے۔ (۲) جب بستی اتنی چھوٹی ہو کہ
ہاں جمعہ قائم کرنے کی شرائط نہیں پائی جاتیں تو وہاں عید کی نماز بھی ادا کرنا
یح نہیں۔ جب ان پر عیدین کی نماز نہیں ہے تو عیدگاہ بنانا بھی ضروری نہیں ہے،
ہذا یہ تارکِ سنت نہ ہوں گے، البتہ اگر قصبہ میں (جہاں پر نماز جمعہ جائز ہے)
یدگاہ نہ ہو تو ان پر عیدگاہ بنانا ضروری ہے، نہ بنائیں گے تو تارکِ سنت ہوں گے۔
۳) اگر کوئی خطرہ لاحق ہو یا اندیشہ ہو کہ عیدگاہ میں نماز پڑھنے پر خواتین اور بچوں
د، بیماروں اور ضعیفوں کو پریشانی ہوگی تو عیدگاہ چھوڑنا درست ہے، محض
تجاجاً عیدگاہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے، احتجاج کے لیے دوسرے جائز اور
اسب طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ (۴) شہر وسیع ہو اور دُور دُور تک
سلمان آباد ہوں اور عیدگاہ تک پہونچنا دشوار ہو تو ضرورت اور دفع حرج
ے پیشِ نظر ایک سے زائد عیدگاہ بنانا درست ہے۔ (۵) عذر کی وجہ سے
ل عیدگاہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ عید کی نماز ادا کرنے میں واقعی مجبوری ہو تو انشاء اللہ
ت کا ثواب ملے گا۔ (فتاوی رحیمیہ ص۳۵۸ ج۶)۔

سئلہ:۔ دیہاتوں میں (جہاں پر نماز جمعہ جائز نہ ہو) عید کی نماز مکروہ تحریمی ہے

کیونکہ عیدین کی نماز پڑھنا ایسی نمازوں میں مشغول ہونا ہے جو دیہات میں درست نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عیدین کی نماز کے لیے شہر ہونا شرط ہے، دیہات (چھوٹے گاؤں قریہ) میں درست نہیں ہے۔ (در مختار ص۷۸۵ ج۱)۔

مسئلہ:- جو عیدگاہ آبادی کے بڑھ جانے سے آبادی کے اندر آگئی، وہ صحرا کے حکم میں نہیں رہی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۹۵ ج۵ بحوالہ غنیۃ المستملی باب العیدین)۔

مسئلہ:- عیدگاہ بہت سے امور میں مسجد کے حکم میں ہے، اس لیے عیدگاہ میں کھیل تماشہ اور کشتی وغیرہ کا کرنا اور ہارمونیم، باجہ بجانا، یہ جملہ امور محرمہ حرام اور ناجائز ہیں۔ متولی عیدگاہ ہرگز ان امور کی اجازت کسی کو نہیں دے سکتا۔ اور بغیر اجازت یا با اجازت متولی بھی کسی کو ارتکاب ان امور کا کرنا عیدگاہ میں درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۱۵ ج۵ بحوالہ شامی احکام المسجد ص۶۱۵ ج۱)۔

مسئلہ:- قبرستان میں جو عیدگاہ بنی ہو، اس میں نماز جائز ہے۔ (فتاوےٰ دار العلوم ص۲۲۴ ج۵ بحوالہ رد المحتار ص۲۵۳ ج۱)۔

مسئلہ:- حنفیہ کے نزدیک اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے قبر ہو تو نماز مکروہ ہوجاتی ہے۔ (قبر کے سامنے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ خشوع کے ساتھ (نظریں جھکائے ہوئے) نماز پڑھنے کی حالت میں نظر قبر پر پڑتی ہو۔ اگر قبر پیچھے کی جانب یا اوپر ہو، یا جہاں نماز پڑھی جارہی ہے، اس کے نیچے ہو تو اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ کراہت نہیں ہے۔

واضح رہے کہ کراہت اس صورت میں ہے جب کہ قبرستان میں نماز کے لیے کوئی مخصوص جگہ ایسی نہ مہیا ہو جو نجاست اور گندگی سے پاک ہو۔ اگر ایسا ہو تو نماز مکروہ نہیں ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کے مقبرے اس سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ وہاں پر قبر سامنے ہو تو تب بھی نماز مکروہ نہیں ہے۔ (کتاب الفقہ ص۴۴۱ ج۱)

مسئلہ:- عیدگاہ میں فاصلہ اگر دو صفوں کے برابر یا اس سے زیادہ ہے اقتداء جائز ہوگی۔ (عالمگیری ص۶۲ ج۱)۔

مسئلہ :- عید کی نماز کے بعد اسی عیدگاہ میں زوال کے بعد نماز جمعہ ادا کرنا درست ہے اور نماز ہوجاتی ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ حسبِ معمول نماز جمعہ جامع مسجد میں ادا کی جائے کیونکہ عیدگاہ میں جاکر عیدین کی نماز پڑھنا اور اس کا مستحب ہونا خاص عیدین کے لیے ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۴۵ ج ۳)۔

مسئلہ :- جامع مسجد کا فرش، چٹائی وغیرہ عیدگاہ میں بچھانا درست نہیں ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۵۹۲ ج ۱)۔

مسئلہ :- جو جگہ نماز عیدین کے لیے وقف ہے جو کہ عیدگاہ کے نام سے موسوم ہے اس میں تصرفات کرنا، تعمیر مدرسہ و کتب خانہ وغیرہ اور کھیل کود و رزش وغیرہ اور مجلسِ خورد و نوش اس کو قرار دینا جائز نہیں ہے۔ (عزیز الفتاوی ص۹۱ ج۱)

مسئلہ :- بلاضرورت محض ذاتی رنجشوں کی بنا پر دوسری عیدگاہ بنانا فضول خرچی اور تفرقہ کی بنیاد ڈالنا ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۴۰ ج ۲)۔

مسئلہ :- شہر، قصبہ اور وہ بڑا گاؤں جو مثل قصبہ کے ہو، اور وہاں نماز جمعہ وعیدین وغیرہ پڑھنے کی علماء نے اجازت دی ہو وہاں آبادی سے باہر جنگل میں عیدگاہ بنانا ضروری ہے۔ لہٰذا جس طرح ہو جلد سے جلد عیدگاہ بنالیں اور جب تک عیدگاہ بنے اس وقت تک کے لیے آبادی سے باہر کوئی جگہ تجویز کرلیں۔ تمام مسلمان اسی میں نماز پڑھیں اور اجرِ عظیم کے حقدار بنیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۶ ج۳)

## عیدین کی نماز میں تاخیر

اگر کسی بنا پر عید الفطر کی نماز اس روز ادا نہ ہوئی، مثلاً ابر (بادل) کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا اور اگلے روز امام کو زوال کے بعد خبر ہوئی، یا زوال سے پہلے ایسے وقت اطلاع ہوئی کہ اب لوگ جمع نہیں ہوسکتے۔ یا ابر میں عید کی نماز پڑھی بعد میں معلوم ہوا کہ زوال کے بعد نماز پڑھی گئی، تو اگلے روز عید کی نماز ادا کریں، اگلے روز کے بعد عید کی نماز نہ پڑھیں۔ امام نے عید کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور کچھ آدمیوں سے چھوٹ گئی تو وہ نماز نہ پڑھیں خواہ وقت باقی ہو یا نکل گیا ہو، (کیونکہ عیدین

کی قضا نہیں ہے۔ اگر دوسری جگہ جماعت مل سکتی ہے تو وہاں چلے جائیں، اور نہ جماعتِ ثانی کریں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

عید الاضحیٰ کے دن اگر کوئی عذر ہو گیا تو دوسرے اور تیسرے دن تک نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد نہیں پڑھ سکتے۔ عید الاضحیٰ میں عذر کی قید اس لیے ہے کہ اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر بلا عذر تیسرے دن تک تاخیر کریں تو نماز جائز ہوگی لیکن انہوں نے بُرا کیا۔

اور عید الفطر میں دوسرے دن نماز صرف عذر کی بنا پر جائز ہوتی ہے اور اگر بلا عذر دوسرے دن تک تاخیر کی تو نماز جائز نہ ہوگی۔ دوسرے دن بھی نماز کا وقت وہی ہے جو پہلے دن تھا۔

**مسئلہ:** ۔ امام نے عید الفطر کی نماز پڑھا دی، اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد زوال سے پہلے یہ بات معلوم ہوئی کہ بے وضو نماز پڑھائی تھی، تو نماز کا اعادہ کریں، اور اگر زوال کے بعد یہ بات معلوم ہوئی تو دوسرے دن دوبارہ نماز پڑھیں، اور اگر دوسرے دن زوال کے بعد یہ بات معلوم ہوئی تو نماز نہ پڑھیں اور اگر عید الاضحیٰ کے روز ایسی صورت پیش آئی اور زوال کے بعد یہ بات معلوم ہوئی اور لوگوں نے قربانیاں کرلیں، تو یہ قربانیاں جائز ہیں، اور دوسرے دن دوبارہ نماز پڑھیں، اور اگر دوسرے روز معلوم ہوا، تو زوال سے پہلے نماز کا اعادہ کرلیں، اور اگر زوال ہو چکا، تو اس سے اگلے روز یعنی تیسرے دن زوال سے پہلے پہلے نماز پڑھ لیں، اور اگر تیسرے دن زوال کے بعد معلوم ہوا تو پھر نماز نہ پڑھیں۔

**مسئلہ:** ۔ اگر بقر عید کے دن زوال سے پہلے معلوم ہوا کہ امام نے بلا وضو نماز پڑھا دی تو سب آدمیوں میں منادی (اعلان) کرانا چاہیئے۔ تو جس شخص نے معلوم ہونے سے پہلے قربانی کرلی، اس کی قربانی جائز ہے۔ اور معلوم ہونے کے بعد زوال تک قربانی جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۲۵ ج۱)۔

## نمازِ عید کے لیے جانے کی فضیلت

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو فرشتے راستوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور آواز لگاتے ہیں کہ اے مسلمانو! آؤ اپنے کریم پروردگار کی بارگاہ میں جو اپنے کرم و احسان سے (بندوں کو) نیکیوں کی توفیق دیتا ہے اور پھر اس پر اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے، تمہیں رات کی عبادت کا حکم ہوا تم نے وہ پورا کیا، تمہیں دن کے روزوں کا حکم ہوا، تم نے وہ بھی پورا کیا اور اپنے رب کی فرماں برداری کرکے دکھائی۔ اب اپنے انعامات لے جاؤ۔ پھر جب وہ نمازِ (عید) سے فارغ ہو جاتے ہیں تو ایک پکارنے والا آواز لگاتا ہے۔ لوگو! یقیناً تمہارے پروردگار نے تم سب کو بخش دیا۔ پس جاؤ تم کامیاب و بامراد اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، اس طرح یہ دن "یوم الجائزہ" (انعام کا دن) ہے۔ اور ملأ اعلیٰ میں بھی اس دن کا نام "یوم الجائزہ" ہی ہے۔ (الترغیب والترہیب ص۳۸۸ ج ۲)۔

مسئلہ:۔ جمعہ و عیدین میں سوار ہو کر جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور جو شخص چل سکتا ہو، اس کے لیے پیدل چلنا افضل ہے۔ (عالمگیری ص۲ ج۱)

## عیدگاہ کی آمد و رفت میں راستہ کی تبدیلی

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدٍ خَالَفَ الطَّرِيقَ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن راستہ بدل دیتے تھے (صحیح بخاری)۔

تشریح:۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے لیے جس راستہ سے عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے، واپسی میں اس کو چھوڑ کر دوسرے راستہ سے تشریف لاتے تھے۔ علماء نے اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے زیادہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ آپؐ یہ اس لیے کرتے تھے

کہ اس طرح شعائرِ اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعیت و شوکت کا زیادہ سے زیادہ اظہار و اعلان ہو۔ نیز عید میں جشن اور تفریح کا جو پہلو ہے اس کے لیے بھی یہی زیادہ مناسب ہے کہ مختلف راستوں اور بستی کے مختلف حصوں سے گزرا جائے۔ (معارف الحدیث ص۴۰۷ ج ۳)۔

بعض کا کہنا ہے کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی راستہ سے جاتے اور واپس اُسی سے آتے تو سب پر اس سنت کی پیروی واجب ہوتی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے آپؐ سے جُدا ہو کر مختلف راستوں سے جانا مشکل ہو جاتا۔ چنانچہ آپؐ نے اُمت کی آسانی کے لیے ایسا کیا تاکہ نماز کے بعد جس راستہ سے لوگ چاہیں واپس جائیں۔ (غنیۃ الطالبین ص۴۳۸)۔

## نمازِ عید سے پہلے یا بعد میں کچھ کھانا

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپؐ عید الفطر کی نماز کے لیے کچھ کھا کر تشریف لے جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)۔ عید الاضحیٰ کے دن نماز کے بعد کھانے کی غالباً یہ وجہ ہوگی کہ اُس دن سب سے پہلے قربانی ہی کا گوشت منہ میں جائے، جو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی ضیافت ہے۔ اور عید الفطر میں علی الصبح نماز سے پہلے ہی کچھ کھا لینا (چند کھجوریں وغیرہ) غالباً اس لیے ہوتا تھا کہ جس اللہ کے حکم سے رمضان کے پورے مہینہ دن میں کھانا پینا بالکل بند رہا، آج (عید الفطر کے دن) جب اس کی طرف سے دن میں کھانے پینے کی اجازت ملی اور اسی میں اس کی رضا اور خوشنودی معلوم ہوئی تو طالب و محتاج بندہ کی طرح صبح ہی اس کی نعمتوں سے لذت اندوز ہونے لگے، بندگی کا مقام یہی ہے۔ (معارف الحدیث ص۴۰۶ ج۲)۔

## نبی اکرم کا معمول

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَاْكُلَ تَمَرَاتٍ وَيَاْكُلُهُنَّ وِتْرًا۔ (رواہ البخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم (عید الفطر کے دن) چند کھجوریں نوش فرمائے بغیر عیدگاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے، اور کھجوریں طاق عدد تناول فرماتے تھے۔

تشریح:۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم عید کے روز عیدگاہ جانے سے قبل چند کھجوریں نوش فرماکر گویا کھانے میں جلدی کرتے تھے تاکہ پہلے دنوں یعنی رمضان المبارک سے امتیاز پیدا ہوجائے کیونکہ جس طرح روزہ کی حالت میں نہ کھانا واجب ہے، اسی طرح عید کے روز کھانا واجب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طاق یعنی تین، پانچ، سات عدد یا اس سے کم اور زیادہ نوش فرماتے تھے۔ چونکہ ہر کام میں طاق عدد کی رعایت رکھنا بہتر ہے۔ اس لیے آپؐ اس معاملہ میں بھی طاق کا لحاظ فرماتے تھے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ:۔

اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ۔ یعنی اللہ طاق ہے اور طاق کو پسند فرماتا ہے۔

عید الفطر کے روز آپؐ اس لیے کھجوریں نوش فرماتے تھے کہ وہ ہی اس وقت موجود ہوتی تھیں۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ کھجوریں کھانے میں یہ حکمت تھی کہ وہ میٹھی ہوتی ہیں اور مٹھاس نگاہ کی تقویت کا ذریعہ بنتی ہے، خاص طور پر خالی معدہ کے وقت تو نگاہوں کی تقویت کے لیے یہ بڑی زود اثر ہوتی ہے، لہٰذا روزوں کی وجہ سے جو ضعف ہوجاتا تھا، کھجوریں اپنے اثرات سے اس کو ختم کرتی تھیں۔ پھر یہ کہ شیرینی مقتضاءِ ایمان کے موافق ہے۔

چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ جو شخص خواب میں شیرینی کھاتے دیکھے اُسے حلاوتِ ایمان نصیب ہو۔ نیز شیرینی دل کو نرم کرتی ہے، اس سبب سے شیرینی کے ساتھ افطار کرنا افضل ہے۔ (مظاہر حق جدید ص۲۸۸ ج۲)۔

مسئلہ :۔ عید الفطر کے دن عیدگاہ جانے سے پہلے تین یا پانچ یا سات چھوارے یا کھجوریں کھانا مستحب ہے، اس سے کم کھائے یا زیادہ، لیکن چھوارے طاق عدد ہونے چاہئیں۔ اگر چھوارے یا کھجوریں نہ ہوں تو کوئی اور میٹھی چیز کھائے۔ اگر نماز سے پہلے کچھ نہ کھایا تو گنہگار نہ ہوگا، اگر نماز کے بعد بھی عشاء تک کچھ نہ کھایا تو اس پر مواخذہ ہوسکتا ہے۔ عید الاضحیٰ کا حکم وہی ہے جو عید الفطر کا ہے، لیکن اس میں عید کی نماز تک کچھ نہ کھانا چاہیئے۔

بقر عید کے دن نماز سے پہلے کھانے میں دو روایتیں ہیں۔ مختار یہ ہے کہ نماز سے پہلے کھانے میں کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں لیکن نماز سے پہلے نہ کھانا چاہیئے۔ مستحب یہ ہے کہ اس روز سب سے پہلے قربانی کا گوشت کھائے، جو اللہ تعالیٰ کی ضیافت (مہمان نوازی) ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۷۲ ج۱)۔

## یوم الاضحیٰ کو جملہ شرائطِ روزہ مستحب ہیں

سوال :۔ دسویں ذی الحجہ کو عید کی نماز سے قبل صرف نہ کھانا پینا مسنون ہے یا جملہ شرائطِ روزہ کی رعایت رکھنا ضروری ہے؟۔

جواب :۔ جملہ شرائطِ روزہ کا لحاظ قربانی سے پہلے مستحب ہے۔ اور دُرِّ مختار میں ہے کہ قربانی سے پہلے نہ کھانا مستحب ہے اگرچہ وہ قربانی نہ کرے، اور کھالے تو کچھ کراہت نہیں۔ اور شامی سے معلوم ہوتا ہے کہ رکنا ان چیزوں سے مستحب ہے جن سے روزہ افطار ہوجائے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۹۳ ج۵ بحوالہ ردالمحتار باب صلاۃ العیدین ص۷۸۴ ج۱)۔

مسئلہ :۔ بعض عوام کہتے ہیں کہ بقر عید کے روز (قربانی ہونے تک) روزہ سے رہے، یہ محض بے اصل ہے، البتہ قربانی سے پہلے کھانا نہ کھانا مستحب ہے لیکن وہ روزہ نہیں، نہ تو کھانا فرض ہے نہ روزہ کا ثواب، نہ روزہ کی نیت ہے۔ (اغلاط العوام مکمل ص۱۳۳)۔

## عیدین کی نماز کا وقت

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِنَا يَوْمَ الْفِطْرِ وَالشَّمْسُ عَلَى قِيْدِ رُمْحَيْنِ وَالْأَضْحَى عَلَى قِيْدِ رُمْحٍ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کی نماز ہم لوگوں کو ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر دو نیزے کے بلند ہوتا تھا اور عید الضحیٰ کی نماز ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر ایک نیزہ کے بلند ہوتا تھا۔ (معارف الحدیث ص۴۰۳ ج۳)

نمازِ عید کا وقت آفتاب کے ایک نیزہ کے برابر اونچا ہونے سے لے کر زوال سے پہلے تک ہے، لہٰذا اگر آفتاب (سورج) کے نیزہ برابر اونچا ہونے سے پہلے عید کی نماز پڑھی جائے گی تو وہ درست نہیں ہوگی بلکہ وہ فعلِ حرام ہوگی، یعنی ایسی نفل نماز جس سے روکا گیا ہے۔ (ایک نیزہ کی مقدار تین گز یعنی چھ ہاتھ ہوتی ہے) چنانچہ اگر عید کی نماز ہوتے ہوئے ہی آفتاب ڈھل جائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ جیسے جمعہ پڑھنے میں اگر عصر کا وقت آجاتا ہے تو جمعہ فاسد ہو جاتا ہے۔ فاسد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز جو پڑھ رہا تھا وہ نہیں ہوگی، البتہ اُسے نفل نماز کا ثواب مل جائے گا۔ (درمختار ص۷۹۱ ج۱)۔

عید کا وقت نفلی نماز کے جائز ہونے کے وقت سے پہلے تک رہتا ہے اگر نماز پڑھنے میں زوالِ آفتاب ہوگیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (کتاب الفقہ صفحہ ۵۴۹ ج۱)۔

## عیدین کی نماز کس پر واجب ہے؟

حنفیہؒ کے نزدیک ہر اُس شخص پر واجب ہے جس پر نمازِ جمعہ اپنی شرائط کے ساتھ واجب ہے۔ یہ شرائطِ وجوب ہوں یا شرائطِ صحت شرائطِ صحت میں سے (ایک تو) خطبہ مستثنیٰ ہے کہ یہ نمازِ جمعہ میں نماز سے پہلے اور عیدین میں نماز کے بعد ہوتا ہے۔ شریکِ جماعت لوگوں کی تعداد میں

بھی نمازِ عیدین مستثنیٰ ہیں کہ نمازِ عید کی جماعت تو ایک شخص کے شریک ہونے سے بھی ہو جاتی ہے، لیکن جمعہ کی نماز میں ایسا نہیں ہے۔ (نمازِ جمعہ میں کم از کم تین آدمی لازم ہیں) ۔ نیز عید کی نماز میں "جماعت" واجب ہے، اس کا ترک کرنا گناہ ہے، اگرچہ عید کی نماز ہو جاتی ہے، لیکن جمعہ کی یہ کیفیت نہیں ہے جمعہ کی نماز بغیر جماعت کے نہیں ہو سکتی ہے۔ (کتاب الفقہ ص ۵۴۸ ج ۱) ۔

جس شخص پر جمعہ کی نماز واجب ہے اس پر عید کی نماز بھی واجب ہے خطبہ کے علاوہ جمعہ میں جو شرائط ہیں وہی عیدین میں بھی ہیں لیکن عید کے دن نماز کے بعد خطبہ سنت ہے، خطبہ کے بغیر عید کی نماز جائز ہے، اگر نمازِ عید سے پہلے خطبہ پڑھ دیا گیا تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔ اگر عید کی نماز سے پہلے پڑھ دیا، تو نماز کے بعد خطبہ کا اعادہ نہ کریں۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۷۳ ج ۲) ۔

## نمازِ عیدین کے لیئے نقارہ بجانا

اگر نام و نمود (دکھلاوے و بڑائی) کے لیے ہے تو جائز نہیں ہے؛ اگر صرف نمازیوں کو مطلع کرنے کی نیت سے بجایا جائے تو جائز ہے (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۰۵ ج ۵) ۔

## نمازِ عیدین میں مقتدیوں کا انتظار

عیدین کی نماز کا وقت زوالِ آفتاب سے پہلے پہلے ہے۔ پس اس وقت تک یعنی قبل زوال تک انتظار کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، اس کے بعد نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۰۵ ج ۵ بحوالہ رد المحتار ص ۷۷۹ ج ۱) ۔

**مسئلہ:** ۔عید گاہ میں نماز سے پہلے بار بار لوگ تکبیر بآوازِ بلند پڑھتے ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین کے دن عید گاہ میں کوئی آواز و تکبیر وغیرہ بغرض لوگوں کو بلانے کے لیے نہ کہی جائے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۳۰۹ ج ۱) ۔

## عیدین کے دن نوافل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی یَوْمَ الْفِطْرِ رَکْعَتَیْنِ لَمْ یُصَلِّ قَبْلَہُمَا وَلَا بَعْدَ ھُمَا۔ (بخاری وَ مسلم)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھی اور اس سے پہلے یا بعد آں حضرتؐ نے کوئی نفلی نماز نہیں پڑھی۔ (معارف الحدیث ص۴۱ ج۳)۔

**مسئلہ:**۔ حنفیہ رحؒ کے نزدیک عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے، عیدگاہ ہو یا اور کوئی جگہ۔ اور نماز کے بعد صرف عیدگاہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، گھر میں مکروہ نہیں ہے۔ (کتاب الفقہ ص۵۶۰ ج۱)۔

عیدین کی نماز سے پہلے تو مطلقاً نوافل مکروہ ہیں۔ اور عید کی نماز کے بعد کا یہ حکم ہے کہ عیدگاہ میں نہ پڑھیں، اگر گھر میں آکر پڑھ لیں تو درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۲۷ ج۵ بحوالہ رد المحتار ص۷۷۷ ج۱)۔

**مسئلہ:**۔ عید کی نماز سے پہلے فجر کی قضاء جائز ہے مگر گھر میں خفیۃً یعنی پوشیدگی سے پڑھے تاکہ دیکھنے والوں کو بدگمانی نہ ہو۔

**مسئلہ:**۔ عیدگاہ میں کراہت نوافل کی وجہ یہ ہے کہ نمازِ عید پر زیادتی کا وہم نہ ہو، اور نمازِ عید کا وقت زوال تک ہے، اس لیے زوال کے بعد اسی مسجد میں جہاں عید کی نماز پڑھی گئی، نوافل مکروہ نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص۱۲۰ ج۴)

**مسئلہ:**۔ اگر ایک شخص نے فجر کی نماز نہیں پڑھی تو عید کی نماز جائز ہوگی۔ نیز عید کی نماز سے پہلے قضا پرانی نمازیں پڑھنی جائز ہیں لیکن عید کی نماز کے بعد پڑھنی زیادہ اَولیٰ اور بہتر ہے۔ (عالمگیری ص۲۰۳ ج۳)۔

## نوافل کی ممانعت کی وجہ کیا ہے؟

**سوال:**۔ عیدین کے دن نمازِ اشراق و چاشت کیوں

نہیں پڑھتے، ممانعت کی کیا وجہ ہے؟۔
جواب:۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روز (عیدین کے روز) اس کا پڑھنا ثابت نہیں، اور چاشت کی نماز پڑھنے کا نمازِ عیدین سے واپس آنے کے بعد پڑھنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ (امداد الفتاوی ص۶۷۴ ج۱)۔

## نمازِ عیدین میں بچے کہاں کھڑے ہوں؟

نابالغ بچوں کے لیے تو یہ حکم ہے کہ اگر بچے جماعت میں شامل ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں، خواہ عیدین کی جماعت ہو یا دیگر نمازوں کی۔ اگر بوجہ مجبوری جیسا کہ عیدگاہ میں پیش آتی ہے بچے جماعت کے اندر کھڑے ہوجائیں یا نمازی کے آگے بیٹھ جائیں یا دائیں بائیں کھڑے ہوجائیں تو نماز ہوجاتی ہے، لیکن یہ خلافِ سنت ہے اور مکروہ تنزیہی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۹۶ ج۵ بحوالہ ردالمحتار باب الامامت ص۵۳۴ ج۱)۔
مسئلہ:۔ آج کل عام طور سے بچوں کو عیدگاہ لے جانے کا عام رواج ہوگیا ہے جس کو دیکھو وہ اپنے ساتھ ایک دُم چھلّا ضرور لیے ہوتا ہے۔ اور حیرت تو یہ ہے کہ باوجود ہر سال تکلیف اٹھانے کے پھر بھی لوگوں کو اس کی ذرا حس اور تمیز نہیں ہوتی۔ شاید کوئی سال ایسا ہوتا ہو کہ بچے عیدگاہ میں جاکر عین نماز کے وقت رونا، سُکنا، نہ شروع کرتے ہوں، بلکہ ایک دُو تو ان میں سے پیشاب، پاخانہ بھی کردیتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ (ناسمجھ) بچوں کو عیدگاہ لے جانا چھوڑ دیں۔ (اغلاط العوام ص۱۱۹)۔

## عیدین کی چھ تکبیروں کا جواز

حنفیہ کی دلیل (نمازِ عیدین میں چھ زائد تکبیرات کی یہ) حدیث ہے
عن سعید بن العاص انہ سال ابا موسیٰ الاشعری رض وحذیفۃ بن الیمان کیف کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یکبر فی الاضحیٰ والفطر فقال ابو موسیٰ کان یکبر اربعًا فی الرکعۃ الاولیٰ مع تکبیرۃ الاحرام وفی الثانیۃ مع تکبیرۃ الرکوع تکبیرۃ وعلی الجنائز، فقال حذیفۃ صدق۔ (رواہ ابوداؤد۔ مشکوۃ باب صلوۃ العیدین ص۱۲۶ ج۱)۔

اور جس روایت میں نو تکبیریں دونوں رکعتوں میں وارد ہیں اس سے مراد بھی چھ تکبیراتِ زوائد ہیں۔ کیونکہ اول رکعت میں تکبیر تحریمہ و تکبیر رکوع داخل ہیں اور دوسری رکعت میں تکبیر رکوع داخل ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۰۶ ج۵)۔

شرح منیہ میں لکھا ہے کہ عیدین کی ہر رکعت میں تین تکبیریں علاوہ تکبیر افتتاح کے بہت سے جلیل القدر صحابہ رض سے ثابت ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۹۵ ج۵ بحوالہ غنیۃ المستملی باب العیدین)۔

## نمازِ عیدین کی نیّت

سوال:۔ عید کی نماز اس طرح نیت کر کے پڑھی: "نیت کرتا ہوں دو رکعت سنت ہمراہ چھ تکبیروں کے" اس صورت میں نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

جواب:۔ اس طرح نیت کرنے سے نماز صحیح ہے کیونکہ بعض فقہاء رح نے نمازِ عید کو سنت کہا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ واجب ہے، اس لیے زیادہ احتیاط یہ ہے کہ واجب کا لفظ کہے، لیکن اگر نیت میں سنت کا لفظ کہہ دیا، تب بھی نماز صحیح ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۲۲ ج۵ بحوالہ ردالمحتار باب العیدین ص۷۷۴ ج۱)

## عیدین کی نماز کا طریقہ

حنفیہ رح کے نزدیک نمازِ عیدین ادا کرنے کے وقت دل سے نیت کرنا اور زبان سے کہنا چاہیئے کہ "میں عید کی نماز واسطے اللہ تعالیٰ کے پڑھنے

کی نیت کرتا ہوں، اور مقتدی کو امام کے اتباع کی نیت بھی کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر دونوں ہاتھ اُٹھا کر ناف کے نیچے اور نمازوں کے طریقے کے مطابق باندھ لیے جائیں۔ اس کے بعد امام اور مقتدی دونوں ثنار (سبحانک اللھم آخر تک) پڑھیں، پھر امام زائد تکبیرات (تین بار اللہ اکبر) کہے اور مقتدی بھی اسی طرح کریں (اور ہر مرتبہ اللہ اکبر مثل تکبیر تحریمہ کے دونوں کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور تکبیر کے بعد لٹکا دے یعنی چھوڑ دے۔ تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکائے بلکہ ہاتھ باندھ لے) اور ہر تکبیر کے بعد اتنا توقف کرنا چاہیئے جتنے عرصہ میں تین تکبیریں کہی جاسکیں۔ اور اس اثنا میں کوئی ذکر مسنون نہیں ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ نمازِ عید پڑھنے والا مقتدی یا امام ان تکبیروں میں رفع یدین (ہاتھ کانوں تک اُٹھائے) پھر امام اعوذ باللہ الخ اور بسم اللہ الخ آہستہ پڑھے، اس کے بعد سورۂ فاتحہ اور کوئی اور سورت اونچی آواز سے پڑھے۔ اور مستحب یہ ہے کہ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى" کی سورت ہو۔ اس کے بعد امام رکوع کرے اور مقتدی امام کی پیروی کریں اور پھر سجدہ کریں۔ پھر جب دوسری رکعت شروع کریں تو سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھی جائے۔ مستحب یہ ہے کہ وہ سورت "هَلْ أَتَاكَ" ہو۔ سورت پڑھنے کے بعد امام اور مقتدی زائد تکبیرات کہیں (یعنی پھر تین بار تکبیر کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں اور چوتھی تکبیر پر رکوع کریں) یہ تکبیرات رکوع کی تکبیر کے علاوہ تین ہیں اور ہر تکبیر میں ہاتھ چھوڑے جائیں۔ باقی نماز حسبِ دستور پوری کی جائے۔ (کتاب الفقہ علےٰ المذاہب الاربعہ صفحہ ۵۵ ج ۱)

**مسئلہ:** عیدین کی پہلی رکعت میں تکبیر زوائد قرأت سے پہلے کہے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد کہے، اس طرح دونوں قرأت کے درمیان تکبیر زوائد حائل نہیں ہوں گی۔ (درمختار صفحہ ۷۹۱ ج ۱)۔

مَسْئلہ :۔ عید کی تکبیر زوائد کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں، اس وجہ سے حکم ہے کہ تکبیر کہہ کر ہاتھوں کو چھوڑ دیں کیونکہ ہاتھوں کا باندھنا وہاں مسنون ہے جہاں کوئی ذکر مسنون ہو، اور ہر دو تکبیروں کے درمیان تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار خاموش رہے، خاموش رہنے کی مقدار جماعت کی زیادتی اور کمی پر ہے یعنی اگر مجمع زیادہ ہے تو دو تکبیروں کے درمیان وقفہ زیادہ کرے اور اگر کم ہو تو کم وقفہ کرے۔ مقصد یہ ہے کہ اشتباہ باقی نہ رہنے پائے۔ (در مختار صـ۹۲ـ ج ۱)۔

## احکام عید الاضحیٰ

عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں کے احکام یکساں ہیں، دونوں کا وقت ایک (سا ہی) ہے، دونوں کے لیے شرطیں ایک سی ہیں، لیکن اتنا فرق البتہ ہے کہ بقرعید کی نماز تیسرے دن بارہویں ذی الحجہ کے زوال سے پہلے تک عذر کی وجہ سے بلا کراہت مؤخر کی جاسکتی ہے۔ اور بلا عذر بارہویں تک تاخیر کراہت کے ساتھ درست ہوگی، لہٰذا بقرعید میں عذر کراہت دور کرنے کے لیے شرط ہے، اور عید الفطر میں نماز درست ہونے کے لیے شرط ہے یعنی بقرعید میں بلا عذر بھی بارہویں ذی الحجہ تک نماز مؤخر کر سکتے ہیں گو وہ مکروہ ہے مگر بلا عذر عید الفطر کا دوسرے دن مؤخر کرنا درست نہیں ہے۔ (در مختار صـ۹۶ـ ج ۱)

مسئلہ :۔ عید الضحیٰ کی نماز کا بھی یہی طریقہ ہے اور اس میں بھی وہ سب چیزیں مسنون ہیں جو عید الفطر میں ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ عید الضحیٰ (بقرعید) کی نیت میں بجائے عید الفطر کے عید الضحیٰ کا لفظ داخل کرے۔

عید الفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا مسنون ہے، عید الضحیٰ میں نہیں ہے اور عید الفطر میں راستے میں چلتے وقت آہستہ تکبیر کہنا مسنون ہے اور یہاں (بقرعید میں) بلند آواز سے۔ اور عید الفطر کی دیر سے پڑھنا مسنون ہے اور عید الضحیٰ (بقرعید) کی نماز سویرے

یعنی جلدی وقت ہونے پر۔ اور عید الضحیٰ میں صدقہ فطر نہیں ہے بلکہ نماز کے بعد قربانی ہے اہل وسعت پر۔ اور اذان و اقامت نہ عید الفطر میں ہے اور نہ بقر عید میں۔ (بہشتی زیور صـ۸۵ ج ۱۱ بحوالہ شرح تنویر صـ۶۲ ج ۱)۔

**عید الضحیٰ کا خطبہ** عید الضحیٰ کے خطبہ میں امام قربانی کے اور ایام تشریق کے مسائل و احکام بیان کرے تاکہ لوگ واقف ہوں، طحطاوی نے لکھا ہے کہ عید الضحیٰ سے پہلے والے جمعہ میں ہی احکام قربانی وغیرہ بیان کر دینا مناسب ہے۔ (در مختار صـ۸۰۰ ج ۱)۔

**عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیر** عید الضحیٰ میں عیدگاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ کہتے ہوئے جائیں۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

**مسئلہ:۔** عید الضحیٰ میں مستحب یہ ہے کہ نماز عید کے بعد کھائے، اگر کوئی نماز عید الضحیٰ سے پہلے کھالے گا تو یہ مکروہ تنزیہی بھی نہ ہوگا کیونکہ بدائع میں صراحت ہے کہ جاہے کھائے چاہے نہ کھائے مگر مستحب یہ ہے کہ نماز کے بعد کھائے۔ (در مختار صـ۷۹۶ ج ۱)۔

**عید الضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر** عید الضحیٰ کی نماز کے بعد بھی تکبیر تشریق کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے مسلمان برابر اسی طرح کرتے آئے ہیں لہٰذا ان کی پیروی واجب ہے اور علماء بلخ کا یہی مسلک ہے۔ عید الضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنا مستحب ہے۔ (در مختار صـ۸۰۰ ج ۱)۔

**نماز عیدین بغیر اذان و اقامت ہی سنت ہے** عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَيْنِ

غَیْرَ مَرَّۃٍ وَلَا مَرَّتَیْنِ بِغَیْرِ اَذَانٍ وَلَا اِقَامَۃٍ۔ (رواہ مُسلم)۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کی نماز ایک یا دو دفعہ ہی نہیں بلکہ بہت دفعہ پڑھی ہے، ہمیشہ بغیر اذان اور بغیر اقامت کے۔ (صحیح مسلم۔ معارف حدیث صفحہ ۴۰ ج ۳)۔

اس حدیث شریف اور فقہ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عیدین میں اذان (بغیر اقامت) اور "الصلاۃ الصلاۃ" وغیرہ الفاظ کہہ کر پکارنا کچھ نہیں ہے مسنون طریقہ یہی ہے۔ (یعنی بغیر اذان و اقامت)۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۳۷ ج ۵)

## نفل کی نیت سے دوبارہ نمازِ عید پڑھنا

نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہو جانے سے کچھ گناہ نہیں، کیونکہ شرعًا بعض موقع پر ایسا کرنے کا حکم ہے جیسا کہ کتبِ فقہ میں ہے کہ جس نے ظہر اور عشاء کی نماز پڑھ لی ہو اور بوقتِ اقامتِ جماعت وہ مسجد میں ہو تو وہ جماعت کو چھوڑ کر وہاں سے نہ نکلے اور نفل کی نیت سے جماعت میں شامل ہو جائے۔ (فتاویٰ دار العلوم ۲۲۷ ج ۵، بحوالہ رد المحتار باب ادراک الفریضہ ص ۶۶۸ ج ۱)۔

## خطبۂ جمعہ و خطبۂ عیدین میں فرق ہے

(۱) خطبۂ عیدین جمعہ کی طرح نماز کے لیے شرط نہیں، بلکہ بغیر خطبہ بھی نمازِ عیدین صحیح ہو جاتی ہے۔ (۲) عیدین کا خطبہ فرض اور واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ (۳) خطبۂ عیدین بعد نمازِ عید پڑھا جاتا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں کہ "فرق درمیان خطبہ جمعہ و عیدین کے یہ ہے کہ خطبہ عیدین میں سنت ہے شرط نہیں اور یہ کہ عیدین کا خطبہ نماز کے بعد ہے بخلاف جمعہ کے"۔

بحر الرائق میں ہے کہ اگر عیدین میں بالکل خطبہ نہ پڑھا جائے تو نماز صحیح

ہو جائے گی، اگرچہ ترکِ سنت سے گنہگار ہوں گے، اسی طرح نماز سے پہلے خطبہ پڑھنے میں خلافِ سنت کا گناہ ہوگا، البتہ نماز درست ہو جائے گی۔

امورِ مذکورہ پر نظر کرتے ہوئے اگر خطبۂ عیدین میں عربی خطبہ پڑھ کر اُردو (یا مقامی زبان میں) ترجمہ سنا دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اول تو اس خطبہ کی وہ شان نہیں کہ شرطِ نماز یا دو رکعت کے قائم مقام ہو۔ دوسرے چونکہ خطبہ عید کی نماز کے بعد ہوتا ہے تو جب خطبۂ عربی سے فراغت ہو گی تو نمازِ عید اور اس کی سنت ادا ہو گی۔ اب خالی وقت ہے اس میں بطورِ تبلیغِ احکام کے ترجمہ سنا دیں تو کوئی مضائقہ نہیں اور تطویلِ خطبہ بھی لازم نہیں آتا کیونکہ ترجمہ کے وقت اگر کوئی شخص جانا چاہے تو کوئی حرجِ شرعی اس پر عائد نہیں ہوتا، بخلاف جمعہ کے خطبہ کے کہ وہاں ابھی تک نماز نہیں ہوئی، نماز کا انتظار لامحالہ ضروری ہے۔ (خلاصۃ الاجوبہ فی عربیہ، از مولانا مفتی محمد شفیع رح)۔

## عیدین کا خطبہ کیسے دیا جائے؟

عید کے خطبہ میں مستحب یہ ہے کہ پہلے خطبہ میں اول مسلسل نو مرتبہ اللہ اکبر کہے اور دوسرے خطبہ میں سات مرتبہ۔ یہ سنت ہے اور مستحب یہ ہے کہ منبر سے اترنے سے پہلے چودہ مرتبہ اللہ اکبر کہے۔ اور جب عید کے خطبہ کے لیے منبر پر چڑھے تو خطبہ سے پہلے نہ بیٹھے، ہمارے نزدیک یہی طریقہ مسنون ہے، کیونکہ منبر پر بیٹھنا دراصل اذان ختم ہونے کے انتظار میں ہوتا ہے اور عید کے خطبہ میں اذان نہیں ہے اس لیے نہ بیٹھے (درمختار صفحہ ۷۹۴ ج ۱)۔

**مسئلہ:** دونوں خطبوں کے درمیان کچھ دیر بیٹھے۔ (فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۱۵۳ ج ۱)۔

**مسئلہ:** بعد نمازِ عیدین امام منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھے، یہی

سنت ہے، نماز اور خطبہ کی جگہ ایک نہیں ہوتی ہے۔ نماز پڑھانے کے لیے امام نیچے کھڑا ہوتا ہے اور خطبہ منبر پر جا کر پڑھتا ہے۔ (یہ غلط ہے کہ جس جگہ نماز پڑھے اسی جگہ خطبہ پڑھے)۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۹۲ ج۵)

## خطیب کیا بیان کرے؟

خطبہ میں صدقہ فطر اور اس کے احکام بیان کرے اور بتلائے کہ صدقہ فطر کس پر واجب ہوتا ہے؟ کس کے لیے واجب ہوتا ہے؟ کب واجب ہوتا ہے؟ کس قدر واجب ہوتا ہے؟ کس چیز سے واجب ہوتا ہے؟۔

عیدالاضحیٰ کے روز خطیب اللہ اکبر اور سبحان اللہ پڑھے، وعظ کہے، قربانی و ذبح کے احکام بتلائے اور تکبیر تشریق سکھلائے، جب امام خطبہ میں اللہ اکبر پڑھے تو قوم بھی اس کے ساتھ پڑھے (دل دل میں) اور جب امام درود پڑھے تو سننے والے بھی اپنے دل میں درود شریف پڑھیں، لیکن خاموش رہنا سنت ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۱۴۳ ج۱)۔

اور مناسب یہ ہے کہ عیدین سے پہلے جو جمعہ ہو اس میں لوگوں کے سامنے احکام فطرہ بیان کر دے تاکہ لوگ وقت پر صدقہ فطر ادا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید سے دو دن پہلے وعظ فرماتے اور اس میں صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم فرماتے۔ (در مختار ص۷۹۴ ج۱)۔

عید کی نماز ختم کرنے کے بعد (امام یا خطیب) دو خطبے پڑھے اس کا پڑھنا سنت ہے، اگر کوئی عید کی نماز سے پہلے ہی خطبہ پڑھ دے تو یہ گو درست ہے مگر برا کرنے والا ہوگا، اس لیے کہ اس نے سنت کی خلاف ورزی کی، اور سنت کو چھوڑ دیا، اور جو چیزیں نماز جمعہ میں مسنون اور مکروہ ہیں وہی چیزیں نماز عیدین میں بھی مسنون اور مکروہ ہیں، صرف دو چیزوں میں جمعہ اور عیدین کے اندر فرق ہے۔ ایک یہ کہ عید میں خطبہ سے پہلے تکبیر کہنا مسنون ہے اور جمعہ میں یہ مسنون نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ جمعہ میں خطبہ شروع کرنے سے پہلے

منبر پر امام کا بیٹھنا مسنون ہے اور عیدین میں بیٹھنا مسنون نہیں ہے۔ (در مختار صـــ۷۹۳ ج۱)۔

مسئلہ:۔ حنفیہ کے نزدیک عیدین کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے بلکہ منبر پر جانے کے بعد ہی خطبہ شروع کر دیا جائے اور بیٹھا نہ جائے (کتاب الفقہ صـــ۵۶۰ ج۱)۔

مسئلہ:۔ حنفیہ کے نزدیک عیدین کے خطبے جمعہ کے خطبوں کی مانند ہیں خطبوں میں صرف ایک رکن ہے یعنی ذکر اللہ، کم ہو یا زیادہ، اس میں شامل ہے۔ لہٰذا خطبوں کے لیے صرف حمد یا تسبیح و تہلیل کافی ہے، ہاں ان میں سے کسی ایک امر پر انحصار کر لینا مکروہ تنزیہی ہے۔ حنفیہؒ کے نزدیک دوسرا خطبہ شرائط خطبہ میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ سنت ہے۔ (کتاب الفقہ صـــ۵۶۱ ج۱) ـــــ (تفصیل کے لیے دیکھیے مکمل و مدلل مسائل نماز جمعہ باب نہم ۹)

مسئلہ:۔ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ نمازِ عیدین عیدگاہ اور صحرا میں پڑھنا افضل اور مستحب ہے اور منبر کے وہاں لے جانے میں اختلاف نقل کیا ہے۔ علامہ شامیؒ نے کہا ہے کہ منبر وہاں لے جانا عیدگاہ میں مکروہ ہے۔ البتہ اگر وہاں عیدگاہ میں منبر بنالیا جائے اور تعمیر کرلیا جائے تو کچھ حرج نہیں، یہ کہنا غلط ہے کہ خطبۂ عیدین منبر پر کھڑے ہوکر پڑھنا ناجائز ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم صـــ۲۲۶ ج۵)۔

مسئلہ:۔ زیادہ دراز کرنا خطبہ کا مکروہ ہے، لیکن خطبہ جس قدر بھی ہو سننا اس کا ضروری ہے۔ کراہت خطبہ کے دراز کرنے والے کے حق میں ہے، سننے والوں پر تمام خطبہ کا سننا واجب ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم صـــ۱۹۴ ج۵، بحوالہ مشکوٰۃ شریف صـــ۱۲۳ ج۱ باب الخطبہ والصلوٰۃ)

مسئلہ:۔ عیدین میں اگر ضروری مسائل خطبہ کے درمیان بیان کرنا ہوں تو قلیل ہونا چاہیئے۔ اور بعد میں ہو تو کوئی قید نہیں ہے (امداد الفتاویٰ صـــ۷۱۱ ج۱)

مسئلہ:۔ خطبہ عید کا پڑھنا اور سننا سنتِ مؤکدہ ہے لیکن جب خطبہ پڑھا جائے اور کوئی شخص وہاں موجود ہو تو خطبہ سننا واجب ہو جاتا ہے، اس وقت کلام وغیرہ کرنا ناجائز ہے اور شور مچانا سخت گناہ ہے۔ (امداد المفتین ص۳۷۳)

مسئلہ:۔ عیدین کا خطبہ تو سنت ہے لیکن اس کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے، خواہ خطبہ سنائی دے یا نہ دے۔ (در مختار ص۵۸۵ ج۱)۔

مسئلہ:۔ نمازِ عید کے خطبہ کے وقت صفیں قائم رکھ کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا بہتر ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صفیں قائم رکھ کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے تھے۔ (بلوغ المرام ص۵۵)۔

مسئلہ:۔ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے، کسی وقت اگر عذر سے بیٹھ کر پڑھا جائے تو درست ہے۔ مگر مداومت (دائمی طور پر ترکِ سنت) کی اجازت نہ ہوگی، لہٰذا دوسرا انتظام کیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۲۷ ج۵)۔

مسئلہ:۔ خطیب عیدین کے خطبہ میں جب تکبیرات کہہ لے تو حاضرین آہستہ آہستہ تکبیر کہہ سکتے ہیں اور خطیب آیتِ کریمہ "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ الخ" پڑھے تو حاضرین دل ہی دل میں درود پڑھیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۹ ج۵)۔

مسئلہ:۔ اگر نماز سے پہلے یا خطبہ کے بعد چندہ ہو تو مضائقہ نہیں خطبہ کے دوران اس کی یعنی چندہ کی اجازت نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۸ ج۵)۔

## قرأت کے بعد شامل ہونے کے مسائل

اگر مقتدی امام کو قیام میں اس وقت پائے جب وہ تکبیر زوائد کہہ چکا تھا، تو مقتدی اس وقت اپنے مذہب کے مطابق تکبیر زوائد کہہ لے، کیونکہ وہ مسبوق یعنی بعد میں شامل ہونے والا ہے اور مسبوق اپنی نماز میں امام کا تابع نہیں ہوتا ہے، چنانچہ حنفی تین تکبیر زوائد کہہ کر امام کے ساتھ ملے گا۔ اور اگر اس مقتدی کی ایک رکعت چھوٹ گئی ہے تو جب وہ اپنی یہ رکعت پوری کرنے چلے تو پہلے قرأت کرے اور پھر

قرارت کے بعد تکبیر زوائد کہے اور اس کے بعد رکوع میں جائے، تاکہ اس کی تکبیریں پیا پئے نہ ہو جائیں بلکہ دونوں میں قرارت کا فاصلہ ہو جائے، (درمختار ص۹۱، ج۱)

مسئلہ:۔ اگر مقتدی نے ابھی تکبیر نہیں کہی تھی کہ امام رکوع میں چلا گیا تو اس صورت میں مقتدی قیام میں تکبیر نہ کہے، بلکہ وہ امام کے ساتھ رکوع کرے اور رکوع میں ہی تکبیر زوائد کہہ لے، صحیح قول یہی ہے اس وجہ سے کہ رکوع کے لیے قیام کا حکم ہے۔ لہٰذا اس میں مسنون کے ادا کرنے سے بہتر یہ ہے کہ واجب کو ادا کرے (مسنون رکوع کی تسبیح ہے اور واجب تکبیر زوائد، رکوع میں تکبیر کہنے کا حکم اس وقت تک ہے جب کہ دوسری رکعت میں ملنے والے مقتدی کو خوف ہو کہ اگر تکبیر زوائد کہہ کر رکوع میں گیا تو اس وقت تک امام رکوع سے سر اٹھا لے گا۔

مسئلہ:۔ جس طرح خود امام عید کی دوسری رکعت میں قرارت کے بعد تکبیر زوائد کہے بغیر رکوع میں چلا جائے تو یہ امام بھی رکوع میں تکبیر زوائد کہے گا، تکبیر زوائد کے لیے رکوع سے قیام کی طرف واپس نہیں ہوگا۔

مسئلہ:۔ نماز عیدین میں تکبیر زوائد کہنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان میں اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اُٹھائے، اگرچہ اس کا امام ہاتھ اُٹھانے کا قائل نہ ہو، مگر جب ان تکبیرات زوائد کو رکوع میں ادا کرے گا تو دونوں ہاتھوں کو وہ کانوں تک نہیں اٹھائے گا۔ مذہب مختار یہی ہے۔ اس لیے کہ رکوع میں نمازی کا اپنے دونوں گھٹنوں کو پکڑنا سنت ہے اور تکبیرات زوائد میں گو ہاتھوں کا اٹھانا بھی سنت ہے مگر یہ اس کا محل نہیں ہے، لہٰذا یہ جس کا محل ہے اُسے اختیار کیا جائے گا۔ (درمختار ص۹۲ ج۱)۔

مسئلہ:۔ عیدین کی نماز میں تکبیر زوائد کے بعد شامل ہونے والے کے لئے حکم یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد تکبیر زوائد کہہ لے، اگرچہ امام قرارت شروع کر چکا ہو، اور اگر امام کو رکوع میں پایا تو تکبیرات کہہ کر رکوع میں جائے، البتہ اگر امام کے ساتھ رکوع نہ مل سکنے کا خطرہ ہو تو رکوع میں بغیر ہاتھ اُٹھائے

تکبیرات کہہ لے، اگر تکبیرات کی تکمیل سے پہلے امام رکوع سے اٹھ گیا تو بقیہ تکبیریں ساقط ہوجائیں گی۔ یعنی معاف ہوجائیں گی۔

اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد اُٹھ کر جو رکعت پڑھے گا اس میں قرارت کے بعد رکوع سے پہلے تکبیرات کہے، اور اگر تشہد میں شریک ہوا تو بعینہٖ اسی طرح دو رکعتیں تکبیرات کے ساتھ پڑھے جس طرح امام کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ (احسن الفتاوی ص۱۴۳ ج۴ بحوالہ ردالمحتار ص۱۷۸ ج۴)۔

مسئلہ :- اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد جماعت میں شامل ہوا تو تکبیر زوائد نہ پڑھے بلکہ امام کی نماز ختم ہونے پر فوت شدہ رکعت کو مع تکبیرات زوائد کے ادا کرے۔ (کتاب الفقہ ص۵۵۱ ج

مسئلہ :- رفع یدین (نماز میں ہاتھوں کا اٹھانا) تکبیراتِ زوائد عیدین میں سنت ہے۔ اگر رفع یدین نہ کیا نماز تو ہوگئی۔ لیکن آئندہ کو ایسا نہ چاہیئے اس سنت کو ادا کرنا چاہیئے (عزیز الفتاوی ص۳۰۱ ج۱)۔

مسئلہ :- تکبیراتِ عید واجب ہیں، علاوہ تکبیر افتتاح و رکوع کے تین تین واجب ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی تکبیر چھوڑ دے گا ترکِ واجب ہوگا اور واجب کے چھوڑنے سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے مگر چونکہ نمازِ عیدین میں سجدۂ سہو نہیں ہے لہٰذا نماز (عیدین) ہوجائے گی۔ (عزیز الفتاوی ص۳۰۹ ج۱)

مسئلہ :- اگر کوئی ایسے وقت عید گاہ میں پہونچا کہ نمازِ عید ہو رہی ہے اور وہ بے وضو ہے تو اگر اس کو ظن غالب ہو کہ وضو کے بعد نماز کا کوئی حصہ مل جائے گا تو وضو کرکے نماز میں شریک ہوجائے، ورنہ تیمم کرکے نماز میں شریک ہوجائے۔ (طحطاوی ص۶۳)۔

مسئلہ :- اگر کسی کی وضو عیدین کی نماز کے درمیان ٹوٹ جائے تو فوراً وہیں تیمم کرکے نماز میں شریک ہوجائے۔ (طحطاوی ص۶۳)۔

مسئلہ :- اگر کوئی شخص عید الفطر یا عید الضحیٰ (بقرعید) کی نماز میں ایسے وقت شامل ہوا کہ امام تکبیروں سے فارغ ہو چکا ہو، تو اگر قیام میں آکر شریک ہوا تو فوراً تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد تین زائد تکبیریں کہہ لے، اگرچہ امام قرأت کر رہا ہو، اور اگر اس وقت پہونچا کہ امام رکوع میں ہے تو کھڑے کھڑے تکبیر تحریمہ اور تینوں تکبیریں کہہ کر رکوع میں شامل ہو جائے۔ اور اگر رکوع کے چھوٹنے کا اندیشہ ہو تو تکبیر تحریمہ کہہ کر فوراً رکوع میں شامل ہو جائے اور رکوع کی حالت میں رکوع کی تسبیح "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم" کے بجائے زائد تکبیریں کہہ لے اور ہاتھ کانوں تک نہ اٹھائے اور اگر زائد تکبیروں کے کہنے سے پہلے ہی امام رکوع سے کھڑا ہو جائے تو جتنی بھی تکبیریں کہہ چکا ہے ٹھیک ہے، باقی تکبیریں چھوڑ کر امام کے ساتھ کھڑا ہو جائے، اب تکبیریں معاف ہو جائیں گی۔

مسئلہ :- اور اگر عیدین کی نماز میں صرف دوسری رکعت ملی تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ اپنی رکعت کو اس طرح پوری کرے۔ پہلے قرأت کرے، بعد میں زائد تکبیریں کہے پھر رکوع کرے، یہ نہ خیال کرے کہ یہ تو پہلی رکعت ہے کہ زائد تکبیریں قرأت سے پہلے کر لوں۔ (درمختار ص۵۸۴ ج۱)۔

## عیدین کی جماعت نہ ملنے کا حکم

جس کی نماز عید چھوٹ گئی ہے اگر اس کے لیے دوسری جگہ جماعتِ عید میں جانا ممکن ہو تو اس کو وہاں جانا چاہیے تاکہ وہ وہاں جاکر نماز عید ادا کرے، اس وجہ سے کہ عید اور بقرعید کی نماز ایک شہر میں اور بڑے قصبہ میں بالاتفاق متعدد جگہ ادا کی جاسکتی ہے، لیکن اگر وہ وہاں جانے سے مجبور ہو اور نہ جاسکتا ہو، اس کو چاہیے کہ وہ چار رکعت چاشت کی نماز کی طرح ادا کرے، یہ نماز، عید کی نماز نہیں ہوگی بلکہ چاشت کی نماز ہوگی (اس طرح ثواب میں جو کمی رہ گئی تھی اس کی کسی درجہ میں تلافی ہو جائے گی۔ (درمختار ص۷۹۵ جلد اول)۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔حنفیہ کے نزدیک عیدین کی نماز صحیح ہونے کے لیے نماز جمعہ کی طرح جماعت شرط ہے۔اگر امام کے پیچھے (نماز عیدین) نہ پڑھی جاسکے تو اب (شرعاً) اس کی قضا کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ نہ وقت کے اندر نہ اس کے بعد۔اگر کوئی شخص اس کی قضا تنہا پڑھنی چاہے تو چار رکعتیں بغیر تکبیرات زوائد کے پڑھ لے۔پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ "الاعلیٰ"، اور دوسری رکعت میں سورۂ "والضحیٰ" تیسری میں "الم نشرح" اور چوتھی میں "والتین" پڑھی جائے (کتاب الفقہ ص۵۵۵ ج ۱)

## رکوع نہ کرنے والوں کا حکم

سوال:۔عید الفطر کی دوسری رکعت میں امام تکبیرات زوائد بھول کر رکوع میں چلا گیا اور مقتدی کھڑے رہے اور امام سجدہ میں چلا گیا پھر مقتدی بھی سجدہ میں چلے گئے اور رکوع اکثر مقتدیوں کا نہیں ہوا۔امام نے سجدۂ سہو کر لیا تو نماز مقتدیوں کی ہوئی یا نہیں؟

جواب:۔اس صورت میں امام کی نماز اور ان مقتدیوں کی جنہوں نے رکوع کر لیا ہوگئی، اور ان لوگوں کی جنہوں نے رکوع نہیں کیا نماز نہیں ہوئی۔(فتاویٰ دار العلوم ص۲۱۷ ج۱)

## عیدین کی جماعت ثانیہ کا حکم

ایک عیدگاہ میں عید کی دوبارہ نماز پڑھنے سے نماز صحیح تو ہوجائے گی مگر جن عوارض کی وجہ سے مسجد میں دوسری مرتبہ جماعت کرنا مکروہ ہے وہ یہاں بھی ہیں بلکہ یہاں پر قباحت مزید یہ ہے کہ انتظام میں خلل اور عوام میں انتشار کا خطرہ ہے۔اس لیے یہ (بعد میں پہونچنے والے) لوگ عیدگاہ کی بجائے دوسرے مقام میں عید کی جماعت کریں۔(احسن الفتاویٰ ص۱۲۵ ج ۴)۔

(بہتر تو یہی ہے کہ جماعت نہ کریں، بلکہ جہاں دیر میں جماعت ہوتی ہو وہاں شریک ہوجائیں۔محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

## جماعتِ ثانیہ کا حکم

عیدگاہ اور عیدگاہ کے باہر بھی اگر جگہ نہ ہو اور لوگ نماز ادا کرنے سے رہ جائیں تو باقی ماندہ لوگ ایسی مسجد میں جہاں نمازِ عید نہ پڑھی گئی ہو، دوگانہ عید ادا کریں، اگر ایسی جگہ نہ ہو تو ہال ایا کسی دوسری جگہ، میں پڑھیں مگر وہاں سب کو نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ عیدگاہ میں دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے اور دوسری جماعت میں دوسرا امام ہونا ضروری ہے۔ جس نے پہلی مرتبہ نماز ادا کرلی ہے وہ امام نہیں بن سکتا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۳۰ ج۵)۔

## مجبوری کی بنا پر جماعتِ ثانیہ

**سوال:**۔ یہاں انگلینڈ میں بڑا ہال نماز کے لیے نہیں ملتا، جس کی بنا پر چھوٹے ہال میں نمازِ عیدین پڑھی جاتی ہے، اس میں پہلی بار مقامی امام نماز پڑھاتے ہیں لیکن نمازی زیادہ ہونے کی بنا پر اسی ہال میں نماز مکرر باجماعت ہوتی ہے۔ دوسری بار بھی اسی قدر نمازی ہوتے ہیں کیا حکم ہے؟

**جواب:**۔ جہاں عیدگاہ نہ ہو اور مسجد میں بھی گنجائش نہ ہو تو جنگل میں کوئی میدان تجویز کرلیا جائے اور وہاں نمازِ عید ادا کی جائے، اگر ایسا میدان میسر نہ ہو تو شہر میں کسی محفوظ میدان میں یا بڑے ہال یا بڑے مکان میں نمازِ عید پڑھی جائے۔ ایک ہال یا ایک مکان کافی نہ ہو تو باقی نمازیوں کے لیے دوسری جگہ نماز کے لیے تجویز کردی جائے۔ بلا عذرِ شرعی اور بلا مجبوری کے ایک ہی جگہ دوبارہ، سہ بارہ جماعت نہ کی جائے۔ باوجود سعی اور کوشش کے دوسری جگہ میسّر نہ ہوسکے اور نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو دوبارہ نمازِ عید اسی جگہ پڑھی جاسکتی ہے مگر امام دوسرا ہونا ضروری ہے۔ پہلا امام دوسری جماعت کا امام نہیں بن سکتا۔ اور امام عید کے لیے اعلان کرکے چندہ کرنا غلط ہے جس کو جس قدر گنجائش ہو اپنی خوشی سے بطور ہدیہ دیدے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۳۶ ج۵)۔

مسئلہ :- نمازِ جمعہ و عیدین کے صحیح ہونے کے لیے مسجد کا ہونا شرط نہیں، شہر اور فنارِ شہر میں پڑھ سکتے ہیں۔ (ہدایہ ص۱۴۸ ج ا۔ طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص۲۹۳)

مسئلہ :- نماز کے لیے جگہ کا وقف ہونا بھی ضروری نہیں۔ ذاتی مکان اور کرایہ کے حجرہ (وغیرہ) میں بھی ادا ہوجاتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اذن عام ہو، یعنی سب مسلمانوں کو وہاں نماز پڑھنے کی اجازت ہو۔ (درمختار مع الشامی ص۷۶۱ ج ا، فتاویٰ رحیمیہ ص۲۷۴ ج اول)۔

## عیدین کا وجوب اور قضاء نہ ہونے کی وجہ

سوال :- نمازِ عیدین واجب ہے یا نفل؟ اور اس کی قضا کیوں نہیں ہے حالانکہ وتر کی قضاء ہے۔

جواب :- عید کی نماز واجب ہے اور اگر کسی شخص سے جماعتِ عیدین فوت ہوجائے تو پھر اس کی قضاء نہیں ہے کیونکہ اس میں جماعت شرط ہے اور وتر میں جماعت شرط نہیں ہے اور اس میں تحدید وقت بھی نہیں ہے (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۲۱ ج ۵۔ بحوالہ ردالمختار ص۷۷۴ ج ا، باب العیدین)۔

## عیدین کی نماز کے بعد دعاء

ہمارے حضرات اکابر مثلاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ اور دیگر اساتذۂ کرام مثلاً حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب نانوتوی قدس سرہٗ سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند اور مولانا محمود حسن قدس سرہٗ وغیرہم کا یہی معمول رہا ہے کہ بعد نمازِ عیدین کے بھی تمام نمازوں کی طرح ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگتے تھے۔ اور احادیث سے بھی مطلقاً نمازوں کے بعد دعاء مانگنا ثابت ہے، اس میں عیدین کی نماز بھی داخل ہے۔ لہٰذا راجح قول ہمارے نزدیک یہی ہے کہ دعاء بعد نمازِ عیدین بھی مستحب ہے۔ اور دیگر احادیث سے سب نمازوں کے بعد دعاء ہونا ثابت ہے۔ پس اس کو بھی اس پر محمول کیا جائے گا کیونکہ جب کلیتہً دعاء کا مستحب ہونا نمازوں کے

بعد ثابت ہوگیا تو اَب یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر نماز کے بعد بتصریح وارد ہو۔ عام طور سے نمازوں کے بعد دعار مانگنا وارد ہوا ہے، لہٰذا عیدین کی نماز کے بعد بھی دعار مانگنا مسنون و مستحب ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۸۰ و ص۱۹۰ ج۵)

حصن حصین میں وہ احادیث (دعار سے متعلق) مذکور ہیں اور ہمارے اکابر کا یہ ہی معمول رہا ہے۔ بندہ کے نزدیک جو علمار عیدین کی نماز کے بعد دعار مانگنے کو بدعت یا غیر ثابت فرماتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عموماً نمازوں کے بعد دعار کا استحباب ثابت ہے، پھر عیدین کی نمازوں کو الگ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے وہ احادیث معروف و مشہور مشکوٰۃ شریف اور حصن حصین میں مذکور ہیں، ان کے نقل کی ضرورت نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۲۵ ج ۵)

---

(نوٹ) قارئین کرام کے لیئے یہ ایک خطبہ نقل کیا جارہا ہے، اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اسی کو لازم و ضروری سمجھیں۔ البتہ اگر جی چاہے تو یہی خطبہ یا اسی جیسا کوئی بھی خطبہ پڑھ سکتے ہیں کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف اور آپؐ کے صحابہ رضؓ و خلفار راشدینؓ واہلِ بیت وغیرہ کا ذکر موجود ہو۔ (محمد رفعت قاسمی)

# خُطبۃُ عِیدُ الفِطرِ

اللّٰہُ اکبر اللّٰہُ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد الحمد للّٰہ المنعم المحسن الدیان ذی الفضل والجود والاحسان ذی الکرم والمغفرۃ والامتنان۔ اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ الذی ارسل حین شاع الکفر فی البلدان صلی اللّٰہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ ما المع القمران وتعاقب الملوان۔ اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد۔ اما بعد فاعلموا ان یومکم ھذا یوم عید للّٰہ علیکم فیہ عوائد الاحسان۔ ورجاء نیل الدرجات والعفو والغفران۔ اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد۔ وقد[1] قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان لکل قوم عیدا وھذا عیدنا۔ اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد۔ وقال[2] رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاذا کان یوم عیدھم یعنی یوم فطرھم باھی بھم ملٰئکتہ فقال یا ملٰئکتی ما جزاء اجیر وفی عملہ قالوا ربنا جزاءہ ان یوفی اجرہ قال ملٰئکتی عبیدی وامائی قضوا فریضتی علیھم ثم خرجوا یعجون الی الدعاء وعزتی وجلالی وکرمی وعلوی وارتفاع مکانی لاجیبنھم فیقول ارجعوا قد غفرت لکم وبدلت سیاٰتکم حسنات قال فیرجعون مغفورا لھم اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ

---

[1] متفق علیہ ۱۲ [2] بیہقی ۱۲

اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَهٰذَا الَّذِيْ ذُكِرَ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ كَانَ فَضْلُهٗ وَاَتَمَّ
اَحْكَامِهٖ مِنْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ وَالصَّلٰوةِ وَالْخُطْبَةِ قَدْ بَيَّنَّاهَا فِي الْخُطْبَةِ الَّتِيْ
قَبْلَهٗ نَعَمْ بَقِيَتِ الْمَسْئَلَتَانِ فَنَذْكُرُهُمَا الْاٰنَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ
اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَلْاُوْلٰى قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ
اَتْبَعَهٗ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ اَلثَّانِيَةُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ بَيْنَ اَضْعَافِ الْخُطْبَةِ يُكْثِرُ التَّكْبِيْرَ فِيْ خُطْبَةِ
الْعِيْدَيْنِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ
مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى

---

## ترجمہ آیات و احادیث خطبۂ عید الفطر

حدیث اوّل :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر قوم کے لیے ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے ۔ (متفق علیہ)

حدیث دوم :- اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اُن کی عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُن کی وجہ سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے پس ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے فرشتو کیا بدلہ ہے اس شخص کا جس نے اپنے کام کو پورا کر دیا ہو وہ عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب اس کا بدلہ یہ ہے کہ اُس کا ثواب پورا دیا جائے ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے اور بندیوں نے میرے فرض کو پورا کر دیا جو ان پر ہے پھر نکلے فریاد کرتے ہوئے ۔ قسم ہے عزت و جلال کی اور اپنے کرم کی اور علو شان کی اور اپنے مرتبے کے بلند ہونے کی میں ضرور ان کی دعا قبول کروں گا ۔ پھر اپنے بندوں سے خطاب

---

۱؎ اخرج عبد بن حمید و ابن المنذر عن سعید الخدری قد افلح من تزکی قال اعطی صدقۃ الفطر قبل ان یخرج الی العید و ذکر اسم ربہ فصلی قال خرج الی العید فصلی کذا فی الدر المنثور قلت لو فرض حمل ھذا ذکر لسورتہ بالتکبیر فی الطریق لو یبعد ۲؎ مسلم ۳؎ عن ابن ماجہ ۱۲

فرماتا ہے کہ لوٹ جاؤ تم تحقیق میں نے تم کو بخش دیا اور بدل دیا تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے "آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا پس وہ (نماز کے بعد) بخشے ہوئے لوٹتے ہیں (بیہقی فی شعب الایمان) اور صدقۂ فطر کا مسئلہ اوپر گزر چکا ہے۔ اس جگہ دو مسئلے اور لکھے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ :-

حدیث سوم :- آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد چھ روزے شوال کے رکھے تو ایسا ہو گیا جیسا کہ ہمیشہ (یعنی سال بھر) روزے رکھے (مسلم)

ف :- اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔ پس رمضان کے روزہ رکھنے سے دس ماہ کے روزوں کا ثواب مل چکا چھ روزے اور رکھے تو بقیہ دو ماہ کا ثواب حاصل ہوگیا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے :-

حدیث چہارم :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے خطبہ میں تکبیر بکثرت پڑھا کرتے تھے (ابن ماجہ)

آیات مبارکہ :- اور ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہ نے کہ بیشک نجات پائی اس شخص نے جس نے زکوٰۃ دی (یعنی صدقۂ فطر ادا کیا) پھر اللہ کا نام لیا (یعنی تکبیر پڑھی) پھر نماز پڑھی۔ (عبید بن حمید اور ابن المنذر نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے زکوٰۃ سے مراد صدقۂ فطر اور نماز سے عید مراد ہونا نقل کیا ہے (کذا فی الدر المنثور) اور حضرت مؤلف سلمہ نے فرمایا ہے کہ اس تفسیر پر اگر ذکر اسم ربہ سے راستے میں تکبیر کہنا مراد لے لیا جاوے تو بعید نہیں ہے "

اضافہ :- (الف) اور حضرت انسؓ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مدینہ میں) تشریف لائے اور ان (اہل مدینہ) کے لیے دو دن تھے (جن میں وہ کھیل کود کیا کرتے تھے) پس آپؐ نے دریافت فرمایا یہ دو دن کیا ہیں انہوں نے عرض کیا کہ ان میں ہم کھیل کود کیا کرتے تھے زمانہ جاہلیت میں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم کو اللہ نے ان دونوں کے بدلے میں ان سے اچھے دو دن عطا فرمائے ہیں۔ بقر عید کا دن اور عید کا دن (ابوداود) (ب) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ نے کہ جب عید کا دن ہوتا ہے تو فرشتے راستے کے دروازوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ پس پکارتے ہیں کہ اے مسلمانو کے گروہ چلو رب کریم کی طرف جو احسان کرتا ہے بھلائی کے ساتھ پھر اس پر بہت ثواب دیتا ہے (یعنی خود ہی توفیق عبادت دیتا ہے پھر خود ہی ثواب عنایت کرتا ہے) اور تحقیق تم کو قیام لیل کا حکم دیا گیا پس تم نے قیام کیا اور تم کو روزے رکھنے کا حکم دیا گیا پس تم نے روزے رکھے اور اپنے پروردگار کی اطاعت کی پس تم انعام حاصل کرو پھر جب نماز پڑھ چکتے ہیں تو منادی پکارتا ہے آگاہ ہو جاؤ بے شک تمہارے رب نے تم کو بخش دیا پس لوٹو تم اپنے گھروں کی طرف کامیاب ہو کر پس وہ یوم الجائزہ ہے اور اس دن کا نام آسمان میں یوم الجائزہ (اور انعام کا دن) رکھا جاتا ہے

(معین جمع الفوائد عن الکبیر)

---

# خُطْبَةُ عِيْدِ الْأَضْحٰى

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ لِكُلِّ اُمَّةٍ مَّنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ وَعَلَّمَ التَّوْحِيْدَ وَاَمَرَ بِالْاِسْلَامِ ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الَّذِیْ هَدَانَا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ قَامُوْا بِاِقَامَةِ الْاَحْكَامِ ۔ وَبَذَلُوْا اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَا لَهُمْ مِّنْ كِرَامٍ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاعْلَمُوْا اَنَّ يَوْمَكُمْ هٰذَا يَوْمُ عِيْدٍ شَرَعَ لَكُمْ فِيْهِ مَعَ اَعْمَالٍ اُخَرَ قَدْ سَبَقَتْ فِیْ خُطْبَةٍ قَبْلَ هٰذَا الْعَشْرِ ذَبْحَ الْاُضْحِيَّةِ ۔ بِالْاِخْلَاصِ وَصِدْقِ النِّيَّةِ ۔ وَبَيَّنَ نَبِيُّهٗ وَصَفِيُّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُجُوْبَهَا وَفَضَائِلَهَا ۔ وَدَوَّنَ عُلَمَاءُ اُمَّتِهٖ مِنْ سُنَنِهٖ فِیْ كُتُبِ الْفِقْهِ مَسَائِلَهَا ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۔ فَقَدْ[1] قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَّوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۔ وَقَالَ[2] اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِیُّ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَا

---

لہ ترمذی و ابن ماجہ ۔ ٢ہ احمد و ابن ماجہ ۔

لَنَا فِيهَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوا فَالصُّوفُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوفِ حَسَنَةٌ ۔ اللهُ اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۔ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ وَجَدَ سَعَةً لِاَنْ يُّضَحِّيَ فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَحْضُرْ مُصَلَّانَا ۔ اللهُ اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ الْاَضَاحِيُّ يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْاَضْحٰى ۔ وَعَنْ عَلِيٍّ مِثْلُهٗ وَهٰذَا بَعْضٌ مِنَ الْفَضَائِلِ ۔ وَتَعَلَّمُوْا مِنَ الْعُلَمَاءِ الْمَسَائِلَ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ لَنْ يَّنَالَ اللهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۞

---

## ترجمہ آیات و احادیث خطبہ عید الاضحیٰ

حدیث اوّل :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی آدم کا کوئی عمل بقرعید کے دن خدا تعالیٰ (قربانی کا) خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں اور بے شک خون (قربانی) کا زمین پر گرنے سے پیشتر ہی جناب الٰہی میں قبول ہو جاتا ہے پس خوش کرو اس (قربانی) کے ساتھ اپنا دل۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

حدیث دوم :- اور صحابہؓ نے عرض کیا اے رسولِ خدا قربانیاں کیا ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے (خدا کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو ذبح کیا اور ہم ایک بکری وغیرہ ذبح کرتے ہیں مگر اسی پر ہم کو اُن کا پیرو کار قرار دیا گیا) عرض کیا پس ہمارے لیے ان میں کیا ہے اے اللہ کے رسول۔ ارشاد فرمایا کہ ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے عرض کیا (بھیڑ وغیرہ کی) اون میں کیا ملتا ہے؟ اے اللہ کے رسول آپ نے فرمایا اون میں بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے۔ (احمد و ابن ماجہ)

حدیث سوم :- اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے وسعت پائی قربانی کرنے

---

لہ عین ترغیب عن الحاکم مرفوعا من التصحیح وموقوفا ولعل اشبہ وھو مع ذلک مرفوع حکما۔ ۲ سے مالک۲

گی (یعنی صاحب نصاب ہو اور، پھر بھی قربانی نہیں کی پس وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آوے (کس قدر دھمکی ہے قربانی نہ کرنے والے کے واسطے، (عین ترغیب عن الحاکم مرفوعاً مع التصحیح وموقوفاً ولعلہ اشبہ دجو مع ذالک مرفوع حکماً)

حدیث چہارم :- اور حضرت ابن عمرؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قربانی بقرعید سے دو دن بعد تک بھی جائز ہے

حدیث پنجم :- اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ (مالکؒ)

آیت مبارکہ :- اور حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ اُن کا خون ولیکن اُس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اسی طرح اُن جانوروں کو تمہارا زیر حکم کر دیا جاتا ہے۔ تم اس بات پر اللہ کی تعریف بیان کیا کرو کہ اُس نے تم کو قربانی وغیرہ کی توفیق دی اور (اے محمدؐ) اخلاص والوں کو خوشخبری سُنا دیجیے۔

اضافہ :- الف۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اے فاطمہؓ اپنی قربانی کی طرف اُٹھ پس اس کے پاس حاضر ہو کیوں کہ تیرے لیے (اس کا عوض) یہ ہے کہ اُس کے خون سے جو اوّل قطرہ نکلے اُس کے بدلے تیرے گزشتہ گناہ بخش دیئے جاویں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا اے رسول خداؐ کیا یہ بات خاص ہم اہل بیت کے واسطے ہے یا ہمارے اور سب مسلمانوں کے واسطے ہے (عین ترغیب عن البزار وابی الشیخ)

ف :- اگر وہاں کوئی غیر محرم نہ ہو تو عورت کو بھی قربانی کے پاس کھڑا ہونا مستحب ہے اور اگر وہاں غیر محرم ہو تو پھر پردہ ضروری ہے۔

(ب) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے قربانی کی۔ دل کی خوشی کے ساتھ طلبِ ثواب کے لیے وہ قربانی اُس کے واسطے دوزخ کی آگ سے آڑ ہوگی۔

(عین ترغیب عن کبیر الطبرانی)

(خطبات الاحکام)

# دوسرا خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ؕ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ ۞ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۞ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ
يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۞ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى
اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ صَلّٰى وَصَامَ ۞ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ قَعَدَ وَقَامَ ۞ وَصَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
الْمُقَرَّبِيْنَ وَالْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ خُصُوْصًا عَلٰى خَيْرِ
الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِيَآءِ بِالتَّحْقِيْقِ ۞ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَبِيْ بَكْرِ
اِلصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ۞ وَعَلٰى مُزَيِّنِ الْمِنْبَرِ
وَالْمِحْرَابِ ۞ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ
رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ۞ وَعَلٰى كَامِلِ الْحَيَآءِ وَالْاِيْمَانِ ۞
اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ۞
وَعَلٰى مَظْهَرِ الْعَجَآئِبِ وَالْغَرَآئِبِ ۞ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ
بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ ۞ وَعَلَى الْاِيْمَامَيْنِ الْهُمَامَيْنِ
السَّعِيْدَيْنِ الشَّهِيْدَيْنِ ۞ اَبِيْ مُحَمَّدِ اِلْحَسَنِ وَاَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ
الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا ۞ وَعَلٰٓى اُمِّهِمَا سَيِّدَةِ النِّسَآءِ

فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا وَعَلٰى عَمَّيْهِ الْمُكَرَّمَيْنِ بَيْنَ النَّاسِ: اَبِيْ عُمَارَةَ الْحَمْزَةِ وَاَبِي الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا وَعَلَى السِّتَّةِ الْبَاقِيَةِ مِنَ الْعَشَرَةِ الْمُبَشَّرَةِ وَسَآئِرِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ: وَالتَّابِعِيْنَ الْاَبْرَارِ الْاَخْيَارِ اِلٰى يَوْمِ الْقَرَارِ: رِضْوَانُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ: اِنَّكَ سَمِيْعٌ مُّجِيْبُ الدَّعَوَاتِ: اَللّٰهُمَّ اَيِّدِ الْمُسْلِمِيْنَ بِالْاِمَامِ الْعَادِلِ وَالْخَيْرِ وَالطَّاعَاتِ وَاِتِّبَاعِ سُنَنِ سَيِّدِ الْمَوْجُوْدَاتِ: اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ: عِبَادَ اللّٰهِ: رَحِمَكُمُ اللّٰهُ: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ج يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ط اُذْكُرُوا اللّٰهَ يَذْكُرْكُمْ وَادْعُوْهُ يَسْتَجِبْ لَكُمْ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَعْلٰى وَاَوْلٰى وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَهَمُّ وَاَكْبَرُ ط

(خطب شہید از ص۵ تا ص۸)

## خطبہ کے بعد دعاء ثابت نہیں

عیدین کی نمازوں کے بعد دعاء مانگنا تو مثل تمام نمازوں کے مسنون ومستحب ہے، مگر خطبہ کے بعد دعاء مانگنا ثابت اور جائز نہیں ہے۔

خطبہ کے بعد دعاء مانگنا وارد نہیں ہے، نہ خصوصاً نہ عموماً۔ خطبہ کے بعد پھر دعاء نہیں ہے، خطبہ کے بعد دعاء کے معمول کو چھوڑ دینا چاہیئے، صرف نماز (عیدین) کے بعد دعاء کریں جو ثابت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۳۱ و ص۲۱۹ و ص۱۲۵ و ص۲۱۳ جلد ۵)۔

دعاء کا مستحب ہونا نمازِ عیدین کے بعد ثابت ہے اور خطبہ کے بعد دعاء ثابت نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عیدین کے بعد دعاء کرنے میں ہے، اس کے چھوڑنے میں نہیں اور خطبہ کے بعد اتباعِ سنت دعاء نہ کرنے میں ہے۔ باقی ترک کرنا ایسے امور مستحبہ کا ظاہر ہے لائقِ ملامت نہیں ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۴۹ ج ۳)۔

(یعنی اگر عیدین کی نماز کے بعد کسی نے دعاء نہ کی تو ملامت کا مستحق نہیں ہے، لیکن خطبہ کے بعد دعاء نہ کرے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

## عیدین کی نماز کے بعد مُصافحہ ومُعانقہ

**سُوال**:۔ (۱) عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا جیسا کہ آج کل رواج ہے، جائز ہے یا ناجائز؟۔ اگر ناجائز ہے تو عوام الناس کو اس سے روکنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) اس میں ممانعت کیسی اور کس درجہ کی ہے؟

(۳) یہ ممانعت کیا نماز ادا کرنے کے فوراً بعد کے لیے ہے یا عید کا پورا دن اس میں داخل ہے؟

(۴) کیا معانقہ تو اس میں شامل نہیں ہے؟

**جواب**:۔ (۱) یہ طریقہ اختیار کرنا بدعت و مکروہ ہے۔

(۲) یہ ممانعت فوراً نماز کے بعد کے لیے ہے، کیونکہ یہ فعل شارع علیہ السلام (آپؐ) سے ثابت نہیں۔

(۳) معانقہ بھی اس میں شامل ہے، یعنی نماز کے بعد فوراً معانقہ بھی جائز نہیں، (باقی رہا) عیدین کے دن ملاقات کے وقت مصافحہ و معانقہ (ہاتھ ملانا اور گلے ملنا) درست ہے۔ بدعت یا کسی گناہ کا ارتکاب کسی مصلحت کے پیشِ نظر ہرگز جائز نہیں۔ البتہ دوسروں کو منع کرنا اس وقت ضروری ہے جب کہ قبول کرنے کی امید ہو، ورنہ "نہی عن المنکر" ضروری نہیں، غرضیکہ خود نماز کے بعد کسی سے معانقہ و مصافحہ نہ کرے، ہاں اگر کسی سے ملاقات ہی نماز کے بعد ہوئی ہو تو اس سے جائز ہے مگر بدعت کے مشابہت کی تائید ہونے کی وجہ سے اس سے بچنا چاہیئے۔ (احسن الفتاوی ص۳۵۴ ج ۱)

قاعدہ کلیہ ہے کہ عبادات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کیفیت اور ہیئت معین فرمادی ہے اس میں تغیّر و تبدّل جائز نہیں ہے اور مصافحہ چونکہ سنت ہے اس لیے عبادات میں تو حسب قاعدہ مذکورہ اس میں ہیئت و کیفیتِ منقولہ سے تجاوز جائز نہ ہوگا اور شارع علیہ السلام سے صرف اول ملاقات کے وقت بالاجماع یا رخصت کے وقت بھی علی الاختلاف منقول ہے، بس اب اس کے لیے ان دو وقتوں کے سوا اور کوئی محل و موقع تجویز کرنا تغیر عبادات کرنا ہے جو ممنوع ہے، لہٰذا مصافحہ بعد عیدین یا بعد نمازِ پنجگانہ مکروہ اور بدعت ہے۔ شامی ص۳۳۶ ج ۵، باب الاستبراء میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (امداد الفتاوی ص۳۰۷ ج ۱)۔

## عیدین کے دن خوشی کا اظہار کرنا

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بقرعید کے دن جب میرے پاس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انصار کی دو لڑکیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے بعاث کی جنگ

کے متعلق کہے تھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت منھ پر کپڑا اڈالے ہوئے (لیٹے) تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان لڑکیوں کو دھمکایا (منع فرمایا)، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرۂ مبارک کھولا اور فرمایا "ابو بکر! انھیں چھوڑ دو (کچھ نہ کہو) کیونکہ یہ عید ہے یعنی خوشی کے دن ہیں"۔ (بخاری و مسلم)

## دَف بجانے کا مسئلہ

دُف (ڈھول) کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ دف بجانا مطلقاً مباح ہے یعنی کسی بھی وقت اور کسی بھی موقع پر بجایا جا سکتا ہے، اس کے برخلاف دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً حرام ہے۔ اس سلسلہ میں صحیح مسئلہ یہ ہے کہ بعض مواقع پر مثلاً نکاح، ولیمہ یا اسی قسم کی دوسری تقریبات میں، کہ جو انھیں دونوں کے حکم میں ہوں، نیز عیدین میں دف بجانا مباح ہے۔ پھر علماء نے دُف میں فرق کیا ہے یعنی اگر دف جھانجھ دار ہے تو اس کا بجانا مکروہ ہے، اور اگر جھانجھ دار نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ اگرچہ غیر جھانجھ دار کے بارہ میں بھی بعض علماء نے اختلاف کیا ہے۔

بہر حال لڑکیاں جو اشعار گا رہی تھیں وہ فواحش اور حسن و عشق کے اُن مضامین کے حامل نہیں تھے جن کا پڑھنا معیوب اور ممنوع ہے بلکہ وہ اشعار جنگ و جَدل کے کارناموں، معرکہ آرائیوں کی پُر شجاعت داستانوں اور میدانِ جنگ کی گرم کہانیوں پر مشتمل تھے، جن کے پڑھنے سے اشاعتِ دین میں مدد ملتی تھی، ورنہ ان بچیوں کی کیا مجال تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو وہ بُرے اور معیوب اشعار گانے کی جراءت بھی کرتیں نیز ان لڑکیوں کا پیشہ گانا بجانا یا شعر و شاعری نہیں تھا کہ کوئی اچھا گاتی ہوں اور گانے بجانے کے فن میں مشہور ہوں یا یہ کہ وہ اپنے اشعار کے ذریعہ خیالاتِ فاحشہ اور خواہشاتِ نفسانی کے ہیجان اور اشتیاق کا سبب بنتی ہوں جو فتنہ و فساد کا باعث ہوتا بلکہ وہ بالکل اسی انداز میں اشعار پڑھ رہی تھیں

جیسا کہ بعض شریف زادیاں اپنے گھروں میں پاکیزہ خیالات کے حامل اشعار گنگنایا کرتی ہیں۔

اس سلسلہ میں اتنی بات ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ یہاں جس غناء اور نغمہ و سرور کے بارہ میں بحث کی جارہی ہے اور جو حرمت اور اباحت کا محلِ اختلاف ہے وہ اس قسم کا غناء ہے جیسے گویئے اور گلوکار بطورِ فن اور پیشہ اختیار کیئے ہوئے ہیں، چنانچہ وہ صرف لوگوں کی طبیعتوں میں انتشار و ہیجان اور کیف و نشاط پیدا کرنے کے لیے ایسے اشعار گاتے ہیں جو محض محرمات کے ذکر پر مشتمل ہوتے ہیں!۔ ہاں وہ غنا مباح ہے جو ایسے پاکیزہ اشعار پر مشتمل ہو جن سے قلوب روحانی استنباط محسوس کریں اور جو محرمات و مکروہات کے ذکر پر مشتمل نہ ہوں، مثلاً خدا کی حمد، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت، حرمین شریفین یا دوسری مقدس چیزوں کی منقبت، خوشی و مسرت کے اظہار اور اسی قسم کے دوسرے مضامین کے حامل اشعار ترنم کے ساتھ پڑھنا، یہ ناجائز نہیں ہے بلکہ ایک حد تک یہ مستحب ہے کیونکہ یہ نیک با مقصد اعمال کے لیے موجبِ نشاط ہے۔ (مظاہر حق ص۲۸۳ ج ۲)

(خلاصۂ کلام۔ اس حدیث شریف سے صرف اس قدر ثابت ہوا کہ عید کے روز یا ایسے کسی موقع پر جہاں خوشی منانی مباح ہے شریعت کے حدود کے اندر رہتے ہوئے کچھ اشعار پڑھ لینا، یا اور کسی جائز قسم سے اظہار مسرت کرنا جس میں غیر قوم سے مشابہت نہ ہو مباح ہے محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ)۔

## عید مبارک کہنا

**سوال:**۔ آج کل جو عید کے روز بالخصوص عید کی نماز کے بعد "عید مبارک" کہنے کا عام رواج ہے۔ کیا شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے، اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟۔

**جواب:**۔ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور عوام میں اس کا التزام

ہونے لگا ہے، اس لیے مکروہ ہے۔ اور اس کو ثواب بھی سمجھا جاتا ہو تو شریعت میں زیادتی اور بدعت ہونے کی وجہ سے سخت گناہ ہے۔

حضرات فقہاء رحمۃ اللہ علیہ نے یوم عید کی سنتوں اور مستحبات کی تفصیل بیان فرمائی ہے، اگر "عید مبارک" کہنا مستحب ہوتا تو اسے بھی ضرور ذکر فرما دیتے، اور اگر یہ کہنا مستحب ہوتا تو علماء و صلحاء کا اس پر عمل ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں، صرف عوام میں یہ رسم ہے۔ اگر واقعۃً حدیث سے استحباب کا ثبوت مل جائے تو صورتِ تطبیق یہ ہے کہ مطلقًا دعاء برکت مستحب ہے اور الفاظِ مخصوصہ کا التزام بدعت ہے، مثلاً مزاج پرسی کے لیے مختلف الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ "خیریت ہے، مزاج بخیر ہیں" وغیرہ۔ یا دعائیہ کلمات "سلامت رہو، اللہ تعالیٰ اپنی رضاء عنایت فرمائیں، حفاظت فرمائیں" وغیرہ مختلف طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح عید کے روز دعاء کو مقصود سمجھ کر کچھ کہہ دیا جائے مثلاً اللہ تعالیٰ عید کی برکتیں عطا فرمائیں، مبارک فرمائیں، برکت دیں، وغیرہ تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ ہمیشہ ہر موقع پر لفظ "عید مبارک" ہی کا استعمال اس کی دلیل ہے کہ ان الفاظ ہی کو مقصود سمجھا جانے لگا ہے، لہٰذا یہ دین میں زیادتی ہونے کی وجہ سے مکروہ اور بدعت ہے (احسن الفتاویٰ ص۳۸۴ جلد اول)۔

(عید کی مبارک باد دینا اور کہنا جائز تو ہے لیکن ہمیشہ ایک ہی الفاظ کا استعمال نہیں کرنا چاہیے، تاکہ عوام اس لفظ کو سنت یا ضروری نہ سمجھنے لگیں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

عیدین میں خوشی کا ظاہر کرنا اور زیادہ خیرات کرنا بھی مستحب ہے، اور مبارک باد دینا بھی مستحب ہے، اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں سے اور تم لوگوں سے اسے (عیدین کو) قبول فرمائے۔ اس مبارک بادی کا انکار نہیں کیا جاتا ہے (کیونکہ صاحب حلیہ نے صحیح سندوں کے ساتھ اس سلسلہ کے

بہت سے آثارِ صحابۂ کرام رضؓ سے نقل کیے ہیں۔ البتہ محیط نامی کتاب میں مذکور ہے کہ نمازِ عید کے بعد مصافحہ کرنا ہر حال میں مکروہ ہے، کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسا ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازِ عید کے بعد معانقہ کرنے کا ہندستان میں جو رواج ہے وہ دراصل مکروہ ہے۔ (درمختار ص۴۸۸ ج۱)۔

عید کے دن ایک دوسرے کو مبارک باد دینا جائز ہے۔ تقبل اللہ منّا ومنکم۔ اور آپ کو عید مبارک ہو' وغیرہ الفاظ کہے۔ (درمختار مع الشامی ص۷۷۷ ج۱۔ فتاویٰ رحیمیہ ص۲۸۱ ج۱)۔

## قربانی کس پر واجب ہے؟

قربانی ہر مسلمان پر واجب ہے جو عاقل، بالغ اور مقیم ہو، اور اس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کا مال ہو، اور اس کی ضرورتِ اصلیہ سے زائد ہو، اور یہ مال خواہ سونا چاندی یا اس کے زیورات ہوں، یا مالِ تجارت ہو یا ضرورت (حاجت) سے زائد گھریلو سامان ہو، یا رہائش کے مکان سے زائد مکانات اور جائدادیں وغیرہ ہوں۔ قربانی کے لیے اس مال پر سال بھر کا گذرنا بھی شرط نہیں ہے۔ اور نہ اس کا تجارتی ہونا شرط ہے۔

اگر کوئی شخص قربانی کے تین دنوں میں سے آخری دن بھی کسی صورت سے مال کا مالک ہو جائے تو اس پر بھی قربانی واجب ہے۔ بچّہ اور مجنون (پاگل) کی ملکیت میں اگر اتنا مال ہو تو بھی ان دونوں پر یا ان کی طرف سے ان کے ولی پر قربانی واجب نہیں۔

اگر کوئی شخص شرعی قاعدہ کے مطابق مسافر ہو یعنی قربانی کے دنوں میں اپنے وطن سے اڑتالیس۴۸ میل یا اس سے زائد کی دوری میں گزریں تو اس پر بھی قربانی واجب نہیں، اگر قربانی کے دنوں میں (یعنی دس، گیارہ، بارہ) بارھویں ذی الحجہ کو سورج غروب ہونے سے پہلے اپنے گھر آگیا، اور وہ صاحبِ حیثیت

لوگوں میں سے ہے تو اس پر قربانی واجب ہوگی، اور اگر کوئی شخص ایسا ہے جو صاحبِ حیثیت نہیں یعنی مذکورہ بالا نصاب نہیں ہے تو شرعاً اس پر قربانی واجب نہیں۔ لیکن اگر اس نے قربانی کے دنوں میں قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اسی جانور کی قربانی اس پر واجب ہو جاتی ہے، کیونکہ غریب آدمی کے لیے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدنا نذر کے حکم میں ہو جاتا ہے جس کا پورا کرنا بندہ کو واجب (ضروری) ہو جاتا ہے۔

اور ضرورتِ اصلیہ سے وہ ضرورت مراد ہے جو جان یا آبرو سے متعلق ہو، یعنی اس کے پورا نہ ہونے سے جان یا عزت و آبرو جانے کا اندیشہ ہو۔ مثلاً کھانا پینا، کپڑے پہننا، اور رہنے کا مکان، اہلِ صنعت و حرفت کے لیے اس کے پیشہ کے اوزار، باقی بڑی بڑی دیگیں، بڑے بڑے فرش، شامیانے، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ اور ٹیلی ویژن، وی سی آر وغیرہ اسبابِ ضروریہ میں داخل نہیں ہیں، اس لیے ان کے مالک پر قربانی واجب ہوگی، جب کہ ان کی قیمتیں نصاب تک پہونچ جائیں۔

جس طرح مردوں پر قربانی واجب ہے اسی طرح عورتوں کے ذمہ بھی قربانی واجب ہے، بشرطیکہ ان کے پاس ذاتی زیورات ہوں، یا اتنا مال یا جائداد ہو، جو نصاب کے برابر ہو۔ قربانی صرف اپنی طرف سے واجب ہے، اولاد کی طرف سے واجب نہیں (کسی اور عزیز و اقارب کی طرف سے بھی واجب نہیں) مثلاً کسی کی دس اولاد ہیں اور سب ایک ساتھ رہتے ہیں، باپ کی زندگی میں صرف باپ پر قربانی واجب ہوگی، یعنی اپنے نام سے وہ قربانی کرے، اور اگر بیوی صاحبِ حیثیت (صاحبِ نصاب) ہے تو اس کو بھی اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے۔ شوہر کی قربانی بیوی کی طرف سے یا بیوی کی قربانی شوہر کی طرف سے کافی نہیں ہوگی، ہر ایک کو علٰحدہ علٰحدہ قربانی کرنا ضروری ہے۔

بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ کسی سال اپنے نام سے قربانی کر لیتے ہیں اور کسی

سال اپنی بیوی کی طرف سے، یعنی ہر سال نام بدلتے رہتے ہیں، یہ جائز نہیں۔ اگر صاحبِ نصاب ہے تو اس کو اپنی طرف سے قربانی کرنا ضروری ہے۔ اگر اپنے نام سے نہیں کی، کسی دوسرے کے نام سے کرلی تو اس کے ذمّہ وجوب باقی رہ جائیگا دوسروں کے نام سے کرنے میں خود اس کا واجب ادا نہ ہوگا۔

اگر باپ کی وفات ہوچکی اور اولاد ایک ساتھ رہ کر کاروبار کرتی ہیں تو اگر ان کا مال مشترکہ یا جائداد تقسیم کرنے کے بعد ہر ایک صاحبِ نصاب ہوجاتا ہے تو ہر ایک بالغ اولاد کو اپنے اپنے نام سے قربانی کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی ایک بھائی کی طرف سے قربانی کی تو بقیہ بھائیوں کے ذمّہ وجوب باقی رہ جائے گا۔

اگر ماں، باپ پر قربانی واجب تھی اور وہ نہ کرسکے تو انھیں وصیت کرنا ضروری ہے۔ اگر وصیت کرکے انتقال کیا تو ان کی طرف سے ان کے مال میں سے قربانی کرنا ضروری ہے۔ اور اگر وصیت نہیں کی ہے تو ان کی طرف سے واجب نہیں، اگر کوئی شخص ان کی طرف سے قربانی کردے تو یہ قربانی نفل ہوگی، اس کا واجب ساقط نہ ہوگا، صرف اس نفل قربانی کا ثواب ان کو پہونچ سکتا ہے۔
(تاریخ قربانی از ص۴۰ تا ص۴۳)۔

## مشترکہ تاجروں کے لیے حکم

جب چار بھائیوں کا مال مشترک ہے تو وہ چاروں برابر کے حصہ دار ہیں اور قربانی اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس حاجاتِ ضروریہ سے فارغ بقدرِ نصاب مال موجود ہو۔ پس اگر ان چاروں کا مال مشترک اس قدر قیمت رکھتا ہو کہ قرض ادا کرنے کے بعد ہر ایک کا حصہ بقدرِ نصاب ہوجائے تو ان میں سے بالغوں پر قربانی فرض ہوگی، نابالغ پر نہیں۔ اور جن پر فرض ہوگی ان میں سے ہر ایک پر ایک بکرا۔ یا گائے، بیل، بھینس، کٹڑا اور اونٹ یا اونٹنی کا ساتواں حصہ کرنا ضروری ہوگا۔

مالِ مشترک میں سے ایک بکرا کردینا کافی نہیں۔ بکرا قربانی کی نیت سے

دو شخصوں کی طرف سے کیا جائے تو خواہ فرض قربانی ادا کرنا مقصود ہو یا نفلی، ناجائز ہے اور وہ قربانی نہ ہوگی۔ (کیونکہ بکرا، مینڈھا، دُنبہ، نر و مادہ میں صرف ایک ہی حصہ ہوتا ہے)۔

اُولاد یا بیوی اگر خود صاحبِ نصاب ہوں تو خود اُن پر قربانی کرنا واجب ہوگی اور اگر وہ صاحبِ نصاب نہ ہوں تو شوہر اور والد پر ان کی طرف سے قربانی کرنا ضروری نہیں۔ (کفایت المفتی صـ۱۷۶ ج ۸)۔

## ایک شخص پر کتنی قربانی واجب ہے؟

صاحبِ نصاب شخص پر ایک ہی قربانی واجب ہوتی ہے، دو نہیں ہوتیں خواہ وہ کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو۔ ایک شخص کی ملک میں کتنے ہی نصاب جمع ہو جائیں، اس پر ایک ہی قربانی واجب ہوگی۔ (کفایت المفتی صـ۱۷۸ ج ۸)۔

## قرض لے کر قربانی کرنا

مسئلہ:۔ قرض لے کر قربانی کرنا بہتر نہیں ہے جب کہ واجب نہیں ہو۔ (کفایت المفتی صـ۹۷ ج)۔ مسئلہ:۔ اگر کوئی چیز ضرورت سے زائد فروخت کر کے قربانی کر سکے تو واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔ (امداد الفتاویٰ صـ۵۵۳ ج ۳)۔

مسئلہ:۔ قرض دار لوگ اگر قربانی ان کے مال کو محیط ہو، قربانی نہ کریں، لیکن اگر کر لیں گے تو قربانی ہو جائے گی۔ (کفایت المفتی صـ۲۰۷ ج ۸)۔

(کیونکہ بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ قرض لے کر قربانی جائز نہیں، اور ثواب نہیں ملتا، یہ غلط ہے۔ ثواب ضرور ملتا ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ قرض لے کر قربانی کرنا بہتر نہیں ہے۔ جہاں تک ہو سکے قرض سے بچنا چاہیے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔ جو شخص مقروض ہو، اس کو قرض ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیے، قربانی نہ کرے، لیکن اگر کر لی تو ثواب ہوگا۔ (امداد المفتین صـ۹۶۱ ج ۲)۔

مسئلہ:- طالب علم پر نفلی قربانی سے بہتر دینی کتابیں خریدنا ہے۔ (فتاوے محمودیہ ص۳۳۴ ج۴)۔

## مرنے والے کی طرف سے قربانی

وَعَنْ حَنَشٍ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ مَا هٰذَا؟ فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصَانِيْ أَنْ أُضَحِّيَ عَنْهُ فَأَنَا أُضَحِّي عَنْهُ۔

حضرت حَنَش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو دو دنبے قربانی کرتے دیکھا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ کیا ہے (یعنی آپ بجائے ایک کے دو کی قربانی کیوں کرتے ہیں؟) انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ (آپؐ کے وصال کے بعد) اُن کی طرف سے قربانی کیا کروں۔ تو ایک قربانی میں آپؐ کی جانب سے کرتا ہوں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح:- حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دُنبہ کی قربانی تو اپنی طرف سے کرتے ہوں گے اور ایک دُنبہ کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ہمیشہ کا معمول تھا کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہر سال قربانی کرتے تھے۔ (مظاہر حق ص۳۰۳ ج۲)۔

## مُردہ کی طرف سے قربانی کا مطلب

سوال:- متوفی کی طرف سے قربانی کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آیا اپنی طرف سے ایک حصہ قربانی کرکے اس میت کو ثواب پہونچادے، یا مثل دیگر شرکاءِ زندہ کے اس کا نام حصہ پر قرار دیکر قربانی کرے؟

جواب:- دونوں طرح درست ہے۔ (امداد الفتاوی ص۵۳۳ ج۲)۔

**مسئلہ:۔** مُردہ کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اور مُردے کو ثواب ملے گا۔ (کفایت المفتی ص۲۰۲ ج۸)۔

## کتنوں کو ثواب پہونچ سکتا ہے؟

جو قربانی دوسرے کی طرف سے تبرعاً کی جائے چونکہ وہ ملک قربانی کرنے والے کی ہوتا ہے اور صرف دوسرے کو ثواب پہونچتا ہے۔ اس لیے ایک حصہ کئی طرف بھی ہو سکتا ہے جیساکہ مسلم شریف میں ہے کہ اپنی طرف سے ایک حصہ قربانی کر کے متعدد کو ثواب پہونچانا جائز ہے بس یہ بھی ویسا ہی ہے۔ (امداد الفتاوی ص۵۷۳ ج۳)

ایصالِ ثواب کے لیے ضروری نہیں کہ گائے (بڑے جانور) میں سات آدمیوں کو ایصالِ ثواب کیا جائے جتنے آدمیوں کو ثواب پہونچانا منظور ہو ثواب بخش سکتے ہیں۔ سات آدمی قربانی کے جواز کے لیے شرط ہیں۔ (کفایت المفتی ص۲۰۶ ج۸)

**نوٹ:۔** قربانی میں تبرع کی (اپنی طرف سے قربانی کرنے کی) قید سے وہ صورت نکل گئی کہ میت نے اپنے مال سے قربانی کرنے کی وصیت کی ہو تو اس صورت میں ایک حصہ ایک ہی کی طرف سے ہوگا۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

## میت کے لیے صدقہ افضل ہے یا قربانی؟

**مسئلہ:۔** قربانی کے دنوں میں میت کے ایصالِ ثواب کے لیے پیسہ وغیرہ صدقہ کرنے سے قربانی کرنا افضل ہے اور اس کا ثواب میت کو پہونچانا افضل ہے۔ کیونکہ صدقہ خیرات میں فقط مال کا ادا کرنا ہے اور قربانی میں مال کا ادا کرنا بھی اور فدا کرنا بھی یعنی دو مقصد پائے جاتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۸۰ ج۲)۔

## صاحبِ نصاب کا مردہ کی طرف سے قربانی کرنا

**سُوال:۔** زید صاحبِ

نصاب ہے، اس نے جانور خرید کر قربانی مردہ کے نام سے کی تو اس کی واجب قربانی ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب :- جس شخص نے اپنے مال سے میّت کی جانب سے قربانی کی ہے اگر اس پر بھی قربانی واجب تھی تو یہ قربانی اس کی طرف سے ہو جائے گی اور میّت کو قربانی کا ثواب نہ ملے گا، اور اگر اس پر قربانی واجب نہ تھی یا اپنی قربانی جُدا کر چکا تھا تو میت کی طرف سے قربانی درست ہو جائے گی یعنی مردہ کو قربانی کا ثواب مل جائے گا۔ (کفایت المفتی ص۲۰۵ ج۸)۔

## بھول کر ایک دوسرے کی قربانی کرنا

دو شخصوں نے دو بکریوں کو قربانی کے ارادے سے خریدا اور بھول کر ایک نے دوسرے کی بکری کو ذبح کر ڈالا تو دونوں کی قربانیاں درست ہوں گی اور کسی پر بدلہ دینا واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ :- اگر کسی نے کسی کی بکری (قربانی کے جانور) کو غصب کر کے قربان کر ڈالا تو قربانی ادا ہو گئی لیکن مالک کو اس بکری کی قیمت دینا واجب ہوگا۔

مسئلہ :- امانت اور بضاعت (یعنی کسی نے تجارت کرنے کے لیے رقم دی ہے، اپنا بھی حصہ رکھا ہے، اس رقم سے قربانی جائز نہیں) شرکت میں یعنی پال پر دیئے ہوئے جانور کی۔ اور عاریت یعنی ادھار لیے ہوئے جانور، اور بیوی کو شوہر کا جانور اور شوہر کو بیوی کا جانور اور رہن (گروی) کی بکری کو قربانی کرنا درست نہیں کیونکہ وہ غیر کی ملک میں ہے۔ (خلاصۃ المسائل ص۱۱۷)۔

## قربانی میں شرکت کا طریقہ

قربانی کا جانور خواہ پہلے سے متعین کر لیا جائے خواہ ایامِ قربانی میں خرید لیا جائے دونوں صورتیں (جائز) برابر ہیں، لیکن اگر متعین کرنے والا یا بہ نیتِ قربانی خریدنے والا صاحبِ نصاب نہیں تو اس پر اسی جانور کی قربانی کرنا واجب ہو جاتا ہے، اور اگر صاحبِ نصاب ہے اور قربانی کے دنوں سے پہلے اس نے جانور خریدا

اور اُسے بطورِ نذر قربانی کے لیے متعین کرلیا تو اس پر بھی اسی جانور کی قربانی واجب ہوگی اور نصاب کی وجہ سے دوسری قربانی واجب ہوگی، اور اگر بطورِ نذر تعیین نہ کی تو اس کے ذمہ صرف ایک قربانی واجب رہے گی اور تعیین بھی لازم نہ ہوگی۔ (کفایت المفتی صـ۱۹۵ ج۸)۔

مسئلہ: ۔ قربانی کے لیے کسی نے بڑا جانور خریدا اور خریدتے وقت یہ نیت کی کہ اگر کوئی مل گیا تو اس کو بھی اس میں شریک کرلیں گے اور ساجھے میں قربانی کریں گے۔ اس کے بعد اس جانور میں کچھ اور لوگ شریک ہوگئے تو یہ درست ہے۔ اور اگر خریدتے وقت اس کی نیت شریک کرنے کی نہ تھی بلکہ پورے جانور کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کا ارادہ تھا تو اب اس میں کسی اور کا شریک ہونا بہتر تو نہیں ہے لیکن اگر کسی کو شریک کرلیا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ شریک کرنے والا صاحبِ نصاب امیر ہے تو درست ہے، اور اگر غریب ہے تو درست نہیں ہے یعنی غریب شخص کے واسطے یہ درست نہ ہوگا کہ وہ اپنے خریدے ہوئے جانور میں کسی اور کو شریک کرے، اگر وہ کسی شخص کو شریک کرے گا تو شریک ہونے والے شخص کی قربانی کے ادا ہوجانے کا حکم ہوگا، اور اس شرکت کے باعث اور شرکاء کے حصوں کے اندر کسی طرح نقصان واقع نہ ہوگا، البتہ غریب شخص پر واجب ہوگا کہ جتنے حصے اور لوگوں کو دیئے ہوں ان کے ضمان کی ادائیگی اس طریقہ سے کرے کہ آیامِ قربانی باقی ہوں تو اس قدر حصوں کی قربانی کردے اور اگر قربانی کے دن ختم ہوگئے ہوں تو ان دیئے گئے حصوں کی قیمت مسکینوں کو عطا کرے۔ (بہشتی زیور مع حاشیہ صـ۳۹ ج۳)۔

(کیونکہ غریب آدمی جس پر قربانی واجب نہیں ہے، اس کے لیے جانور خریدنا جب کہ نیت پورے کی ہو، نذر کے حکم میں ہوجاتا ہے اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند)۔

## شرکت کا افضل طریقہ

گائے (بڑے جانور) میں شریک ہونے والے خریدنے سے پہلے شریک ہوجائیں اور پھر جانور خریدیں تو یہ احوط (زیادہ احتیاط) اور افضل ہے اور اسی حکم میں یہ صورت بھی ہے کہ خریدنے والا اس نیت سے خریدے کہ ایک حصّہ یا دو حصّے میں اپنی قربانی کے لیے رکھوں گا اور باقی حصوں میں دوسروں کو شریک کو لوں گا، یہ بھی جائز ہے، لیکن اگر اس نے بغیر کسی نیت کے خرید لیا اور بعد میں دوسروں کو شریک کر لیا تو اس کے جواز میں اختلاف ہے، لیکن راجح جواز ہے۔ (کفایت المفتی صـ۱۸۸ ج ۸)۔

## شرکت سے علٰحدہ ہوجانے کا حکم

سُوال:۔ قربانی میں شریک ہو کر پھر قربانی سے ایک روز پہلے حصّہ چھوڑنے پر قربانی واجب سنت کچھ اس کے ذمّہ باقی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ قربانی کے جانور میں اگر کوئی ایسا شخص شریک تھا جس پر قربانی واجب تھی اور وہ پھر ذبح سے پہلے شرکت سے علٰحدہ ہوگیا اور دوسرا آدمی اس کی جگہ شریک ہوگیا تو قربانی ہوجائے گی۔ اور جس پر قربانی واجب نہ تھی وہ اگر ذبح کرنے سے پہلے علٰحدہ ہوجائے تو اس پر قربانی واجب رہ گئی اور اس جانور کے دوسرے شرکاء کی قربانی بھی درست نہ ہوگی۔ (کفایت المفتی صـ۱۹۱ ج ۸)۔

## شرکت کا غلط طریقہ

گائے (یا بڑے جانور) میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ان میں سے کسی کا حصہ سبع یعنی ساتویں حصہ ۱/۷ سے کم نہ ہو۔ پس جب کہ شرکاء سات ہیں اور بعض نے دو روپے دیئے اور بعض نے تین ادا کیے تو یقیناً بعض شرکاء نے دو روپے سے کم بھی دیئے ہوں گے اور جب کہ بقدر روپے کے ہر شریک حصہ دار ہے تو بعض شرکاء کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہوگیا تو اس صورت میں کسی کی بھی قربانی درست نہیں ہوتی ہے۔ (کفایت المفتی صـ۱۸۴ ج ۸)۔

(کیونکہ ہر ایک شریک نے اپنے اپنے روپوں کے مطابق گوشت

تقسیم کرلیا ہے یعنی سات حصّہ برابر نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔
محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

## ولیمہ و عقیقہ والے کے ساتھ شرکت

ہاں گائے (بڑے جانور) میں عقیقہ کی نیت سے کئی آدمی شریک ہوسکتے ہیں، بشرطیکہ تمام شرکاء کی نیت قربانی یا عقیقہ کی ہو۔ بعض شرکاء قربانی کی نیت سے اور بعض عقیقہ کی نیت سے بڑے جانور میں شریک ہوسکتے ہیں۔ دوسری شرط یہ بھی ہے کہ کسی شریک کا حصّہ ساتویں ⅐ سے کم نہ ہو۔ (کفایت المفتی ص۲۴۲ ج۸)

**مسئلہ:** جس پر قربانی واجب ہو، اور جو قربانی نفلی کرے، دونوں (ایک بڑے جانور میں) شریک ہوسکتے ہیں۔ (عزیز الفتاویٰ ص۷۱۸ ج۱)۔

**مسئلہ:** بعض نے قربانی کے لیے اور بعض نے ولیمہ کے واسطے ایک ہی جانور میں حصہ خریدا ہو (شرکت کی ہو) تو یہ سب درست ہے۔ (شامی ص۳۲۶ ج۶)

## ذبح کے بعد شرکت

**سوال:** ایک گائے میں سات حصّے متعین کرکے ذبح کرلی۔ گوشت تقسیم کرنے کے بعد ایک شخص آیا کہنے لگا کہ ایک حصّہ مجھ کو دے دو۔ ایک شخص نے اپنے حصّہ کے دام اس سے لے لیئے، کیا یہ جائز ہے؟

**جواب:** قربانی کے ذبح ہوجانے کے بعد پھر حصہ کا تغیّر تبدّل درست نہیں ہے۔ قیمت واپس کردینی چاہیئے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۷۱۹ ج۱)۔

## گوشت فروخت کرنے کی نیت سے شرکت کرنا

**سوال:** سات آدمیوں نے مل کر ایک جانور خریدا، پھر معلوم ہوا کہ ایک کی نیت گوشت فروخت کرنے کی ہے، کیونکہ وہ گوشت فروخت کرنے کا پیشہ کرتا ہے۔ اس سے دوسروں کی قربانی میں کیا اثر پڑے گا؟

جواب :۔ جائزاً وصلیاً۔ اس کا حصہ اور کوئی قربانی کرنے والا خرید لے، اس کے بعد قربانی کی جائے، ورنہ سب کی قربانی خراب ہوجائے گی، کسی کی بھی درست نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ صـ ۳۱۳ ج ۲)۔

مسئلہ :۔ نیز ولیمہ مسنونہ کی نیت سے قربانی کے جانور میں حصہ لینے سے کسی کی قربانی باطل نہیں ہوگی جس طرح عقیقہ کی نیت سے حصہ لینے سے باطل نہیں ہوتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ صـ ۳۱۳ ج ۲)۔

## شرکت کے پیسوں کی تقسیم

سوال :۔ سات آدمی ایک بڑے جانور میں قربانی کی غرض سے شریک ہوئے، اس گائے کی قیمت دس روپے (پہلے زمانہ کے لحاظ سے) ہے، اب اگر اس قیمت میں سات حصوں پر مساوات فی التقسیم کا لحاظ کیا جائے تو کسر میں دشواری درپیش ہے، اس کی تقسیم کس طرح کی جائے؟

جواب :۔ اگر کوئی شریک دوسرے کی طرف سے کوئی پیسہ زیادہ دے دے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اور اگر بجائے پائی کے ہر ایک شریک پیسہ پیسہ دیگر جو پیسے زیادہ ہوں وہ مالک جانور (بیچنے والے) کو دے دیئے جائیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ غرض اس میں کوئی امر قابلِ استفسار نہیں ہے۔ (عزیز الفتاویٰ صـ ۷۶۴ ج ۱)۔

## پورے گھر کی طرف سے قربانی

گھر میں ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے، ایک کی قربانی سب (کی طرف سے قربانی) کے لیے کافی نہیں ہوسکتی ہے۔ اگر بکرے کی قربانی گراں گذرتی ہو تو بڑے جانور کی قربانی کی جائے اور گوشت (اگر آپ کے یہاں بڑے کا نہ کھایا جاتا ہو تو) وہاں بھیج دیا جائے جہاں کھایا جاتا ہے یا جانور بھیج دیا جائے یا رقم بھیج دی جائے۔ گوشت کا (بلا وجہ) دفن کرنا جائز نہ ہوگا کہ اضاعتِ مال ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ صـ ۱۶۴ ج ۶)۔

## عورت کا مہر اور قربانی

ایک عورت مالکِ نصاب نہیں۔ لیکن اس کا مہر نصاب سے زیادہ شوہر کے ذمہ ہے جو ابھی نہیں مل سکتا ہے تو عورت اس مہر کی وجہ سے مالدار یعنی صاحب نصاب شمار نہیں ہوگی اور اس پر قربانی واجب نہ ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ ص۲۹۳ ج ۵)۔

مسئلہ:۔ نصاب والا زکوٰۃ دے کر اگر اس کا مال کم رہ جائے تب بھی قربانی واجب ہے۔ (عالمگیری ص۲۹۲ ج ۵)۔

## دوسرے کی طرف سے قربانی کرنا

واجب قربانی میں چونکہ دوسرے کے ذمہ ادائے واجب کا قصد ہوتا ہے وہ تو بغیر اس کی اجازت کے جائز نہیں، البتہ اپنے متعلقین کی طرف سے بغیر ان کی اجازت کے بھی درست ہے، جب کہ ان کی طرف سے قربانی کرنے کی عادت ہو، اور اگر قربانی کرنے کی عادت نہ ہو تو ان کی طرف سے بھی قربانی درست نہ ہوگی، ذبح کرنے والے کی طرف سے صحیح ہو جائے گی۔

اور اگر دوسرے کی طرف سے تبرعاً تطوعاً بغیر اجازت کے قربانی کی جائے تو وہ مطلقاً درست ہے خواہ اس کی طرف سے قربانی کی عادت ہو یا نہ ہو، اور اس کو عادت کی اطلاع ہو یا نہ ہو، کیونکہ تبرعاً عن الغیر میں قربانی ذابح کی ملک پر ہوتی ہے دوسرے کو محض ثواب پہونچتا ہے، قربانی اس کی ملک پر نہیں ہوتی۔ (امداد الفتاوٰی ص۶۱۱ ج۳)

## اگر قربانی کرنے والے کی وفات ہو جائے؟

سات افراد نے شریک ہو کر ایک گائے (یا کوئی بڑا جانور) قربانی کے لیے خریدا اور قربانی کرنے سے پہلے اُن میں سے ایک شخص مرگیا، مگر مُردہ کے ورثاء نے اُن شرکاء کو اجازت دے دی کہ تم اس کی (میت کی) اور اپنی طرف سے قربانی کرو، پس اگر وہ اُن کی اجازت سے مردہ اور اپنی طرف سے قربانی کریں تو درست ہوگی اور سب کی قربانی ادا ہو جائے گی، اور اگر اُس مُردہ کے ورثہ کی اجازت کے بغیر قربانی کریں تو درست نہ ہوگی اور

کسی کی بھی قربانی ادا نہ ہوگی۔ (خلاصۃ المسائل ص۱۱۶)

مسئلہ:۔ اگر کوئی صاحبِ نصاب قربانی کے ایام میں انتقال کر جائے تو اس سے قربانی کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ (عالمگیری ص۲۹۳ ج۶)۔

(اگر مرحوم نے قربانی کے لیے بکرا خرید رکھا تھا تو بکرا مرحوم کے ترکہ میں شامل ہو کر ورثاء اس کے حقدار ہو گئے ہیں، اب ورثاء چاہیں تو اس کی قربانی مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے کر سکتے ہیں، واجب نہیں ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

## شرکت کے مسائل

مسئلہ:۔ نابالغ، پاگل، غریب اور مسافر شرعی پر قربانی واجب نہیں۔ لیکن اگر غریب یا مسافر اپنی طرف سے قربانی کر دے تو جائز ہے اور بڑا ثواب ہے۔ (عالمگیری ص۷۴ ج۴)

مسئلہ:۔ اگر غریب نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا تو اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہوگی۔ (شامی ص۲۱۴ ج۵)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے نذر (منت) مانی تو نذر کی وجہ سے اس پر قربانی واجب ہو گئی، خواہ امیر نے نذر مانی ہو یا غریب نے۔

نیز اگر امیر (صاحبِ نصاب) نے نذر مانی ہو تو اب اس کو دو قربانیاں کرنی ہوں گی، ایک تو منت کی وجہ سے اور دوسری جو اس پر صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے شریعت نے واجب کی ہے۔ (عالمگیری ص۷۶ ج۴)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی جگہ یہ رواج ہو کہ شوہر اپنی بیوی، یا باپ اپنی بالغ اولاد کی طرف سے قربانی کر دیا کرتا ہے اور بیوی اور اولاد کو بھی یہ بات معلوم ہو تو اس کی عرف اور رواج کی وجہ سے ان کی طرف سے قربانی درست ہو جائے گی صریح اجازت لینا ضروری نہیں بلکہ رواجِ عرفی کافی ہوگا۔ (شامی ص۲۰۷ ج۵)۔

(جہاں پر یہ عرف نہ ہو تو واجب قربانی کے لیے صریح اجازت لینا ضروری ہے ورنہ قربانی واجب ادا نہ ہوگی نفل قربانی کے لیے

اجازت ضروری نہیں ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

**مسئلہ**:۔ کسی غریب نے جس پر قربانی واجب نہیں تھی، محض اپنی خوشی سے قربانی کردی، اور اس کے بعد قربانی کے ایام میں ہی وہ امیر (صاحبِ نصاب) ہوگیا تو اب اس پر دوسری قربانی کرنا واجب ہے۔

**مسئلہ**:۔ کسی پر قربانی واجب تھی، مگر اس نے ابھی قربانی نہیں کی تھی کہ قربانی کا وقت ختم ہونے سے پہلے ہی وہ اس لائق (یعنی صاحبِ نصاب) نہ رہا کہ اس پر قربانی واجب ہو، یا مرجائے تو اس سے قربانی ساقط ہوگی۔ (مسائلِ قربانی صنٓ بحوالہ ص۳۸۷)۔

**مسئلہ**:۔ سود خور کے ساتھ قربانی میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے۔ (کفایتُ المفتی ص۱۸۸ ج ۸)۔

## شرکت کی اجازت دے کر پھر اِنکار کرنا

**سُوال**:۔ کسی شخص نے کہا کہ میرا قربانی کے جانور میں حصہ شامل کرلینا اور روپیہ کوئی نہیں دیا۔ اُس نے حصہ شامل کرلیا، اور جب قربانی ہوچکی تو اس لینے والے نے انکار کردیا کہ میں حصہ نہیں لیتا۔ جس شخص نے حصّہ شامل کیا تھا اس کے انکار کی وجہ سے گوشت کھالیا۔ اب وہ روپیہ کون دے گا، اور حصّہ کس کا ہوگا؟

**جواب**:۔ حامداً و مصلیاً۔ اگر اس نے قیمت وغیرہ کی اجازت دے دی تھی کہ میری طرف سے اتنی قیمت تک اختیار ہے، خواہ صاف لفظوں میں اجازت دی ہو، خواہ اس کے حالات یا طرزِ عمل سے دوسرے نے سمجھ لیا ہو کہ اس کی طرف سے یہاں تک قیمت کی اجازت ہے تو وہ حصّہ اس کہنے والے کا ہے پھر اس کو انکار کا اختیار نہیں، حصّہ کی قیمت اس کے ذمّہ واجب ہے (فتاویٰ محمودیہ ص۲۹۷ ج ۱۴)۔

## ذبح کرنے کا مقصد

**مسئلہ**:۔ جانور ذبح کرنے میں دُو

جہتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جانور کو ذبح کرنا یعنی اس کی جان قربان کرنا۔ دوسرے یہ کہ اس کے ذبح سے صرف گوشت حاصل کرنا مقصود ہو اور گوشت کا صدقہ کر کے ثواب حاصل کرنا یا گوشت کو اپنے خرچ میں لانا یا مہمان کو کھلانا یا دعوت میں خرچ کرنا مراد ہو۔ ایصالِ ثواب کے لیے بھی جانور کو ذبح کرنے میں یہی دونوں جہتیں متحقق ہو سکتی ہیں۔ دونوں کا حکم الگ الگ ہے، مفصل بیان کیا جاتا ہے۔

اول یہ کہ نفس ذبح یعنی جان قربان کرنے سے مقصود تقرب الی غیر اللہ ہو، یعنی کسی بزرگ ولی وغیرہ کی طرف سے تقرب حاصل کرنے اور اس کی تعظیم کرنے اور اس کی خوشی چاہنے کے لیے ذبح کیا جائے تو یہ حرام ہے اور ذبیحہ بھی ”وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ“ میں داخل ہو کر حرام ہو جاتا ہے، خواہ اپنے گھر ذبح کیا جائے یا قبرستان میں یا کسی اور جگہ۔

دوسری صورت یہ کہ ذبح سے مراد تقرب الی اللہ ہو۔ یعنی ذبح کرنے والا خالص خدا کی رضامندی اور تعظیم و عبادت کے خیال سے ذبح کرے، اور پھر اس فعل پر اس کو اجر و ثواب ملے وہ کسی دوسرے کو بخش دے۔ اس صورت میں کوئی نقصان اور الزام ذابح اور ذبیحہ میں نہیں ہے یعنی ذبح کرنے والے کا یہ فعل حلال اور ذبیحہ جائز ہے۔ مگر اس کے لیے مکان اور جگہ کی تخصیص نہیں اور نہ قبرستان میں لے جانے کی (جانور کو) ضرورت ہے۔

تیسری صورت یہ کہ ذبح سے تقرب مقصود نہ ہو بلکہ صرف گوشت حاصل کرنا مقصود ہے تو اس صورت میں ذبیحہ جبکہ بقاعدہ شرعیہ ذبح کیا جائے حلال ہے۔ رہا ثواب تو وہ گوشت کے صدقہ کرنے سے حاصل ہوگا۔ اور اس صورت میں بھی کسی جگہ کی تخصیص مثلاً قبرستان میں جا کر ذبح کرنا اور اس کو ضروری یا موجب ثواب یا باعثِ زیادتی ثواب سمجھنا ناجائز ہے۔ گوشت کا صدقہ کرنا یا پکا کر کھلانا ہر جگہ ہو سکتا ہے اور ثواب پہونچ سکتا ہے۔ قبرستان میں ذبح کرنے اور کھلانے یا تقسیم کرنے کی تخصیص شریعت سے ثابت نہیں

ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۵۴ ج ۸)

## صحت یابی کے لیے قربانی کرنا

(۱) سُوال :۔ مریض کی صحت کی نیت سے کوئی جانور ذبح کر کے صدقہ کرنا تاکہ اللہ جل شانہٗ مریض کو شفا عطا فرمائے، تو یہ جانور ذبح کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) جانور اس نیت سے ذبح کیا جائے کہ جان کے بدلہ جان ہو جائے، جانور کی جان چلی جائے اور انسان کی جان بچ جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جانور کی جان قبول فرما کر بندے کی جان نہ لیں۔ درست ہے یا نہیں؟

جواب (۱) زندہ جانور کا صدقہ کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ شفائے مریض کی غرض سے ذبح کرنا اگر محض لوجہ اللہ ہو تو مباح ہے لیکن اصل مقصد بالاراقۃ صدقہ ہونا چاہیئے نہ کہ فدیۂ جان بہ جان۔

(۲) یہ خیال تو بے اصل ہے۔ اباحت صرف اس خیال سے ہے کہ اللہ کے واسطے جان کی قربانی دی جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ جیسے صدقہ مالیہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرتا ہے۔ اسی طرح یہ قربانی جالبِ رحمت ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مریض کو شفا عطا فرما دے۔ (کفایت المفتی ص۲۵۵ ج ۸)۔

مسئلہ :۔ بعض لوگ صدقہ میں جان کا بدلہ جان ضروری سمجھتے ہیں اور بکرے وغیرہ کو تمام رات مریض کے پاس رکھ کر، اور بعض لوگ مریض کا ہاتھ لگوا کر خیرات کرتے ہیں، یا مریض کے پاس بکرے کو ذبح کرتے ہیں اور اس کے بعد خیرات کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مریض کا بکرے پر ہاتھ لگانے سے تمام بلائیں گویا اس کی طرف منتقل ہو گئیں، پھر خیرات کرنے سے وہ بھی چلی جاتی ہیں اور جان کے بدلہ جان دینے سے مریض کی جان بچ جائے گی۔ یاد رکھیئے کہ ایسا اعتقاد خلافِ شرع ہے۔

مسئلہ :۔ یہ ایک عام رسم ہے کہ بیماری میں اکثر بکرا ذبح کرتے ہیں حالانکہ جان کا بدلہ جان یعنی فدیہ ذبح کرنا بجز عقیقہ کے کہیں ثابت نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ جان کا بدلہ جان سمجھ کر ذبح نہیں کرتے بلکہ مقصد صدقہ کرنا ہے جس کو رَدِّ بلا یعنی

پریشانی کو دُور کرنے کے لیے حدیث شریف میں معین بتلایا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اگر یہی خیال ہے تو صرف بکرے کی قیمت صدقہ کر دینے کو یا اتنے گوشت کو بازار سے خرید کر صدقہ کر دینے کو دل کیوں گوارہ نہیں کرتا؟۔

اس سے معلوم ہوا کہ دل میں ضرور چور ہے اور ذبح ہی کو دفع بیماری میں زیادہ مؤثر سمجھا جاتا ہے اور یہی فاسد عقیدہ دل میں جما ہوا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہوجائے گا۔ بعضے وُبا ریا ویسی ہی بیماری میں باعتقاد بھینٹ بکرا ذبح کرتے ہیں، یہ شرک ہے، یا بعضے باعتقاد فدیہ بکرا ذبح کرتے ہیں، یہ محض کذب و باطل ہے (اغلاط العوام ص۲۳)۔

## قربانی کا جانور گم ہوگیا یا مر گیا؟

مسئلہ:۔ جس شخص پر قربانی واجب تھی، اگر اس نے قربانی کے لیے جانور خرید لیا پھر وہ جانور گم ہوگیا یا چوری ہوگیا یا مر گیا تو واجب ہے کہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے اور اگر دوسری قربانی کرنے کے بعد پہلا جانور مل گیا تو بہتر ہے کہ اس کی بھی قربانی کردے۔ اور اگر یہ شخص غریب ہے اس کے ذمہ پہلے سے قربانی واجب نہ تھی نفلی طور پر قربانی کے لیے جانور خرید لیا تھا تو اب اس جانور کی قربانی اس پر واجب ہوگئی، لیکن اگر اس کا یہ جانور مرجائے یا گم ہوجائے تو یہ واجب ساقط ہوگیا، اس کے ذمہ دوسری قربانی واجب نہیں۔ اور اگر گم ہوجانے کے بعد اس نے دوسرا جانور خرید لیا پھر پہلا بھی مل گیا تو اس پر واجب ہے کہ دونوں جانوروں کی قربانی کرے، کیونکہ غریب آدمی (جو صاحب نصاب نہ ہو) جب کوئی جانور قربانی کی نیت سے خریدتا ہے تو نذر کے حکم میں ہوجاتا ہے جس کا پورا کرنا واجب ہے۔ (تاریخ قربانی ص۲ و کفایت المفتی ص۲۰۳ ج۸)۔

## غریب پر قربانی کا بار

قربانی کا جانور کہیں گم ہوگیا، اس لیے دوسرا جانور خرید لیا، پھر وہ پہلا بھی مل گیا، اگر صاحب نصاب کو ایسا اتفاق پیش آئے تو ایک ہی جانور کی قربانی اس پر ہے، غریب پر دونوں

جانوروں کا بار اور امیر (صاحب نصاب) پر ایک جانور کا بار، اس بار کی وجہ خود اس غریب کا دوسرا جانور خرید کر لینا ہے۔ اگر یہ دوسرا جانور نہ خریدتا تو اس کے ذمہ کچھ بھی نہ تھا، پھر اگر پہلا بھی مل جاتا تو اس کے ذمہ وہی ایک رہتا، وہ بھی خریدنے ہی سے واجب ہوا تھا، سو جب اس نے دوسرا خرید لیا وہ بھی واجب ہوگیا اور امیر آدمی (صاحب نصاب) پر خود شرع سے قربانی واجب ہے، گو نہ خریدے تب بھی خریدنا واجب ہے، اور یہ واجب ایک ہی ہے۔ پس یہ (صاحب نصاب) خواہ کتنے ہی خرید لے وہ ایک ہی واجب رہے گا، اور اگر پہلا نہ ملتا تو دوسرا خریدنا واجب ہوتا۔ اور غریب آدمی (غیر صاحب نصاب) جتنے خریدتا جائے گا سب واجب ہوتے جائیں گے۔ (امداد الفتاویٰ ص۵۶۶ ج۳)۔

(جس پر قربانی واجب نہ ہو اور وہ نفلی طور پر قربانی کے لیے جانور خریدلے تو اب اس پر یہ قربانی واجب ہوگی۔ اب اگر یہ جانور مرجائے یا کھوجائے تو اس کے ذمہ سے یہ واجب ساقط (ختم) ہوگیا، اس کے ذمہ دوسری قربانی واجب نہیں ہے۔ اور اگر گم ہوجانے یا مرجانے کے بعد دوسرا جانور خرید لیا، پھر پہلا بھی مل گیا تو اس پر واجب ہے کہ دونوں جانوروں کی قربانی کرے، کیونکہ غریب آدمی (غیر صاحب نصاب) جب کوئی جانور قربانی کے لیے خریدتا ہے تو نذر کے حکم میں ہوجاتا ہے جس کا پورا کرنا واجب ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

## صاحب نصاب کے لیے حکم

اگر صاحب نصاب نے دنبہ (یا کوئی جانور جس کی قربانی جائز ہے)، اس نیت سے خریدا کہ میں اس کو قربانی کے دنوں میں واجب قربانی میں ذبح کروں گا تو یہ دُنبہ اس کے حق میں ایسا متعین نہیں ہوجاتا کہ اس کو ذبح کرنا واجب ہو اور دوسرا جانور ذبح کرنا کافی نہ ہو، ہاں اتنا تعین ہوجاتا ہے کہ بلا ضرورت اس کو بدلنا مکروہ ہے، اور اگر کسی ضرورت سے تبدیلی کی جائے۔ مثلاً دنبہ ایسا عیب دار ہوجائے

کہ اس کی قربانی جائز نہ ہو، یا ہلاک ہی ہو جائے تو یہ تبدیلی واجب ہے۔ یعنی صاحب نصاب پر واجب ہوتا ہے کہ اس دنبہ کی جگہ دوسرا صحیح جانور قربان کرے اور عیب دار کو جو چاہے کرے، یعنی رکھے یا فروخت کردے، یا ذبح کر کے کھالے یا گوشت فروخت کردے۔ اور اگر عیب دار تو نہ ہوا اور نہ ہی ہلاک ہوا بلکہ بیمار ہو گیا اور اس کے تلف ہو جانے کا خوف ہو گیا اور مالک غنی نے بھی نیت بدل لی کہ اس کی جگہ دوسرا جانور قربانی کروں گا تو یہ دنبہ جو ایام قربانی سے پہلے ذبح کر لیا گیا اس کی ملک ہے جو چاہے کرے، خود کھائے یا فروخت کرے۔

فتاویٰ ہندیہ کی عبارت سے اُن صورتوں کا حکم مراد ہے کہ یہ جانور قربانی کے لیے متعین رہے یعنی معیب (عیب دار) نہ ہو جائے، ہلاکت کے قریب نہ ہو جائے اور تبدیلی کی کوئی معقول وجہ پیدا نہ ہو یا اس کی جگہ دوسرا جانور متعین نہ کر دیا جائے (کفایت المفتی ص۱۹۷ ج ۸)۔

## غریب کی رعایت

اگر کوئی جانور کسی امیر (صاحب نصاب) نے قربانی کی نیت سے خریدا پھر وہ جانور عیب دار ہو گیا تو وہ امیر اس جانور کے بدلے اور جانور خرید کر قربانی کرے۔ اور اگر فقیر یعنی جس کے ذمہ قربانی فرض نہیں ہے وہ خریدے تو وہی عیب دار جانور قربانی کردے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۲۰۷ ج ۱)۔

## فریضۂ قربانی بھی اور غریب کی مدد بھی

مسئلہ:۔ (۱) ہندوستان میں مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت حنفی ہے۔ (۲) حنفیہ کے نزدیک ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے۔ (۳) واجب اور فرض کی ادائیگی عملاً یکساں طور پر لازم اور ضروری ہے۔ تارکِ واجب (واجب چھوڑنے والے) کو فاسق کہا جاتا ہے، جس طرح تارکِ فرض کو۔ واجب اور فرض کا اصطلاحی فرق وجوب عمل نہیں ہے بلکہ صرف علم و اعتقاد کے درجہ میں ہے۔ (۴) جس شخص پر مالکِ نصاب ہونے کی

بنار پر قربانی واجب ہے، وہ قربانی کر کے ہی اس واجب سے سُبکدوش ہو سکتا ہے، قربانی کی قیمت ادا کرنے سے سُبک دوشی نہیں ہو سکتی۔

حکمِ شرعی یہ ہے کہ جو حنفی وجوب قربانی کے معتقد ہیں ان کے لیے لازم ہے کہ شرائطِ وجوب کے ہوتے ہوئے وہ قربانی ہی کریں۔ اس کی قیمت بلکہ جانور زندہ بھی صدقہ نہیں کر سکتے۔ مصیبت زدگان کی امداد و اعانت اعلیٰ درجہ کا کارِ خیر ہے لیکن اس کارِ خیر کے ادا کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ کسی فرض یا واجب کو ترک کر دیا جائے۔ ہاں اہلِ حدیث یا اور حضرات جو قربانی کو فرض و واجب نہیں سمجھتے، بلکہ محض سنت یا مستحب خیال کرتے ہیں وہ اگر قربانی نہ کریں اور اس کی قیمت اعانت کے فنڈ میں دے دیں تو ان سے ہم احناف کو کوئی تعرض نہیں۔

## اعانت کا طریقہ

اگر ذیل کی تجویزوں پر عمل کیا جائے تو کروڑوں روپیہ اعانت کے فنڈ میں جمع ہونا مشکل نہیں۔ تجاویز یہ ہیں

(۱) ہر وہ شخص جس پر قربانی واجب ہے اور وہ قربانی ادا کرنے کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ جانور خریدنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کو لازم ہے کہ کم از کم قیمت کا جانور خریدے اور اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کی قیمت میں سے جو رقم بچے وہ اعانت کے فنڈ میں دے دے۔ مثلاً قربانی کرنے والے کا ارادہ تھا کہ پندرہ سَو ۱۵۰۰ روپے کا بکرا خریدے تو وہ یہ کرے کہ تین سَو، چار سَو روپے کا بکرا یا بھیڑ خرید کر قربانی کر دے اور گیارہ بارہ سو روپے مدد کے فنڈ میں دیدے۔ یہ واضح رہے کہ جو جانور قربانی کی نیت سے خریدے جا چکے ہیں وہ بدلے نہیں جا سکتے، خریدنے سے پہلے ہماری تجویز پر عمل کیا جا سکتا ہے، خریدنے کے بعد خریدا ہوا جانور ذبح کرنا لازم ہے۔

(۲) جو لوگ صاحبِ نصاب ہیں وہ ایک جانور کی جگہ جو دو تین جانوروں کی قربانی کرتے ہیں اُن کو چاہیے کہ ایک بڑ یا بکرے وغیرہ کی جگہ صرف ایک حصہ پر اکتفا کریں اور زائد جانوروں کی قیمت فنڈ میں دے دیں۔ یہ بھی جانور خریدنے سے پہلے کیا جا سکتا ہے۔

(۳) جو لوگ اپنے مرحوم والدین یا دیگر اقربار (رشتہ داروں) کی طرف سے نفلی قربانیاں کرتے ہیں وہ ان تمام قربانیوں کو ملتوی کر کے ان کی قیمت فنڈ میں دے دیں۔

(۴) جو لوگ باوجود صاحبِ نصاب نہ ہونے کے نفلی قربانیاں کرتے ہیں انھوں نے اگر جانور خریدے نہیں ہیں تو قربانی ملتوی کر کے اس کی قیمت فنڈ میں دے دیں۔

(۵) جو شخص قربانی کے وجوب سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے ادائے واجب کے لیے اقسام قربانی میں سے کم سے کم والی قسم کو اختیار کرے اور زائد رقم فنڈ میں دیدے۔

(۶) تمام مسلمان قربانی کی کھالوں کو (اعانت کے) فنڈ میں دیدیں (کفایت المفتی ص۲۱۶ ج۸)

خود قربانی کی قیمت دینے سے تو واجب قربانی ادا نہ ہوگی۔ اگر کسی نے ایسا کیا گنہگار ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ ص۵۵۵ ج۳)۔

دنفلی قربانیوں کی قیمت مسلمان اس مصیبت زدہ قوم کی اعانت میں دے سکتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی مذہبی عزت بچانے کی خاطر اپنی جانیں دے رہے ہیں، بلکہ بہتر اور افضل یہی ہے کہ نفلی قربانیوں کی رقم اگر کوئی اس قسم کا موقع ہو تو وہ روپیہ اعانت میں لگا دیں۔ بعض ناواقف حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جو روپیہ قربانی میں صرف ہوتا ہے وہ رقم غریب ونادار اور ضرورت مند اور فساد زدگان میں تقسیم کردی جائے۔ بے شک یہ جذبہ قوم کی ہمدردی کا قابلِ غور ہے، لیکن ہر کام کے لیے اسلام کے گلے پر چھری کیوں چلتی ہے؟ کچھ اپنی خواہشاتِ نفس پر بھی تو قابو رکھیے اور غیر شرعی جتنے بھی اخراجات ہیں، ان کو اگر بالکل بند نہ کرسکیں تو کم از کم

ایک آدھ ہفتہ ہی میں جو رقم بچے اس کو اس کارِ خیر میں لگائیے۔ مثلاً سنیما، وی، سی، آر۔ ٹی وی دیکھنا، اور ضروری کھانے، پینے اور پہننے کے علاوہ جتنے بھی روزمرہ کے غیر ضروری اخراجات و فضول خرچی وغیرہ میں کٹوتی کر کے ہو سکتے ہیں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

## قربانی کے چند مسائل

مسئلہ:۔ اگر زندہ آدمی صاحبِ نصاب ہے تو اس کے ذمہ قربانی واجب ہے اور مُردوں کی طرف سے قربانی کرنا مسنون ہے، کرنے والے کو بھی ثواب ہوتا ہے (عزیز الفتاویٰ صنٓ۲ ج ۲)۔

مسئلہ:۔ جس پر صدقۂ فطر واجب ہے اس پر عید کے دنوں میں قربانی کرنا واجب ہے۔ اور اگر اتنا مال نہ ہو جتنے کے ہونے سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے، لیکن پھر بھی اگر قربانی کر دے تو بہت ثواب پائے گا۔ (در مختار صـ۲۳۱ ج ۲)۔

مسئلہ:۔ مسافر پر قربانی واجب نہیں۔ (ہدایہ صـ۴۲۹ ج )۔

مسئلہ:۔ دسویں، گیارہویں، بارہویں تاریخ سفر میں گذری، لیکن بارہویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے سفر ختم ہو گیا، یعنی گھر پہونچ گئے یا پندرہ دن کہیں ٹھہرنے کی نیت کر لی تو اب قربانی کرنا واجب ہو گیا اسی طرح اگر پہلے اتنا مال نہ تھا، اس لیے قربانی واجب نہ تھی پھر بارہویں تاریخ ذی الحجہ کو سورج غروب ہونے سے پہلے کہیں سے مال دستیاب ہو گیا تو قربانی کرنا واجب ہو گئی ہے۔ (عالمگیری صـ۲۹۲ ج ۵)۔

مسئلہ:۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مال دار امیر بنایا ہو تو مناسب ہے کہ جہاں اپنی طرف سے قربانی کرے، وہیں جو رشتہ دار وفات پا چکے ہیں، مثلاً والدین وغیرہ، اُن کی طرف سے بھی قربانی کر دے، ان کو ثواب پہونچ جائیگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، آپؐ کی ازواجِ مطہرات کی طرف سے

اپنے پیر وغیرہ کی طرف سے کردے، ورنہ کم سے کم اپنی طرف سے تو ضرور کرے کیونکہ مالدار پر تو واجب ہے جس کے پاس مال و دولت سب کچھ موجود ہے اور قربانی کرنا اس پر واجب ہے پھر بھی اس نے قربانی نہ کی تو اس سے بڑھ کر بدنصیب و محروم اور کون ہوگا، اور گناہ اس کا الگ رہا۔ (بہشتی زیور ص۳۷ ج۳)

مسئلہ:- قربانی فقط اپنی طرف سے (جب کہ صاحب نصاب ہو) کرنا واجب ہے، اور اولاد کی طرف سے واجب نہیں بلکہ نابالغ اولاد اگر مالدار بھی ہو تب بھی اس کی طرف سے قربانی کرنا واجب نہیں، نہ اپنے مال میں سے نہ اس کے مال میں سے۔ اگر کسی نے اس کی طرف سے قربانی کردی تو نفل ہوگئی لیکن اپنے ہی مال میں سے کرے اُس کے مال میں سے ہرگز نہ کرے (ہدایہ ص۲۲۸ ج۴)

## جانور خرید کر قربانی نہ کرسکا

مسئلہ:- کسی پر قربانی واجب تھی، لیکن قربانی کے تینوں دن گذر گئے، اور اُس نے قربانی نہیں کی تو ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کردے۔ اور اگر بکری خریدلی تھی تو وہی بکری بعینہٖ خیرات کردے۔ (شامی ص۲۸۶ ج۵)۔

مسئلہ:- قربانی کا جانور خریدلیا اور کسی وجہ سے قربانی نہ کرسکا تو زندہ جانور صدقہ کردیا جائے۔ اور مسئلہ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اگر (بقرعید کے بعد) ذبح کرڈالا تو غرباء پر اس کا گوشت تقسیم کردیا جائے، مالداروں کو نہ دیا جائے اور اگر جانور ضائع ہوگیا اور قربانی نہ کرسکا اور خریدنے والا اگر امیر (صاحب نصاب) ہے تو اس کے ذمہ اس کی قیمت کا صدقہ کردینا واجب ہے (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۴ ج۶)۔

## قربانی کی قضاء

اگر قربانی کے دن گذر گئے اور ناواقفیت یا غفلت یا کسی عذر سے (حالات خراب، لڑائی جھگڑے، امن و امان نہ ہو یا کرفیو وغیرہ نافذ ہے) نہیں کرسکا تو قربانی کی قیمت فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے، لیکن قربانی کے تین دنوں میں جانور کی قیمت صدقہ

کر دینے سے یہ واجب ادا نہ ہوگا ہمیشہ گنہگار رہے گا کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے جیسے نماز پڑھنے سے روزہ اور روزہ رکھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی زکوٰۃ ادا کرنے سے حج ادا نہیں ہوتا، ایسے ہی صدقہ خیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور تعامل اور پھر تعامل صحابہ رضؓ اس پر شاہد ہیں۔ (جواہر الفقہ ص ۴۴۲ ج ۱)

**مسئلہ:** اگر کسی شخص نے قربانیاں اکثر سال نہ کی ہوں، اب وہ شخص ہر ایک سال کی قربانی کے عوض قیمت قربانی کی صدقہ کرے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۷۲۴ ج ۱)۔

**مسئلہ:** اگر قربانی کے لیے جانور خرید لیا تھا اور ایام قربانی گذر گئے) تو اس کو زندہ ہی صدقہ کر دیا جائے، اگر نہیں خریدا تھا تو قیمت صدقہ کر دی جائے (شامی ص ۲۰۹ ج ۵)

## مالدار قربانی سے پیشتر غریب ہوگیا

**سوال:** ایک شخص صاحب نصاب تھا، اس نے ایک بکرا قربانی کی نیت سے خریدا لیکن قربانی کے دن آنے سے پیشتر وہ غریب ہوگیا، اب وہ شخص اس بکرے کو بیچ کر اس کی قیمت اپنے خرچ میں لا سکتا ہے یا نہیں؟

**جواب:** حامداً ومصلیاً۔ اگر قربانی کے اخیر دن تک وہ صاحب نصاب نہ ہو تو اس کے ذمہ قربانی واجب نہیں، اس بکرے کو فروخت کر کے اس کی قیمت اپنے کام میں خرچ کر سکتا ہے۔ اور اگر قربانی کے اخیر دن بھی وہ صاحب نصاب ہوجائے گا۔ تو اس پر قربانی واجب ہوگی، خواہ اسی بکرے کی کرے یا کسی اور کی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۲۳ ج ۲)

## گذشتہ سال کی قربانی کا حکم

**سوال:** گزشتہ سال کی قربانی باقی ہے، بڑے جانور میں دو حصہ کیے، گزشتہ اور سال رواں کے، تو کیا حکم ہے؟ شریکوں کی قربانی میں کچھ حرج تو نہیں ہے؟

**جواب:** شریکوں کی قربانی ادا ہو جائے گی، اور تمہاری امسال کی قربانی بھی ادا ہو جائے گی مگر گذشتہ برس کی قضاء (قربانی) ادا نہ ہوگی، نفل ہوجائے گی۔ (گذشتہ قربانی) اس کے عوض ایک بکرے کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۸۶ ج ۲)

## قربانی کے جانوروں کی عمریں

قربانی کے لیے جانوروں کی عمریں متعین ہیں۔ بکرا ایک سال کا ہو، اور گائے (بیل، بھینس، کٹڑا) دو سال کی، چونکہ اکثری حالات میں جانوروں کی صحیح عمر نہیں معلوم ہوتی، اس لیے ان کے دانتوں کو عمر معلوم کرنے کا اور اس پر عمل کرنے کا احتیاطاً حکم دیا گیا ہے۔ دانتوں کی علامت ایسی ہے کہ اس میں کم عمر کا جانور نہیں آسکتا ہے، ہاں زیادہ عمر کا جانور آجائے تو ممکن ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پس اگر کسی شخص کے گھر بکرا یکم ذی الحجہ کو پیدا ہوا اور اسی کے گھر میں پرورش پاتا رہا تو آئندہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو وہ ایک سال نو دن کا ہوگا۔ اب اگر اس کے پکے دانت نہ نکلے ہوں تب بھی وہ اس کی قربانی کر سکتا ہے کیونکہ اس کی عمر یقیناً ایک سال کی پوری ہو کر آٹھ نو دن زائد کی ہو چکی ہے۔ لیکن وہ یہ حکم نہیں دے سکتا کہ بے دانت کا ہر بکرا قربانی کیا جا سکتا ہے خواہ اس کی عمر کا ایک سال ہونے کا یقین ہو یا نہ ہو۔

بس میرے خیال میں یہ بات صحیح ہے "دوسنۃ" کے معنی دانت والے اور سال بھر والے دونوں ہو سکتے ہیں، لیکن سال بھر کا ہونا کسی بکرے کا، جس کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو یا مشتبہ ہو، بغیر دو دانتوں کے معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے عام حکم یہی دینا مناسب تھا اور وہی دیا گیا ہے۔ (کفایت المفتی صـ۲۱۸ ج ۸)۔

**مسئلہ**:۔ قربانی کے لیے اونٹ پانچ سال کا اور بھینس، بھینسا (کٹڑا) پورے دو سال کا ہونا ضروری ہے۔ بکرا، بکری ایک سال کا ہونا ضروری ہے اگر اس کی عمر میں کچھ بھی کمی ہو گئی تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر بھیڑ اور دنبہ چھ مہینے سے زیادہ اور ایک سال سے کم ہو مگر اتنا موٹا، تازہ، فربہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو، اور سال بھر والے بھیڑ دنبوں میں اگر چھوڑ دیا جائے تو سال بھر سے کم کا نہ معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے، اور

اگر چھ مہینے سے بھی کم کا ہو تو اس کی قربانی قطعاً جائز نہیں، خواہ وہ کتنا ہی موٹا تازہ ہو، اور یہ حکم ایک سال سے کم عمر کا صرف بھیڑ اور دُنبہ کے بارے میں ہے (شامی ص۲۱۱ ج ۵) - و بہشتی زیور ص۳۹ ج ۳) -

مسئلہ :- بکرا اگر پورا سال ہونے میں ایک آدھ روز کم ہو تو اس کی قربانی نہ ہوگی - (امداد الفتاوی ص۵۶ ج ۳)

مسئلہ :- جب کسی جانور کی عمر پوری ہونے کا یقین غالب ہو جائے تو اس کی قربانی کرنا درست ہے ورنہ نہیں - اور اگر کوئی جانور دیکھنے میں پوری عمر کا معلوم ہوتا ہے مگر یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ اس کی عمر ابھی پوری نہیں ہے تو اس کی قربانی درست نہیں ہے - (شامی ص۵۱۱ ج ۵)

مسئلہ :- کوئی جانور دیکھنے میں کم عمر کا معلوم ہوتا ہو مگر یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ اس کی عمر پوری ہے تو اس کی قربانی درست ہے - (عالمگیری ص۸ ج ۴)

## بڑے جانوروں میں کتنے حصے ہیں؟

گائے، بیل، بھینس، جھوٹا، کٹرا اونٹ، اونٹنی میں اگر سات افراد شریک ہو کر قربانی کریں جب بھی درست ہے (یعنی مذکورہ اقسام میں سات حصے ہو سکتے ہیں) لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں سے کم نہ ہو، اور سب کی نیت قربانی کرنے کی یا عقیقہ کرنے کی ہو، صرف گوشت کھانے کی نیت نہ ہو، اور اگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہوگا تو قربانی درست نہ ہوگی - (عالمگیری ص۲۹۷ ج ۵) -

مسئلہ :- مذکورہ جانوروں میں سات حصے ہوں گے اس سے زیادہ نہیں، اور اگر چھ یا پانچ یا اس سے بھی کم شریک ہوں تو جب بھی درست ہے یہاں تک کہ اگر صرف تنہا ہی ایک آدمی پورے بڑے جانور کی قربانی (صرف اپنی طرف سے) کرے تو بھی جائز ہے - (عالمگیری ص۸۳ ج ۵) -

اور اگر آٹھ افراد (یا اس سے زیادہ) شریک ہو گئے تو کسی کی بھی قربانی

درست نہ ہوگی۔ (عالمگیری ص۲۹۷ ج۵)۔

**مسئلہ:۔** اونٹ میں بھی حنفیہ رح کے نزدیک سات ہی افراد شریک ہوکر قربانی کرسکتے ہیں۔ نیز سات افراد کی شرکت میں قربانی ہونا متفق علیہ ہے اور دس کی شرکت مختلف فیہ ہے تو متفق علیہ قول پر عمل کرنا زیادہ احتیاط پر مبنی ہے۔ (کفایت المفتی ص۱۸۵ ج۸)۔

**مسئلہ:۔** قربانی کے جانور کو چند روز پہلے سے پالنا افضل ہے، نیز قربانی کے جانور کا دودھ نکالنا یا اس کے بال کاٹنا جائز نہیں۔ اگر کسی نے ایسا کرلیا تو دودھ اور بال یا ان کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ (جواہر الفقہ ص۴۵۱ ج۱)

(گائے کی قربانی جائز ہے اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے لیکن ہندوستان میں بعض علاقہ میں حکومتِ وقت کی طرف سے اس کی قربانی ممنوع قرار دے دی گئی ہے، اس لیے ایسی جگہ پر فتنہ سے بچنے کے لیے اس کا خیال رکھا جائے اور احتراز کیا جائے "وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ"۔ لیکن اگر کسی نے اس کے باوجود قربانی کرلی تو فریضہ ادا ہوجائے گا۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

## شرعاً جن کی قربانی جائز ہے

**مسئلہ:۔** قربانی کے جانور اونٹ، گائے، دنبہ، بھیڑ، بکرا مذکر و مؤنث دونوں جائز ہیں، بھینس گائے کے حکم میں ہے، گھوڑے اور مرغ کی قربانی نہیں ہوسکتی، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً یا فعلاً گھوڑے کی قربانی کا ثبوت نہیں ہے۔ ہرن اور نیل گائے کی قربانی بھی درست نہیں۔ قربانی کے جانوروں کی تعیین شرعی سماعی ہے، قیاس کو اس میں دخل نہیں ہے اور شریعت مقدسہ سے صرف تین نوع کے جانور ثابت ہوئے ہیں۔ قسمِ اوّل اونٹ نر و مادہ، قسمِ دوّم بکرا، بکری، مینڈھا، بھیڑ، دُنبہ نر و مادہ۔ قسمِ سوّم۔ گائے، بھینس نر و مادہ۔ پس ان کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی جائز نہیں، اور ان کے لیے شرط یہ

ہے کہ یہ وحشی نہ ہوں بلکہ اہلی (پالتو) اور آدمیوں سے مانوس ہوں۔ (کفایت المفتی صہ ۱۸۹ ج ۸)

مسئلہ:۔ کسی شخص کا یہ فعل حرام ہے کہ وہ اپنی گائے دوسرے کے کھیت میں بلا اجازت چھوڑتا ہے لیکن اس سے وہ گائے (جانور) حرام نہیں ہوتی، اس کی قربانی درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ صہ ۲۱۶ ج ۸)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی جانور کی کھال جل جانے کی وجہ سے اس پر بال نہ جمتے ہوں اور زخم وغیرہ نہ ہوا ور تمام اعضاء صحیح و سالم ہوں تو ایسے مویشی کی قربانی جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ صہ ۵۹۷ ج ۳)۔

مسئلہ:۔ جس جانور کے بال کاٹ لیے گئے ہوں، اُس کی قربانی درست ہے (عالمگیری صہ ۸۰ ج ۴)۔

مسئلہ:۔ اگر قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کے لیے گرایا اور گرانے کی وجہ سے کوئی عیب پیدا ہو گیا تو اس عیب کا کچھ اعتبار نہیں ہے، اس کی قربانی درست ہے۔ (عالمگیری صہ ۸۱ ج ۴)۔

مسئلہ:۔ اگر قربانی کے لیے جانور کو لٹایا اور چھری پھیرنے سے پہلے اس کی آنکھ خود بخود نکل آئی تو اس کی قربانی درست ہے، اور قربانی کرتے وقت جو بھی نقص جانور میں آجائے گا، اس کا اعتبار نہیں، قربانی درست ہے۔ (عنایہ علیٰ فتح القدیر صہ ۳۹۳ ج ۳)۔

مسئلہ:۔ جو جانور ناپاکی غلاظت کھاتا ہے اس کے باندھنے سے پہلے اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ جب اس کو چند روز باندھ دیا گیا جس سے وہ ناپاکی نہ کھا سکے تو اب اس کی قربانی جائز ہے۔ اگر اونٹ ہے تو اس کو چالیس روز، گائے، بھینس، بیل وغیرہ کو بیس روز، اور بکرا، بکری کو دس دن بند رکھا جائے (شامی صہ ۲۰۷ ج ۵)

(یعنی کھلے نہ پھریں باندھ کر چارہ وغیرہ کھلایا جائے تاکہ گندگی میں منھ نہ ڈال دیں۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہ)۔

مسئلہ:۔ بانجھ اور سینگ ٹوٹے جانور کی قربانی درست ہے۔ بشرطیکہ سینگ اس کا جڑ سے نہ ٹوٹا ہو۔ اور مذبح تک اپنے پیروں سے چلا جائے۔ (عزیز الفتاویٰ صـ۷۰۲ ج ۱)۔

مسئلہ:۔ جس جانور کی ران وغیرہ پر لوہے سے داغ دیا ہو، اور زمین جوتنے اور مارنے سے جو جانور کے بدن پر زخم یا نشان ہو جاتا ہے، ان دونوں کی قربانی درست ہے مگر بہتر یہ ہے کہ قربانی میں کوئی عیب ظاہری نہ ہو۔ (عزیز الفتاویٰ صـ۷۲۶ ج ۱)

مسئلہ:۔ جس بکری کے بچہ کی پرورش سُور کے دودھ سے ہوئی وہ بچہ حلال ہے لیکن کئی روز تک اس کو دوسرا چارہ دینا چاہیئے، اس طرح قربانی بھی درست ہے۔ (امداد الفتاویٰ صـ۵۴۳ ج ۳)۔

(جو دودھ اس بکری کے بچہ نے پیا تھا، اتنی مدت تک پاک چارہ کھانے سے اس ناپاک دودھ کا اثر ختم ہو گیا۔ اس لیے قربانی درست ہے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔ اور جو بکرا ہرن اور بکری سے پیدا ہوا ہے، اس کی (بھی) قربانی درست ہے، یہ بچہ ماں کے حکم میں ہے اور ماں بکری ہے (فتاویٰ محمودیہ صـ۳۱۱ ج ۲)

مسئلہ:۔ قربانی کے جانور سے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے۔ اور صحیح قول کے مطابق مالدار اور غریب اس حکم میں مساوی ہیں۔ مالدار اور غریب (قربانی کے جانور کا) دودھ دوہنے اور اون کاٹنے کے حکم میں برابر ہیں۔ اگر ذبح کرنے سے پہلے قربانی کے جانور کا دودھ دوہا یا اس کا اُون کاٹا تو اس کو صدقہ کردے اور اس سے فائدہ حاصل نہ کرے۔ (فتاویٰ عالمگیری صـ۲۰۶ ج ۶)

مسئلہ:۔ رسَولی والے جانور کی قربانی درست ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ صـ۳۸۲ ج ۲)

## بانجھ جانور کی قربانی کا حکم

بانجھ جانور کی قربانی جائز ہے، منع نہیں ہے ممانعت کا حکم نظر سے نہیں گذرا۔ بانجھ ہونا قربانی کے لیے عیب نہیں ہے۔ جس طرح جانور کا خصی ہونا اور جفتی سے عاجز

ہونا، قربانی کے لیے عیب نہیں ہے، بانجھ جانور (جس کے بچے نہ ہوتے ہوں) اکثر لحیم وشحیم (خوب موٹا تازہ) ہوتا ہے، گوشت بھی عمدہ ہوتا ہے، بڑی عمر کی وجہ سے بچہ نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۹۱ ج۲)۔

## نَسر عاجن کی قربانی درست نہیں ہے

مسئلہ:- جس جانور کی ناک کٹی ہو، اس کی قربانی درست نہیں ہے۔ (عالمگیری ص۸ ج۴)۔

مسئلہ:- جس جانور کی زبان کٹی ہوئی ہو جس کی وجہ سے وہ چارہ (گھانس وغیرہ) نہ کھا سکے تو اس کی قربانی درست نہیں۔ (عالمگیری ص۸ ج۴)۔

مسئلہ:- اگر بھیڑ، بکری اور دنبی کے ایک تھن سے دودھ نہ اترتا ہو تو اس کی بھی قربانی درست نہیں ہے۔ (شامی ص۲۱۳ ج۵)۔

مسئلہ:- اگر بھینس، گائے، اونٹنی وغیرہ کے دو تھنوں سے دودھ نہ اترتا ہو تو اس کی بھی قربانی درست نہیں ہے۔ (عالمگیری ص۸ ج۴)۔

اسی طرح جس جانور کا تھن کٹا ہوا ہو یا اس طرح زخمی ہو کہ بچہ کو دودھ نہ پلا سکے تو اس کی بھی قربانی درست نہیں ہے۔ اور جس جانور کا مرض ظاہر ہو اس کی بھی قربانی درست نہیں ہے۔

مسئلہ:- اونٹنی، گائے، بھینس کے اندر ایک تھن خشک ہو جانے پر تو قربانی جائز ہوتی ہے، لیکن دو تھن خشک ہو جائیں یا کٹ جائیں تو قربانی جائز نہیں۔ (کفایت المفتی ص۱۸۷ ج۸)۔

مسئلہ:- خنثیٰ بکرے کی قربانی درست نہیں۔ (عزیز الفتاویٰ ص۱۴۷ ج۱)

مسئلہ:- یہ راس جس کے متعلق لکھا ہے کہ (پیدائشی طور پر نہ بکرا ہے نہ بکری، شکل وصورت میں بکرے جیسی ہے) نہ بکرا ہے نہ بکری، اگر خنثیٰ ہے یعنی بکری جیسی علامتیں بھی اس میں موجود ہیں اور بکرے جیسی بھی، تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے اور اس سے (جو لکھا ہے) مراد خصی بکرے کی ہے تو بلا شبہ جائز ہے۔ (امداد المفتین ص۹۶۳ ج۲)

مسئلہ:۔ عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں، لیکن اگر ذبح کے وقت تڑپنے، کودنے سے عیب دار ہوگیا تو کچھ مضائقہ نہیں۔

مسئلہ:۔ اصولِ کلی۔ اگر کسی نے قربانی کے لیے بے عیب جانور خریدا تھا مگر بعد میں کوئی ایسا عیب ونقص پیدا ہوگیا جس کی وجہ سے قربانی درست نہ ہو تو اگر قربانی منّت (نذر) کی ہو تو اس کی جگہ بے عیب جانور کی قربانی ضروری ہے خواہ وہ شخص امیر ہو یا غریب، اور اگر قربانی نذر کی نہ ہو تو غریب کے لیے اس عیب دار جانور کی قربانی کر دینا کافی ہے اور امیر پر اس کی جگہ دوسرے بے عیب جانور کی قربانی کرنا ضروری ہے۔ (عالمگیری صفحہ ۱۸ ج ۴)۔

مسئلہ:۔ جس جانور کے پیٹ میں بچہ ہو اس کی قربانی صحیح ہے لیکن شامی میں کفایہ سے منقول ہے کہ ولادت کے قریب جانور کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔ بچہ جو پیٹ میں سے نکلے، اگر وہ زندہ نکلے، اس کو ذبح کرلیا جائے اس کا کھانا حلال ہوگا۔ اور اگر وہ مُردہ نکلے تو اس کا کھانا امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک درست نہیں ہے۔ (عزیز الفتاویٰ صفحہ ۱۸۲ ج ۲)۔

مسئلہ:۔ جو جانور اندھا ہو یا کانا (ایک آنکھ والا) ہو۔ یا اس کی ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو یا ایک کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹ گیا یا تہائی دُم یا تہائی سے زیادہ کٹ گئی ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔ (شامی صفحہ ۳۱۶ ج ۵)۔

مسئلہ:۔ جو جانور اتنا لنگڑا ہے کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہے، چوتھا پاؤں رکھا ہی نہیں جاتا یا چوتھا پاؤں رکھتا تو ہے لیکن اس سے چل نہیں سکتا ہے تو اس کی بھی قربانی درست نہیں ہے اور اگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر ٹیک کے چلتا ہے اور چلنے میں اس سے سہارا لگتا ہے لیکن لنگڑا کے چلتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔ (شامی صفحہ ۳۱۶ ج ۵)۔

مسئلہ:۔ اتنا دبلا لاغر بالکل مریل جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو،

یا جو ذبح کرنے کی جگہ خود نہ جا سکتا ہو، اس کی قربانی درست نہیں۔ اور اگر اتنا دُبلا نہ ہو تو دبلے ہونے سے کچھ حرج نہیں (یعنی مرض کی وجہ سے نہیں بلکہ قدرتی ساخت ایسی ہے تو) اس کی قربانی درست ہے، لیکن موٹے اور فربہ جانور کی قربانی کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (شامی صـ۲۸۲ ج ۵)۔

مسئلہ:۔ جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں، اس کی قربانی درست نہیں اگر کچھ گر گئے لیکن جتنے گرے ہیں اُن سے زیادہ باقی ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔ (در مختار صـ۲۳۶ ج ۲)۔

مسئلہ:۔ جس جانور کے پیدائش ہی سے کان نہیں ہیں، اُس کی بھی قربانی درست نہیں ہے یا کان تو ہیں مگر کسی کان کا تہائی حصہ یا زیادہ کٹ گیا ہو تو اس کا بھی یہ ہی حکم ہے۔ اور اگر پیدائش سے کان تو ہیں لیکن بالکل ذرا ذرا سے چھوٹے چھوٹے ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔ (در مختار صـ۳۲۲ ج ۲)۔

مسئلہ:۔ جس جانور کے پیدائش سے سینگ نہیں یا سینگ تو تھے مگر ٹوٹ گئے، اس کی قربانی درست ہے، البتہ اگر سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں تو قربانی درست نہیں ہے۔ (عالمگیری صـ۲۹۷ ج ۵)۔

مسئلہ:۔ جس جانور کے سینگ نہ ہوں یا ٹوٹ گئے ہوں یا اوپر کا خول اتر گیا ہو، اس کی قربانی درست ہے، البتہ سینگ جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں یا اکھڑ گئے ہوں اور چوٹ کا اثر دماغ تک پہونچ گیا ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ صـ۱۶۱ ج ۶)۔

مسئلہ:۔ بھینگی آنکھ والے اور باؤلے اور خارش والے جانور کی قربانی درست ہے لیکن اگر باؤلے پن کی وجہ سے کھا پی نہ سکتا ہو، یا خارش کی وجہ سے بالکل لاغر ہو گیا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔ (در مختار صـ۲۱۲ ج ۵)۔

مسئلہ:۔ ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے جس کا کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو۔ ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں جس کے کان پیدائشی نہ ہوں،

اسی طرح ایسے جانور کی قربانی درست نہیں جس کی دُم اور ناک تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹی ہوئی ہو۔ جو جانور اندھا یا کانا ہو، یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو، اس کی بھی قربانی درست نہیں۔ جس جانور کے تھن خشک ہو گئے ہوں اُس کی قربانی درست نہیں۔ اور ایسے جانور کی بھی قربانی درست نہیں جس میں مغز نہ رہا ہو، اور نہ ایسے لنگڑے کی جو قربانی کی جگہ تک نہ جا سکے، اور نہ ایسے بیمار کی جو گھانس نہ کھا سکے، نہ ایسے جانور کی جس کے خارش ہو۔ نہ بغیر دانت والے جانور کی جو گھانس نہ کھا سکتا ہو اور نہ نجاست خور جانور کی۔ ہاں ایسے جانور کی قربانی درست ہے جس کا کان لمبائی میں یا اس کے منھ کی طرف سے پھٹ جائے اور لٹکا ہوا ہو یا پیچھے کی طرف پھٹا ہو، (مظاہر حق جدید ص۳۰۲ ج۲)

مسئلہ:- جس جانور کے کان پیدائشی چھوٹے ہوں، اُس کی قربانی جائز ہے، ہاں جس جانور کے پیدائشی دونوں کان نہ ہوں، یا ایک ہی کان ہو، یا ایک کان یا دونوں کان مکمل کٹ گئے ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۷ ج۶)۔

مسئلہ:- ثلث حصہ کی مقدار، یا اس سے زیادہ دُم بریدہ (دُم کٹی) بھیڑ وغیرہ کی قربانی درست نہیں۔ ایک قول کے مطابق دُم نصف سے کم کٹی ہو یعنی آدھے سے زیادہ باقی رہی ہو، اس کی قربانی درست ہے۔ لہٰذا جہاں کامل دُم والے یا ثلث حصہ سے کم دُم بریدہ جانور نہ ملیں۔ وہاں اس قول کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۸۳ ج۳)۔

(نوٹ۔ افریقہ کے سائل نے یہ مسئلہ معلوم کیا تھا کہ ہمارے یہاں بھیڑ کی دُم کاٹ دی جاتی ہے کیونکہ اس سے جانور بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔ ثابت دم والے جانور نہیں ملتے ہیں۔ وہاں پر تو مجبوری ہے کہ تلاش کے باوجود نہ ملیں تو جائز ہے۔ احقر محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

## قربانی کس قیمت کی ہو؟

**مسئلہ**:خصّی جانور جبکہ گوشت کے لحاظ سے بہتر ہو تو وہ افضل ہے یعنی اگر فقراء اور نادار (ضرورت مند گوشت کے) زیادہ ہوں تو زیادہ گوشت والا جانور افضل ہے۔ اور اگر حاجتمند کم ہوں تو پھر جس جانور کی قیمت زیادہ اور گوشت عمدہ ہو وہ افضل ہے۔ (کفایت المفتی ص۱۹۳ ج ۸)۔

**مسئلہ**:۔ ایسے جانور کی قربانی کرنا جو بہت زیادہ فربہ اور موٹا تازہ ہو مستحب ہے۔ چنانچہ ایک فربہ بکرے کی قربانی دو کمزور دُبلے بکروں کی قربانی سے افضل ہے۔ ایسے ہی زیادہ گوشت والی بکری کی قربانی کم گوشت والی بکری کی قربانی سے افضل ہے، بشرطیکہ گوشت خراب نہ ہو، یعنی زیادہ گوشت والی بکری کا گوشت خراب ہو تو پھر اس کی قربانی افضل نہیں ہے۔ (مظاہر حق جدید ص۳۰۵ ج ۲)۔

**مسئلہ**:۔ اگر گائے (بڑے جانور) کے ساتویں حصہ کی قیمت اور بکری کی قیمت برابر اور گوشت بھی برابر ہے تو بکری خریدنا افضل ہے۔

**مسئلہ**:۔ بھیڑ سے بکری افضل ہے۔ بکریوں اور اونٹوں میں مادہ کی قربانی نر سے بہتر و افضل ہے علیٰ ہذا القیاس، بیل سے گائے بہتر ہے۔

**مسئلہ**:۔ جس قربانی کی قیمت زیادہ ہو وہ بہتر ہے اور اگر دو جانوروں کی قیمت برابر ہو، لیکن ایک کا گوشت زیادہ ہے تو وہی بہتر و افضل ہے۔ نیز اگر دو لاغر (کمزور) بکریاں بھی اتنی ہی قیمت میں آتی ہیں اور ایک موٹی تازی بھی، تو ایک فربہ خریدنا افضل و بہتر ہے۔ (فتاویٰ محمدیہ ص۷۷ ج ۱)۔

## قربانی کا جانور خرید کر نفع سے بیچنا

**سوال**:۔ زید نے قربانی کے لیے بکرا خریدا، جتنے کا خریدا تھا اس سے زیادہ قیمت پر فروخت کر کے پھر اور خرید لیا، کیا قربانی کے جانور کو فروخت کیا جا سکتا ہے؟

جواب :- قربانی کے جانور کو فروخت نہ کرنا چاہیے تھا۔ اگر فروخت کرکے دوسرا کم قیمت کا خریدے تو جو نفع حاصل ہوا ہے اُسے بھی خیرات کردینا چاہیے۔ (کفایت المفتی ص ۱۹۷ ج ۸)۔

## چوری کے جانور کی قربانی

سُوال :- قربانی کے لیے جو جانور خریدا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ چوری کا تھا، اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب :- اگر چوری کرنے والے سے وہ جانور خریدا ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے۔ (کفایت المفتی ص ۱۹۷ ج ۸)۔

مسئلہ :- اگر ذبح ہونے کے بعد اصل مالک اجازت دے دے، کھانا جائز ہے۔ (امداد الفتاوےٰ ص ۵۵ ج ۳)۔

## کانجی ہاؤس سے لیے ہوئے جانور کی قربانی

کانجی ہاؤس سے خریدے گئے جانور کی قربانی درست ہے۔ البتہ عرفاً بدنامی کا موجب ہے۔ اس لیے بلاضرورت بدنام بالخصوص مقتداً کے لیے زیبا نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۵۴۱ ج ۳)۔

## خصّی جانور کی قربانی

خصّی بکرے، مینڈھے، بیل کی قربانی جائز ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں ہے، دونوں قسم کے خصیتین کو کاٹ کر یا دباکر خصیتین نکال دیے جاتے ہیں، خصّی کی قربانی جائز ہے عضو کا کم ہوجانا اور محل کو بےکار کردینا یکساں ہے۔ مگر یہ عیب گوشت کی عمدگی کے لیے قصداً کیا جاتا ہے، اس لیے اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص ۱۹۳ ج ۸)

اور حدیث شریف میں موجود ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصّی جانور کی قربانی فرمائی ہے، اس لیے یہ عیب قربانی کے جواز کے لیے مانع نہیں ہے (کفایت المفتی ص ۱۹۴ ج ۵)۔

جانور کو فربہ (موٹا تازہ) بنانے یا کسی منفعت کی نیت سے خصّی کرنا جائز ہے اور جس عبارت سے خصّی کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ بلا وجہ شرعی اور بطور (تفریح) لہو و لعب کرنے پر محمول ہے۔ فقہاء علیہ الرحمہ نے خصّی کرنا جائز ہونے کے لیے منفعت کی قید لگائی ہے، اگر منفعت نہ ہو تو حرام ہے، اور منفعت یہ ہے کہ جانور کو فربہ بنانا مقصود ہو، یا یہ نیت ہو کہ وہ کاٹنے سے باز رہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۷۱ ج۶ بحوالہ عالمگیری ص۲۳۷ ج۶ کتاب الکراہتہ)۔

## لون کے پیسے سے خریدے ہوئے جانور کی قربانی

**سوال:** احقر نے چند سال پہلے ایک بھینس لون سے خریدی تھی۔ اب اس کا ایک بچہ ہے، میں اس کی قربانی کر سکتا ہوں یا نہیں؟۔

**جواب:** جس بھینس کے بچے کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے اس کی قربانی درست ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۳ ج۶)۔

## اگر قربانی کے جانور نایاب ہو جائیں؟

**سوال:** قربانی کے جانور اب کے بہت کم آئے ہیں، جو کچھ ہیں بھی وہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس لیے وہ بہت گراں ہیں۔ ایسی صورت میں قربانی کے لیے اگر جانور نہ مل سکے تو قربانی کے تعین کے بعد کم سے کم کتنے دام خیرات کرے جس سے کہ قربانی کا ثواب مل سکے؟

**جواب:** قربانی کے جانور کی یا بڑے جانور کے ساتویں حصے کی قیمت خیرات کر دے (کفایت المفتی ص۲۱۳ ج۸)۔

(نوٹ) اگر کسی جگہ قربانی کے لیے جانور نہ مل سکیں یا حالات خراب ہونے کی وجہ سے کرفیو وغیرہ نافذ ہو تو وہاں پر بھی اس پر عمل کر سکتے ہیں یعنی بقرعید کے تین دن انتظار کرنے کے بعد اس کی قیمت کا صدقہ کر دیا جائے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

## سانڈ (بجھار) کی قربانی کا حکم

غیر اللہ کے لیے جانور کے نامزد کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے نام پر خدمت اور کام لینے سے آزاد کر دیا جائے۔ اس کی جان قربان کرنا مقصود نہ ہو، یہ سائبہ ہے جس کو ہمارے یہاں سانڈ اور بجھار کہتے ہیں۔ سانڈ کا مالک اس کو کسی بُت یا دیوتا کے نام پر کام اور خدمت لینے سے آزاد کر کے چھوڑ دیتا ہے۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اس کی جان کسی غیر اللہ کے لیے قربان کرے۔ اس قسم کے جانور کو خریدنا، اگر مالک فروخت کرے تو جائز ہے اور وہ خریدنے کے بعد خریدار کی ملک ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کو ذبح کر کے کھانا بھی جائز ہے۔ کیونکہ جب مالک ان کے بیچنے کے لیے تیار ہو گیا اور اس نے بیچ ڈالا تو یہ دلیل اس امر کی ہے کہ اس نے جانور سے کام لینے کی جو نیت کی تھی وہ بدل ڈالی ورنہ وہ ہرگز نہ بیچتا۔ مگر ایسے جانور یعنی سانڈ کو اگر کوئی شخص اس کے مالک سے خریدے بغیر پکڑ کر ذبح کر لے تو اس کا کھانا حرام ہے، مگر اس کی حرمت مالِ غیر ہونے کی بنا پر ہے نہ کہ "وَمَا اُحِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ" میں داخل ہونے کی بنا پر، سائبہ جانور اپنے مالک یعنی چھوڑنے والے کی ملک سے خارج نہیں ہوتا۔ دوسری قسم نامزد کرنے کی یہ ہے کہ مالک اس جانور کی جان کسی غیر اللہ پر قربان کرنے کے لیے اس کے نام پر جانور کو نامزد کرتا ہے۔ یہ جانور اگر مالک کی اسی نیت کے مطابق ذبح ہو جائے تو حرام اور مُردار ہو جاتا ہے، اگرچہ ذبح کرنے والا بسم اللہ الخ پڑھ کر ذبح کرے جب بھی حرام و مُردار ہی رہے گا۔ جیسے اکثر ہنود (غیر مسلم) دیوی، یا کسی بُت کے نام پر جانور کی جان قربان کرنے کے لیے لاتے ہیں مگر اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کرتے، کوئی مسلمان وہاں ہوتا ہے اس سے کہتے ہیں کہ اس کو ذبح کر دو، وہ بسم اللہ کہہ کر ذبح کر دیتا ہے تو اس کی بسم اللہ سے وہ حلال نہیں ہوں گے۔ یا وہی مالک اپنی نیت کے موافق اس جانور کو اپنے سامنے ذبح نہیں کراتا بلکہ پجاری کو دے جاتا ہے

کہ اس کو دیوی کے اُوپر قربان کر دینا۔ پجاری اُن جانوروں کو فروخت کر دیتا ہے اور مسلمان خرید کر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کر لیتے ہیں، یہ بھی حرام ہیں کیونکہ اُن میں نیت اُن کے اصل مالک کی ہی معتبر ہوگی، اور اس کی نیت یہ تھی کہ ان کی جان غیر اللہ کے لیے قربان ہو، پجاری کے فروخت کرنے اور مسلمان کے خریدنے سے وہ نیت (مالک کی) کالعدم نہ ہوگی، بلکہ پجاری کی بیع (بیچنا) باطل ہوگی۔

ایسے جانور جن کی جان کو کسی غیر اللہ کے لیے قربان کرنے کی نیت کی گئی ہو، صرف ایک صورت میں جائز اور حلال ہو سکتے ہیں، کہ ان کو ذبح کرنے سے پہلے ان کا مالک اپنی اس نیت کو بدل لے اور اس گناہ سے توبہ کر لے کہ اس نے ایک جانور کی جان غیر اللہ پر قربان کرنے کا ارادہ کیا تھا توبہ کر لینے کے بعد اس جانور کو خاص خدا کے لیے ذبح کرنے کی نیت کر کے بسم اللہ پڑھکر ذبح کرے تو یہ حلال ہوگا۔ نیت کی تبدیلی ذبح سے پہلے معتبر ہوگی۔ اور ذبح تقرب غیر اللہ کی نیت پر ہو گیا تو پھر نیت کی تبدیلی معتبر نہیں، بلکہ وہ میتہ اور مردار ہو گیا جو پھر توبہ یا نیت کی تبدیلی سے پاک اور حلال نہیں ہو سکتا ہے۔ (کفایت المفتی صـ۲۳۲ ج ۸)۔

## حاملہ جانور کی قربانی

**سُوال:۔** یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ اونٹ اور گائے اور بکری کو ذبح کرتے ہیں تو بعض دفعہ ان کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے، اس بچہ کو حرام سمجھ کر ڈال دیں یا وہ حلال ہے!

**جواب:۔** حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دل چاہے تو ذبح کر کے کھالو، کیونکہ اس کو ذبح کرنے کا بھی وہی طریقہ ہے جو اس کی ماں کے ذبح کرنے کا۔ (ابو داؤد و ترمذی)۔

**شرح:۔** اگر پیٹ میں سے مردہ بچہ نکلا ہے تو وہ بالکل حرام ہے اور اگر زندہ

نکلا ہے تو ذبح کر کے اس کا کھانا جائز و حلال ہے جیسا کہ اس سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اور اگر ذبح سے پہلے ہی مر گیا تو حرام ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ شبہ تھا کہ شاید ایسا کمزور اور بالکل نیا نکلا ہوا بچہ ذبح کرنا جائز نہ ہو کیونکہ یہ ذرا خلافِ رحم معلوم ہوتا ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ ذبح کے وقت پیٹ میں سے نکلے ہوئے بچے اور دوسرے جانوروں کے ذبح میں کچھ فرق نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمدیہ ص۴۲)۔

**مسئلہ:** حمل والے جانور کو ذبح کرنا جائز ہے۔ البتہ جس کے بچہ پیدا ہونے کی مدت بہت ہی قریب آگئی ہو، اس کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ محمدیہ ص۴۲ ج۱)

**مسئلہ:**۔ اور اگر بچہ کو ذبح نہ کیا یہاں تک کہ قربانی کے دن گذر گئے تو اس زندہ بچہ کو صدقہ کر دیا جائے۔ اور اگر ایام قربانی کے بعد ذبح کر کے کھا لیا تو اس کی قیمت کا صدقہ کیا جائے گا۔ (شامی ص۲۰۵ ج۵)۔

(اور اگر بچہ کو پال لیا اور بڑے ہونے پر قربانی کر دی تو اس کی واجب قربانی ادا نہ ہوگی، اور اس کا پورا گوشت صدقہ کرنا واجب ہوگا، اگر قربانی واجب ہے تو دوسری قربانی کرنی ہوگی۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

## قربانی خود کرے یا دوسری جگہ رقم بھیج دے؟

**سُوال:** افریقہ والے اپنی قربانی ہندوستان میں کراتے ہیں، وہاں خود نہیں کرتے، اس میں کوئی حرج تو نہیں؟

**جواب:** صورتِ مسئولہ میں قربانی بدون حرج کے درست ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ قربانی کا جانور خود پسند کر کے اس کی خدمت گزاری کر کے محبت کا تعلق پیدا کرے کیونکہ یہ ایک بڑے ثواب کا [illegible] والا ہے، یہی نہیں بلکہ اولاد کی قربانی کے قائم مقام ہے یعنی اس کو قربان کرنا اولاد کو قربان کرنے کے برابر ہے، اور مستحب یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، اگر ذبح نہ کر سکے تو اس مبارک وقت پر حاضر رہے، اور مستحب ہے کہ اپنی قربانی [illegible]۔ ہو سکے تو

عید کے مبارک دن میں کھانے کی ابتدا اپنی قربانی کے گوشت سے کرے اور پڑوسی عزیز واقارب نیز غریبوں اور رشتہ داروں کو کھلائے۔ دوسری جگہوں پر قربانی کرانے سے مذکورہ بالا برکتوں سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ اگر کسی عذر یا شرعی مصلحت کی بنا پر یہ کیا جاتا ہو (قربانی کسی اور جگہ پر کرائی جاتی ہے) تو پورے اجر کی بلکہ زیادہ ثواب کی بھی امید کی جاسکتی ہے، صحیح طریقہ اور نیت پر مدار ہے۔ ان میں خویش واقارب اور رشتہ داروں کا حق ادا کرنے کے لیے بعض قربانی کا انتظام کر سکتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۸۵ ج۲)۔

## قربانی کا وقت

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ نُصَلِّيَ فَاِنَّمَا هُوَ شَاةُ لَحْمٍ عَجَّلَهُ لِاَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ شَيْءٌ۔ (رواہ البخاری ومسلم)۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید قرباں کے دن خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا: آج کے دن کے ان کاموں میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اللہ کے حضور میں نماز عید ادا کریں، پھر وہاں سے لوٹ کر ہم قربانی کریں، جو اس طرح کرے گا وہ ہمارے طریقہ کے مطابق ٹھیک کرے گا (اور اس کی قربانی ٹھیک ادا ہوگی) اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کر ڈالی اُس کی قربانی بالکل نہیں ہوئی، بلکہ اُس نے اپنے گھر والوں کے گوشت کھانے کے لیے بکری ذبح کر لی ہے۔ (اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں)۔ (معارف الحدیث ص۲۱۶ ج۳) بحوالہ صحیح بخاری ومسلم۔

مسئلہ:۔ بقرعید کی دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی شام تک قربانی کرنے کا وقت ہے، چاہے جس دن قربانی کرے، لیکن قربانی کرنے کا سب سے

بہترین دن بقرعید کا پہلا دن ہے، پھر گیارہویں تاریخ، پھر بارہویں تاریخ۔ (بہشتی زیور ص۳۷ ج۳ بحوالہ قدوری ص۱۹۸)۔

مسئلہ:۔ بقرعید کی نماز ہونے سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہے، جب لوگ نماز پڑھ چکیں تب قربانی کرے، البتہ اگر کوئی دیہات اور گاؤں میں (کہ جہاں پر نمازِ جمعہ و عیدین واجب نہیں) رہتا ہو تو وہاں طلوعِ صبح صادق کے بعد بھی قربانی کر دینا درست ہے، شہر کے اور قصبہ کے رہنے والے نماز کے بعد قربانی کریں۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی شہر کا رہنے والا اپنی قربانی کا جانور کسی گاؤں میں بھیج دے تو اس کی قربانی بقرعید کی نماز سے پہلے بھی درست ہے، اگرچہ وہ خود شہر ہی میں موجود ہو، لیکن جب قربانی دیہات میں بھیج دی تو نماز سے پہلے درست ہوگیا ذبح ہوجانے کے بعد اس کو منگوالے اور گوشت کھالے۔ (عالمگیری ص۲۴۳ ج۴)

مسئلہ:۔ بارہویں تاریخ کے سورج ڈوبنے سے پہلے قربانی کرنا درست ہے۔ اور جب سورج ڈوب گیا تو اب قربانی درست نہیں۔

مسئلہ:۔ دسویں سے بارہویں تاریخ تک جب جی چاہے قربانی کرے، چاہے دن میں یا رات میں، لیکن رات کو ذبح کرنا بہتر نہیں کہ شاید کوئی رگ نہ کٹے اور قربانی درست نہ ہو۔ (عالمگیری ص۲۹۶ ج۵)۔

مسئلہ:۔ اپنی قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے، اگر خود ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو کسی اور سے ذبح کرالے، لیکن ذبح کے وقت وہاں جانور کے سامنے کھڑے ہوجانا بہتر ہے۔

مسئلہ:۔ اگر قربانی کرنے والے نے نمازِ عید نہیں پڑھی مگر شہر کی کسی بھی مسجد میں عید کی نماز ہوگئی تو اس صورت میں بغیر نمازِ عید پڑھے قربانی کرسکتا ہے، کیونکہ خود قربانی کرنے والے کا نمازِ عید سے فارغ ہونا شرط نہیں ہے قربانی کے لیے بلکہ مسجد یا عیدگاہ میں نماز ہوچکنا کافی ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص۵۹۷ ج۳)

مسئلہ:- اگر کسی وجہ سے نمازِ عید دسویں تاریخ کو نہ پڑھی گئی تو اس روز جب نماز کا وقت گذر جائے یعنی زوال کے بعد ذبح کرنا جائز ہوگا۔
مسئلہ:- اگر عید الاضحیٰ کی نماز گیارھویں یا بارھویں تاریخ کو ادا کی گئی تو نماز سے قبل ذبح کرنا بھی جائز ہے۔

(کرفیو، آندھی، طوفان، بارش وغیرہ کے عذر سے نماز میں تاخیر کرنا جائز ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:- اگر شہر میں ایک مقام پر نمازِ عید ہو چکی ہے، لیکن دوسری جگہ ابھی نماز نہیں ہوئی تب بھی ذبح جائز ہے۔ (فتاویٰ محمدیہ ص۶۶ ج۱)۔
مسئلہ:- جن بستیوں یا شہروں میں نمازِ جمعہ وعیدین جائز ہے، وہاں نمازِ عید سے پہلے قربانی جائز نہیں۔ اگر کسی نے نماز سے پہلے قربانی کردی تو اس پر دوبارہ قربانی لازم ہے۔ البتہ چھوٹے گاؤں میں جہاں جمعہ وعیدین کی نماز نہیں ہوتیں، یہ لوگ دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔ ایسے ہی اگر کسی عذر کی وجہ سے نمازِ عید پہلے دن نہ ہو سکے تو نمازِ عید کا وقت گذر جانے کے بعد قربانی درست ہے۔ (جواہر الفقہ ص۴۴۹ ج۱)۔
مسئلہ:- اگر کسی شہر میں فساد ہو گیا اور نماز پڑھنا مشکل ہو گیا اور لوگوں نے طلوعِ فجر کے بعد ہی قربانی کر ڈالی تو درست ہے۔
مسئلہ:- اگر قربانی کے دن میں شک ہو جائے تو زیادہ اچھا ہے کہ تیسرے دن تک قربانی کو مؤخر نہ کرے، اور اگر مؤخر کر دیا تو مناسب یہی ہے کہ گوشت نہ کھائے بلکہ صدقہ کر دے۔ (مسائلِ قربانی ص۳۱ بحوالہ بزازیہ علی الہندیہ ص۲۸۸ ج۶)۔
مسئلہ:- حیلہ۔ اگر کسی مصلحت سے قربانی بہت جلدی کرنے کی شہر والے کو ضرورت ہو تو اپنی قربانی کا جانور شہر کی حدود سے باہر جنگل میں یا کسی ایسے چھوٹے گاؤں میں (قریب کے) بھیجدے جہاں نمازِ عید نہیں ہوتی، اس کا

خادم وملازم دسویں تاریخ کو طلوع فجر کے بعد ذبح کر دے اور پھر شہر میں لے آئے
(فتاوی محمودیہ ص۷۷ ج۱)۔

مسئلہ:۔ قربانی میں معتبر جو ہے وہ قربانی کا مکان (جگہ) ہے نہ اس شخص کا مکان
جس پر قربانی واجب ہے یعنی اگر قربانی دیہات میں ہے اور قربانی کرنے والا شہر میں
ہے تو طلوع فجر کے وقت اس کی قربانی جائز ہے اور اگر قربانی شہر میں ہو اور قربانی
کرنے والا دیہات میں ہو تو قربانی نماز عید تک جائز نہیں۔

مسئلہ:۔ اگر گاؤں کے لوگوں میں سے (جہاں نماز جمعہ وعیدین واجب نہیں)
کوئی شخص شہر میں نماز عید کے لیے آیا اور اپنے اہل سے کہہ آیا کہ قربانی کر دیں تو ان کو
اختیار ہے کہ اس کی طرف سے (جبکہ وہ گاؤں سے چلا گیا ہو) طلوع فجر ہی کے
بعد قربانی کر دیں۔ (فضائل عشرہ ذی الحجہ ص۳۷)۔

## گاؤں میں قربانی کا وقت

قریہ (گاؤں) میں جہاں جمعہ وعیدین صحیح
نہیں ہے۔ فجر کے بعد قربانی کے جائز ہونے
کی وہی حدیثیں دلیل ہیں جن میں نماز سے پہلے ذبح کرنے کی ممانعت وارد ہے۔ کیونکہ
نماز سے پہلے کی قید سے معلوم ہوا کہ وہاں نماز ہوتی ہے۔ پس جس جگہ نماز عیدین کی ہوتی
ہے یعنی شہر یا بڑے گاؤں (قریہ کبیرہ) وہاں نماز سے پہلے قربانی کرنا ممنوع وباطل ہے اور
جس جگہ نماز نہیں ہوتی جیسے قریۂ صغیرہ (چھوٹا گاؤں) اس ممانعت میں داخل نہ ہوا۔
(عزیز الفتاوی ص۷۲۱ ج۱)۔

## ذبح کرنے والا کیسا ہو؟

مسئلہ:۔ مشہور ہے کہ ذبح کرنے والے کی
بخشش نہ ہوگی، سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ:۔ قواعد فقہیہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ذبح پر اجرت لینا جائز ہے، بشرطیکہ
اجرت معین ہو، کام بھی معین ہو۔ مثلاً فی جانور اتنی قیمت (دینی ہوگی)۔ (عزیز الفتاوی
ص۶۶۹ ج۱)۔

مسئلہ:۔ ذبح کرنے کی اُجرت جائز ہے اور وہ ذبح کرنے والے کا حق ہے۔

مسئلہ:۔ ذبح کرنے والے کی امامت جائز ہے، یعنی محض اُجرت پر ذبح کرنے کی وجہ سے کراہت پیدا نہیں ہوتی۔ (نیز کسی شخص کو ذبح کرنے کی اُجرت ہمیشہ لینا جائز ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۴۵ ج ۸)۔

مسئلہ:۔ پیشہ قصابی اور گوشت فروشی درست ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی یہ پیشہ اہلِ اسلام میں جاری تھا اور بعض صحابہ رضؓ اس کام کو کرتے تھے۔ پس شرعاً یہ پیشہ اور یہ فعل ممنوع نہیں اور قابلِ مواخذہ نہیں ہے (عزیز الفتاوے ص۷۹۱ ج ۱)۔

مسئلہ:۔ جب کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو تو جانور کا پکڑنے والا خواہ مشرک ہو یا مسلمان کچھ حرج نہیں، اور نہ پکڑنے والے پر بسم اللہ اللہ اکبر کہنا واجب ہے، اور پکڑنے والا مشرک اگر "بسم اللہ اللہ اکبر" کہے تو کچھ مفید نہیں۔

ہاں شریک فی الذبح پر بسم اللہ اللہ اکبر کہنا واجب ہے اور صرف جانور کو پکڑنے والا شریک فی الذبح نہیں ہے۔ درمختار میں ہے کہ جو شخص ذبح کرنے والے کے ہاتھ کو زور دے اور چھری چلانے میں اپنے ہاتھ کا سہارہ دے وہ شریک فی الذبح ہے اور اس پر بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۴۶ ج ۸)۔

مسئلہ:۔ قربانی کا کوئی جز کھال ہو یا گوشت وغیرہ اُجرتِ قصاب میں دینا یا قیمت میں مجرئی کرنا سخت ممنوع ہے، گو قربانی میں خلل نہیں آتا، لیکن بقدرِ قیمتِ کھال (وغیرہ) کے اس شخص پر مساکین کو صدقہ کرنا واجب رہے گا، (امداد الفتاویٰ ص۵۴۹ ج ۳)۔

مسئلہ:۔ مشہور ہے کہ ولد الزنا (حرام زادہ) کا ذبح کیا ہوا درست نہیں ہے، سو یہ محض غلط ہے۔ (یعنی ایسے شخص کا ذبیحہ جائز ہے)۔

مسئلہ:۔ بعض عوام عورتوں کے ذبح کیے ہوئے کو درست نہیں سمجھتے، یہ بھی غلط ہے۔

مسئلہ:۔ بعض عوام سمجھتے ہیں کہ ذابح (ذبح کرنے والے) کی اعانت کرنے والا

مثلاً جانور پکڑنے والا کافر ہو تو ذبیحہ حلال نہیں۔ یہ سمجھنا بالکل غلط ہے۔ (اغلاط العوام ص ۱۷۹)۔

(چوں کہ کافر غیر مسلم صرف مُعین ہے نہ کہ ذبح کرنے والا اور ذابح کا شریک کیونکہ جو ذبح کرنے والے کے ہاتھ کو زور دے یا چھری چلانے میں اپنے ہاتھ کا سہارا دے وہ شریک مانا جاتا ہے اور یہاں یہ بات نہیں ہے اس لیے ذبیحہ حلال ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:- گونگے کا ذبح کیا ہوا بھی درست ہے کیونکہ وہ بسم اللہ کے ترک کردینے میں معذور ہے۔ (نفع المسائل والمفتی ص ۱۳۵)۔

مسئلہ:- قومِ قصاب کے کسی شخص کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام نہیں۔ کیوں کہ قصاب (قصائی) بھی مسلمان ہیں اور مسلمان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا حلال ہے۔

مسئلہ:- ذبیحہ ہر مسلمان کا حلال ہے۔ بدمزاجی و بدزبانی سے ذبیحہ کی حلت یعنی حلال ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔

مسئلہ:- ذبح کی حلت کے لیے ذبح کرنے والے کا بینا ہونا شرط نہیں ہے نابینا کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ آنکھوں والے سے ذبح کرایا جائے تاکہ وہ ذبح کے کمال اور نقصان کو دیکھ کر معلوم کرسکے۔ تاہم نابینا کا ذبح کیا ہوا حرام نہیں ہے۔

مسئلہ:- زانیہ کے مرد (شوہر) کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا حلال ہے خواہ وہ شخص اس برے فعل سے اپنی بیوی کو منع کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، دونوں صورتوں میں اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے۔

مسئلہ:- ذبح کرنے والا نماز روزہ کا پابند نہیں اور پاک بھی نہیں رہتا اور نشہ بھی کرتا ہے جب بھی اس کا ذبح کیا ہوا جائز ہے، ذبیحہ کے جواز کے لیے ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا کافی ہے، بشرطیکہ ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ اللہ اکبر کو ترک نہ کرے۔

مسئلہ :- ہندو نے جانور کے پکڑنے اور قابو کرنے میں مدد کی اور ذبح مسلم نے کیا تو اس میں کوئی خرابی نہیں، مذبوحہ حلال ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۶۱ تا ۲۶۳ ج ۸)

مسئلہ :- عورت اور نابالغ کا ذبح کیا ہوا بشرطیکہ ذبح کر سکتا ہو اور بسم اللہ کہے تو جائز ہے۔ (امداد الفتاوی ص ۵۴۵ ج ۳)۔

مسئلہ :- مسلمان کے ذبیحہ میں کچھ وہم اور شک نہ کرنا چاہیے، احتمال سے ذبیحہ حرام نہیں ہوتا۔ (عزیز الفتاوی ص ۷۴۳ ج ۱)۔

مسئلہ :- اگر تعظیم غیر اللہ کی مقصود نہ ہو تو تعیین مکان ذبح جائز ہے۔ (امداد الفتاوی ص ۵۴۷ ج ۳)۔

مسئلہ :- قربانی کرنے والے کو بسم اللہ اللہ اکبر کہنا لازم (واجب) ہے نیت کی دعا پڑھے یا نہ پڑھے۔ صرف دل سے یہ ارادہ کرلینا کہ قربانی کرتا ہوں کافی ہے۔ (کفایت المفتی ص ۱۸۰ ج ۸)۔

مسئلہ :- ذبح کرتے وقت صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہنا چاہیے اور کھانا کھاتے وقت پوری بسم اللہ پڑھی جائے۔ (کفایت المفتی ص ۲۶۳ ج ۸)

مسئلہ :- شرکاء کے نام قربانی میں ذبح کرتے وقت پکارنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہاں ذبح کرنے والا نیت میں ان سب کی جانب سے ذبح کرنے کا خیال رکھے، اور اگر اتفاقاً پکار دیئے جائیں اور مقصود اعلام ہو تو مضائقہ نہیں لیکن پکارنے کو ضروری یا قربانی میں لازم سمجھنا بے اصل ہے۔ (کفایت المفتی ص ۱۸۴ ج ۸)

## غیر مسلم کے ذبیحہ کا حکم

ذبیحہ کی حلت کے لیے ذابح کا مسلمان ہونا یا کتابی ہونا شرط ہے، غیر کتابی کا ذبح کیا ہوا حلال نہیں، پس جاٹوں (جو غیر مسلم ہیں) یا سکھوں کا جھٹکہ حلال نہیں کہ یہ کتابی نہیں ہیں، غیر کتابی کے ذبیحہ کی حرمت پر علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مجوسیوں اور عرب کے تمام مشرکوں اور تمام بت پرستوں اور غیر کتابی کافر کا ذبح کیا ہوا حرام ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۴۹ ج ۸)۔

## شیعہ کا ذبیحہ

سوال :- شیعوں میں چند فرقے ہیں، سب کا ذبیحہ ناجائز ہے یا کسی خاص فرقہ کا؟

جواب :- جو رافضی تبرا گو ہو اور سبِ شیخین کرتا ہو، اس کو بعض فقہاء نے کافر و مرتد کہا ہے، ان کے ذبح کیے ہوئے میں مسلمان سنّیوں کو احتیاط لازم ہے ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ شیعوں کے بعض فرقے بالاتفاق کافر ہیں وہ جو افک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معتقد ہیں یا الوہیتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں۔ یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کے منکر ہیں یا بدا کے قائل ہیں، ان کے ساتھ مناکحت (شادی بیاہ) اور ان کا ذبح کیا ہوا بالاتفاق ناجائز ہے۔ اور ایک فرقہ جو سبِ شیخین کرتا ہو، اور امورِ بالا کا معتقد نہ ہو۔ اس کے کفر میں اختلاف ہے، ان کے ذبیحہ اور مناکحت میں احتیاط کرنا لازم ہے۔ اور ایک فرقہ جو محض تفضیلیہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلفائے ثلٰثہ سے افضل جانتا ہے، مگر کسی کو برا نہیں کہتا اور سبِ شیخین نہیں کرتا، ان کا ذبیحہ حلال ہے اور وہ مسلمان ہیں، اگرچہ سنّی نہیں ہیں۔ (عزیز الفتاوی ص۷۹۷ ج۱)

## بندوق کا ذبیحہ

مچھلی کا بندوق سے شکار کرنا جائز ہے اور حلال ہے، کوئی وجہ ممانعت کی نہیں ہے۔ مچھلی کے سوا باقی جانوروں کو اگر بندوق سے شکار کیا جائے اور وہ جانور مر جائیں، ذبح کرنے کی نوبت نہ آئے تو وہ جانور حرام اور مردار ہو جاتے ہیں، ان کا کھانا جائز نہیں، اگرچہ بندوق چلاتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چلائی ہو۔ اگر بندوق کا شکار زندہ ہاتھ آ جائے اور ذبح کر لیا جائے تو حلال ہے ورنہ حرام۔

تیر جب بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چلایا جائے اور اس کا شکار مر بھی جائے تب بھی حلال ہے۔ مگر بندوق کا یہ حکم نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۳۹ ج۸)۔

## عورت کا ذبیحہ

عورت کا ذبح کیا ہوا بلاشبہ درست ہے، جو لوگ اس کو حرام کہتے ہیں وہ گنہگار ہیں، البتہ چونکہ عورتیں اس کام کو

کم ہوجاتی ہیں اور بوجہ ضعفِ قلب کے یہ بھی احتمال ہے کہ ہاتھ نہ چلے، اس لیے بلا ضرورت آج کل ان کے سپرد کرنا ذبح کرنے کا کام مناسب نہیں، لیکن حلال ہونے میں پھر بھی شبہ نہیں یعنی جائز ہے۔ (امداد المفتین ص۹۵۷ ج ۲)۔

## بے ہوش کر کے ذبح کرنا

ذبح سے پہلے پستول سے دماغ میں نشانہ لگا کر پھر ذبح کرنا، یہ طریقہ خلافِ سنت اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ اس میں جانور کے حرام ہوجانے کا ظنِ غالب ہے اور وہ یہ کہ اگر اس ضرب (چوٹ) سے جانور کی ہلاکت متیقن ہوجائے تو پھر اس کے گلے پر چھری پھیرنا بے کار ہوگا اور جانور حرام ہوجائے گا۔ (کفایت المفتی ص۲۵۶ ج ۸)

**مسئلہ**:۔ شریعت نے جو ذبح کو حلال ہونے کی شرط ٹھہرائی ہے اس کی علت جیسا کہ نصوص سے واضح ہے یہ ہے کہ بہنے والا خون ذبیحہ کے بدن سے نکل جائے اور قواعد سائنس سے اس کا قوی احتمال ہے کہ جانور کی طبیعت اس کے ہوش کی حالت میں قوی ہوتی ہے، اور بے ہوشی جس درجہ ہوگی، اسی قدر اس کی طبیعت ضعیف ہوگی، اور خون کا خارج کرنا یہ فعل طبیعت کا ہے، پس جس قدر طبیعت میں قوت ہوگی خون زیادہ خارج ہوگا، اور جس قدر طبیعت میں ضعف ہوگا خون کم خارج ہوگا، پس قصداً طبیعت کو ضعیف کرنا، خون کم نکلنے دینے کا اہتمام جو صریح مزاحمت ہے مقصود شارع کی، یہ تو شرعی خلاف ورزی ہے۔ اور خون بدن میں کافی موجود ہونے کے بعد جب کم نکلے گا تو وہ گوشت ہی میں مل جائے گا۔ اور جب کہ جانور کے خود مرنے سے پورا خون گوشت میں ہی مل جانے سے طب نبوی ؐ کی منشا کے خلاف ہے اور بے ہوش کر کے ذبح کرنے میں تو کچھ نہ کچھ خون گوشت میں ضرور شامل ہوگا اور یہ شریعت کے خلاف ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے بلا تدبیر اختیاری ہو، اس میں مکلف معذور ہے اس سے حرمت یا کراہت کا حکم نہ کیا جائے گا۔

(امداد الفتاوی ص۶۰۰ ج ۳)۔

(یعنی بغیر بے ہوش کیے ہوئے اگر خون کسی جانور میں سے ذبح کرتے

ہوئے کم نکلے تو کوئی حرج نہیں ہے ، رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

## ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ

یہ سب جانتے ہیں کہ دنیا میں گوشت خوری کا دستور انتہائی قدیم ہے لیکن اسلام سے پہلے جانوروں کا گوشت کھانے کے عجیب عجیب طریقے بغیر کسی پابندی کے اختیار کیے ہوئے تھے ، مردار کا گوشت کھایا جاتا تھا ، زندہ جانور کے کچھ اعضاء ضرورت کے مطابق کاٹ کر کھالیے جاتے تھے ۔ جانور کی جان لینے کے لیے بھی انتہائی بے رحمانہ سلوک کیا جاتا تھا ، کہیں لاٹھیوں سے مار کر ، کہیں تیروں کی بوچھار کر کے جانور کی جان لی جاتی تھی ۔

اسلام نے سب سے پہلے تو یہ تفریق کی کہ مردار کا گوشت حرام کیا ، جو انسان کی جسمانی اور روحانی دونوں صحتوں کو برباد کرنے والا ہے ، اُن جانوروں کو حرام قرار دیا جن کے گوشت سے اخلاقِ انسانی مسموم ہو جاتے ہیں ۔ جیسے خنزیر ، کتا ، بلی ، درندے جانور وغیرہ ، پھر جن جانوروں کو حلال کیا ان کا گوشت کھانے میں بھی ایسا پاکیزہ طریقہ بتلایا جس سے ناپاک خون زیادہ سے زیادہ نکل جائے ، اور جانور کو تکلیف کم سے کم ہو ، طبی اصول پر انسانی صحت اور غذائی اعتدال میں اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا جیسا کہ موجودہ زمانے کے ڈاکٹروں نے طبی تحقیق کے ساتھ اس کو ثابت کیا ہے ۔ بہرحال اسلام نے جانوروں کا گوشت کھانے میں انسان کو آزاد نہیں چھوڑا ، کہ جس طرح درختوں کے پھل اور ترکاریاں وغیرہ جس طرح چاہیں کاٹیں اور کھالیں ، اسی طرح جانوروں کو جس طرح چاہیں کھا جائیں ۔

یہ ظاہر ہے کہ انسان کی غذا ، خواہ نباتات سے ہو یا حیوانات سے ہو ، سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی نعمتیں ہیں اور اس حیثیت سے ہر کھانے کو اللہ کا نام لیکر کھانا اور کھانے سے فارغ ہو کر اللہ کا شکر ادا کرنا ، سنتِ اسلام ہے ، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے اتنا عام کیا کہ وہ ایک اسلامی شعار بن گیا ، لیکن جانوروں کے ذبح پر اللہ کا نام لینے کا معاملہ اس سے کچھ آگے ہے کہ

جانور کا گوشت اس کے بغیر حلال ہی نہیں ہوتا، کوئی غافل انسان ترکاری، پھل وغیرہ کو بغیر اللہ تعالیٰ کے نام کے کاٹے تو اسے غافل، تارکِ سنت تو کہا جائے گا لیکن اس کے کھانے کو حرام نہیں کہا جا سکتا، بخلاف جانور کے کہ اس کے ذبح کے وقت بسم اللہ کہنا اس کے حلال ہونے کی شرط ہے، اس کے بغیر سارے آداب ذبح پورے بھی کر دیے جائیں تو بھی جانور مردار و حرام ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرّہٗ "حجۃ اللہ البالغہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ جانوروں کا معاملہ عام نباتاتی مخلوق کا سا نہیں ہے، کیونکہ ان میں انسان کی طرح روح ہے، انسان کی طرح دیکھنے، سننے، سونگھنے اور چلنے پھرنے کے آلات و اعضاء ہیں، انسان کی طرح ان میں احساس و ارادہ اور ایک حد تک ادراک بھی موجود ہے، اس کا سرسری تقاضا یہ تھا کہ جانوروں کا کھانا مطلقاً حلال نہ ہوتا لیکن حکمتِ الٰہیہ کا تقاضہ تھا کہ اس نے انسان کو مخدومِ کائنات بنایا جانوروں سے خدمت لینا، ان کا دودھ پینا اور ضرورت کے وقت ذبح کر کے ان کا گوشت کھا لینا بھی انسان کے لیے حلال کر دیا، مگر ساتھ ہی اس کے حلال ہونے کے لیے چند ارکان اور شرائط بتلائے جن کے بغیر جانور حلال نہیں ہوتا۔ (جواہر الفقہ ص۳۶۳ تا ص۳۶۵ جلد دوم)۔

## اسلامی ذبیحہ کے شرائط

قرآن و سنت کی مذکورہ تصریحات سے اسلامی ذبیحہ کے لیے تین شرائط ثابت ہوئیں:۔

(۱) ذابح (ذبح کرنے والے) کا مسلمان ہونا۔ (۲) ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا (۳) شرعی طریق پر حلقوم اور سانس کی نالی اور خون کی رگیں کاٹ دینا۔

(نوٹ:۔) یہ بیان اختیاری ذبح کرنے کا ہے، غیر اختیاری ذبح شکار وغیرہ کے احکام الگ ہیں۔ (جواہر الفقہ ص۳۷۵ ج۲)۔

## ذبح کرنے کے احکام

اول یہ کہ ذبح کا مقام حلق اور لبّہ کے درمیان ہے۔ دوم یہ کہ گردن کو پورا کاٹ کر الگ نہ کیا جائے بلکہ

حرام مغز تک بھی نہ کاٹا جائے، بلکہ حلقوم اور مری یعنی سانس کی نالی اور اس کے اطراف کی خون کی رگیں جن کو اوداج کہا جاتا ہے وہ کلٹے۔ اس طرح نجس خون بھی پورا نکل جاتا ہے اور جانور کو تکلیف بھی بہت کم ہوتی ہے، اس طریقے کے خلاف جتنی بھی صورتیں ہیں ان میں خون بھی پورا نہیں نکلتا، اور جانور کو بلا ضرورت تکلیف بھی شدید ہوتی ہے۔ سوم یہ کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے یعنی بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا جائے۔ چہارم یہ کہ اس کا پورا اہتمام کیا جائے کہ جانور کو تکلیف کم سے کم ہو، اس لیے یہ حکم دیا کہ چھری کو تیز کر لو اور ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کرو اور مذکورہ حلقوم وغیرہ کو پورا کاٹو، تاکہ جان آسانی سے نکل جائے۔ ایک حدیث میں اس سے بھی منع کیا گیا ہے کہ جانور کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے۔ پنجم یہ کہ زندہ جانور کا کوئی عضو (حصہ) نہ کاٹا جائے۔ ششم یہ کہ جانور کو گدی کی طرف سے ذبح نہ کرو، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جھٹکا جائز نہیں، جس میں دفعۃً گردن الگ کر دی جاتی ہے۔ ہفتم یہ کہ جو جانور گدی کی طرف سے ذبح کیا جائے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا گوشت بھی حلال نہیں۔ (جواہر الفقہ ص ۲۷۳ ج ۲)۔

## قربانی کا افضل طریقہ

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یافاطمۃ قومی الی اضحیتك فاشھدِیھا، فانَّ لكِ باول قطرۃ تقطر مِن دمھا ان یغفرَ لكِ ما سلف مِن ذُنُوْبِكِ، قالت یا رسول اللہ: النا خاصۃً اَھْلَ الْبَیْتِ اولنا وللمسلمین؟ قال: بل لنا وللمسلمین۔ (الترغیب والترھیب)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا، فاطمہ! اٹھو اور اپنی قربانی کے پاس رہو اور اسے ذبح ہوتے دیکھو کیونکہ اس کے خون کا پہلا قطرہ جو زمین پر گرے گا

اس کے ساتھ ہی تمہارے تمام گذشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔" حضرت فاطمہؓ نے سوال کیا: اللہ کے رسولؐ! یہ فضیلت ہم اہلِ بیت (خاندانِ نبوت) کے لیے مخصوص ہے یا ہم اور تمام مسلمان اس کے مستحق ہیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہمارے لیے بھی اور تمام مسلمانوں کے لیے بھی۔"

**تشریح:** مستحب اور افضل ہے کہ قربانی کرنے والا خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے لیکن جو شخص کسی وجہ سے خود ذبح نہ کر سکے تو کم از کم ذبح ہوتے وقت وہاں موجود رہے تاکہ اپنے جانور کو ذبح ہوتے اور اس کا خون بہتے اپنی آنکھ سے دیکھے، خود ذبح کرنے میں یا دوسرے درجہ میں اپنی موجودگی میں کسی سے ذبح کرانے میں جو شوق و خلوص جو امنگ اور خدا کے ساتھ جو دلی تعلق ہوتا ہے اور مقاصدِ قربانی کی تکمیل جو اس صورت میں ہوتی ہے، کہیں دور بیٹھے بیٹھے کسی سے ذبح کرانے میں وہ بات نہیں۔ (الترغیب صفحہ ۳۹۳ ج ۲)۔

## ذبح کا مسنون طریقہ

عَنْ اَنَسٍ قَالَ ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِکَبْشَیْنِ اَمْلَحَیْنِ اَقْرَنَیْنِ ذَبَحَھُمَا بِیَدِہٖ وَسَمّٰی وَکَبَّرَ قَالَ رَاَیْتُہٗ وَاضِعًا قَدَمَہٗ عَلٰی صِفَاحِھِمَا وَیَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہی و سفیدی مائل رنگ کے دو سینگوں والے دو مینڈھوں کی قربانی کی، اپنے دستِ مبارک سے ان کو ذبح کیا، اور ذبح کرتے وقت "بسم اللہ واللہ اکبر" پڑھا، میں نے دیکھا کہ اس وقت، آپؐ اپنا پاؤں ان کے پہلو میں رکھے ہوئے تھے اور زبانِ مبارک سے "بسم اللہ واللہ اکبر" کہتے جاتے تھے۔ (صحیح بخاری ومسلم۔ معارف الحدیث صفحہ ۱۱۴، جلد ۳)۔

## ذبح کرنے کے آداب و مسائل

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ کتب الاحسان عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاِذَا قتلتم فاحسنوا القتلة واذ ذَبَحْتم فاحسنوا الذِّبحۃ وَلْیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شَفْرَتَہ ولیُرِحْ ذبیحۃ۔ (بخاری)۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ نے ہر کام میں خوش اسلوبی اور سلیقہ مندی فرض کی ہے، اس لیے جب تم (کسی شخص کو قصاص وغیرہ میں) قتل کرو تو خوش اسلوبی سے قتل کرو، اور جب تم (کوئی جانور) ذبح کرو تو خوش اسلوبی سے ذبح کرو، اور (اس کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ) اپنے چھرے کو پہلے سے تیز کرلیا کرو، اور (اس طرح) جانور کو (موت کی تکلیف سے جلدی) راحت دے دیا کرو۔

تشریح:۔ سلیقہ مندی ہر عمل کی جان ہے اور شریعت اس کی بڑی نگہبان ہے اس نے ہر ہر چیز میں اس کی تعلیم دی ہے اور تاکید بھی کی ہے۔ جانور کا ذبح کرنا تو اس سے اعلیٰ و افضل مخلوق یعنی انسان کی غذا کی خاطر حلال کیا گیا ہے، لیکن ذبح کرنے میں جو تکلیف اس جانور کو ہوتی ہے اس کے متعلق تاکید ہے کہ یہ کم سے کم ہو، چنانچہ چھری پہلے خوب تیز کرنے کا حکم اسی لیے ہے کہ جتنی رگیں کٹنی ہیں جلد سے جلد کٹ جائیں اور یہ جانور موت اور زندگی کی کشمکش سے جلد نجات پاجائے۔ اوزار (چھری وغیرہ) جتنا تیز ہوگا اتنی ہی اس سے تکلیف بھی کم ہوگی اور جسم و روح کا رشتہ بھی اس سے جلد منقطع ہوجائے گا۔

راحت دینے کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا کہ ذبح کرنے کے بعد اُسے اچھی طرح ٹھنڈا ہونے دیا جائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھریاں تیز کرنے اور ان کو جانوروں سے چھپاکر رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور پھرتی سے ذبح کرنے کو فرمایا

ہے، اور جانور کے سامنے چھری تیز کرنے کو منع فرمایا ہے: یہ کام پہلے ہونا چاہیے، یعنی چھریاں جانوروں کے سامنے تیز نہ کی جائیں اور پھرتی سے ذبح کیے جانے کا حکم فرمایا ہے۔

بہت سے قصائی جانوروں کے ساتھ بڑی بے دردی کا سلوک کرتے ہیں پہلی بات تو یہی ہے کہ جانور کے سامنے عین ذبح ہونے کے وقت سے پہلے یہ بات آنی ہی نہیں چاہیے کہ وہ ذبح ہونے والا ہے، دوسرے اگر جانور اس بات کو محسوس کر کے یا بلا محسوس کیے یوں ہی بھاگ جائے تو اس کو پکڑ کر لانے میں اچھا اور رحمدلانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ جانور کو یا تو پیچھے سے ہانک کر لے جانا چاہیے یا سامنے سے کھینچنا چاہیے، کیونکہ پچھلی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹنے کو آپؐ نے ناپسند فرمایا ہے۔ (الترغیب والترہیب ص۳۹۱ ج ۲ و ص۴۰۰ ج ۲

نوٹ: پچھلی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹنا تو بالکل ایک غیر فطری اور وحشیانہ طریقہ ہے۔

مسئلہ: جب جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے اور اس کا دَم نکل جائے یعنی ٹھنڈا ہو جائے تو اس کی کھال نکالنا جائز ہے خواہ پوری اُتاری جائے یا ٹکڑے ٹکڑے اُتاری جائے یا سینگوں تک کی کھال جسم کی کھال کے ساتھ شامل کر لی جائے۔ یہ سب صورتیں جائز ہیں اور شریعتِ اسلامیہ میں اس کی اجازت ہے، اس کو بے رحمی قرار دینا غیر معقول اور شریعت کے خلاف ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۵۷ ج ۸)۔

مسئلہ: عام طور پر قصاب جانور کو ذبح کرنے کے بعد ٹھنڈا نہیں ہونے دیتے، کھال کھینچنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسا کرنا حرام ہے، خوب یاد رکھیں، جب جانور خوب ٹھنڈا ہو جائے، اس وقت کھال کھینچنا چاہیے (اغلاط العوام مکمل ص۱۳۴)

مسئلہ: مذبوح جانور کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کا سر علیحدہ کرنا مکروہ ہے مگر ذبیحہ حلال ہو جاتا ہے۔ (امداد المفتین ص۱۷۵ ج۱ بحوالہ شامی ص۲۰۵ ج ۵)۔

**مسئلہ:** آج کل ذبح کرنے والے اکثر ذبح کرنے میں تکلیف دیتے ہیں اور خواہ مخواہ جانور کو ستانے میں مبتلا ہوتے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے، (حالانکہ شریعت نے جن جانوروں کے ذبح کرنے میں یا دفع شر کے لیے) قتل کرنے کی اجازت دی ہے تو ان کے ذبح اور قتل کے بھی قاعدے بتلادئیے ہیں اور اس میں ظلم کرکے ترسانے کی ممانعت اور اس پر وعید فرمادی ہے۔ چنانچہ ذبح کرنے کے لیے فرمایا کہ چھری کو تیز کرلیا کرو اور جلدی سے ذبح کردیا کرو۔ جب چار رگیں کٹ جائیں تو پھر آگے تک چھری چلانا بھی جائز نہیں کیونکہ چاروں رگوں کے کٹنے کے بعد فوراً تو جان نکلتی نہیں، اس لئے آگے بھی چھری چلائی جائے گی تو اس کو تکلیف ہوگی (بلا وجہ) اور یہ حرام ہے۔ (اغلاط العوام ص۱۸۰)۔

**مسئلہ:** مستحب یہ ہے کہ جانور کو ذبح کرنے سے پہلے پانی پلا دیا جائے اور چھری کو خوب تیز کرلیا جائے۔

**مسئلہ:** جانور کو ذبح کرنے کی جگہ پر سختی سے گھسیٹتے اور کھینچتے ہوئے لے جا[نا]، جانور کو ذبح کرنے کے لیے لٹا دینے کے بعد ذبح میں دیر کرنا یا اس کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ ہے (فتاویٰ عالمگیری ص۱۸۰ ج ۴)۔

## بوقتِ ذبح ضروری رعایتیں

(۱) جانور کو ذبح کرنے سے پہلے چارہ کھلائے، پانی پلائے (بھوکا، پیاسا) رکھنا مکروہ ہے۔

(۲) مذبح (جس جگہ جانور کو ذبح کیا جائے) میں لے جاتے وقت گھسیٹ کر لے جانا مکروہ ہے۔

(۳) آسانی سے جانور کو گرائے، بے جا سختی کرنا مکروہ ہے۔

(۴) قبلہ رُخ بائیں کروٹ لٹائے کہ جان آسانی سے نکلے، اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے۔

(۵) چار پیروں میں سے تین باندھے۔

(۶) چھری تیز رکھے، کُند چھری سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔
(۷) چھری اگر تیز کرنا ہو تو جانور سے چھپا کر تیز کرے، کیونکہ سامنے تیز کرنا مکروہ ہے
(۸) جانور کو لٹانے سے پہلے چھری تیز کرلے، بعد میں تیز کرنا مکروہ ہے۔
(۹) حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص جانور کو پچھاڑ کر یعنی گرا کر چھری تیز کرنے لگا، یہ دیکھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بکرے کو ایک سے زائد بار موت دینا چاہتے ہو۔
(۱۰) ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا مکروہ ہے۔
(۱۱) سختی سے ذبح نہ کرنا کہ سر الگ ہوجائے یا حرام مغز (گردن کے اندر کی سفید رگ) تک چھری اتر جائے کہ یہ مکروہ ہے۔
(۱۲) گردن کے اوپر سے ذبح کرنا مکروہ ہے اور منع ہے کیونکہ اس میں جانور کو ضرورت سے زائد ایذا رسانی ہے۔
(۱۳) ذبح کے بعد جانور کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے گردن علیحدہ نہ کرے اور چمڑا اتارے کہ یہ مکروہ ہے۔
مذکورہ بالا احکامِ قربانی کے جانور کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر ذبیحہ کے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۹۸ ج۱ بحوالہ ہدایہ، درمختار، شامی)۔

## قبلہ کی طرف رُخ کرنے کا مطلب

سُوال :۔ ذبح میں جانور کا منھ قبلہ کی طرف ہونا شرعاً ضروری ہے یا ذبح کرنے والے کا منھ، یا دونوں کا، اگر کوئی شخص جانور کا منھ قبلہ کی طرف یعنی پچھم کی طرف سر، دُم پورب کی طرف کر کے لٹائے، اور خود دکھن کی طرف منھ کرکے کھڑا ہوکر ذبح کرے تو جائز ہے یا نہیں؟
جواب :۔ ظاہراً کلامِ فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کرنے والے کا منھ قبلہ کی طرف ہونا سنت ہے، اور سنت بھی مؤکدہ، اس کو چھوڑنا بلا عذر مکروہ ہے جانور کے متعلق کہیں نظر سے صریحاً نہیں گذرا۔ (امداد الفتاویٰ ص۵۵۹ ج۳)

مستحب یہ ہے کہ جانور کو سیدھا کروٹ پر قبلہ رُخ لِٹا کر اس کے اوپر اپنا پاؤں رکھ کر ذبح کرے۔ (کفایت المفتی ص۲۵۸ ج۸)۔

(جانور کو قبلہ رخ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پر قبر میں میت کو لٹاتے ہیں کہ سر داہنی طرف اور پاؤں بائیں طرف، البتہ اگر ذبح کرنے میں دشواری ہو مثلاً کاٹنے والا تنہا ہے یا اور کوئی عذر ہے تو اس کے برعکس بھی کر سکتے ہیں تاکہ بائیں ہاتھ سے پکڑلے اور داہنے ہاتھ سے چُھری چلائے۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ)

## کس چیز سے ذبح کیا جائے؟

**سُوال:۔** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کل دشمن کے مقابلہ کے لیے جانے والے ہیں، ہمارے پاس چاقو نہیں ہیں پس کیا ہم بانس کی کھپچ وغیرہ یا کسی دوسری چیز سے ذبح کر سکتے ہیں؟

**جواب:۔** حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جلدی سے کوئی ایسی چیز لے کر جس سے خون بہہ جائے خدا کا نام لے کر ذبح کر دو اور اُس گوشت کو کھاؤ، البتہ جس چیز سے ذبح کرتے ہو وہ دانت اور ناخون نہ ہو، اس کی وجہ بھی بتلا دیتا ہوں۔ دانت سے ذبح کرنا اس لیے جائز نہیں کہ وہ ہڈی ہے اور ناخون سے اس لیے کہ وہ حبشیوں کا چاقو ہے۔ (بخاری و مسلم و ابوداؤد)۔

**شرح:۔** چونکہ یہ لوگ دشمن کے مقابلہ کے لیے جارہے تھے اور وہاں سے غنیمت میں ایسے جانوروں کے ملنے کی امید تھی جن کو ذبح کرکے کھایا جائے اور تلواروں سے ذبح کرنے کو یہ حضرات اس لیے پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی تیزی جاتی رہیگی اس لیے سوال کیا کہ دوسری چیز سے بھی ذبح جائز ہے یا نہیں۔ آپؐ نے ایسی ہر ایک چیز سے ذبح کرنے کی اجازت فرمادی جو تیز اور دھاردار ہو جس سے رگیں کٹ کر خون جاری ہو جائے۔ لیکن چونکہ بعض حبشی اور جنگلی لوگ ناخن اور دانت سے کاٹ کر بھی ذبح کر لیا کرتے تھے، اس لیے منع فرمادیا کہ دانت

سے ذبح نہ کرنا کیونکہ وہ ھڈی ہے اور ہڈی سے ذبح جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے ذبح کرنے سے وہ نجس ہو جائے گی اور ناخن سے ذبح کرنا حبشیوں کا طرز ہے، اس سے پرہیز لازم ہے۔

لیکن (علماء حنفیہ رحمہ کے نزدیک) اُس ناخن اور دانت سے ذبح کرنا حرام ہے جو اپنی جگہ پر لگا ہوا ہو، اگر اکھڑے ہوئے دانت اور ناخن سے ذبح کرے تو اگرچہ مکروہ ہے مگر حلال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے معلوم ہو گیا کہ ذبح کے لیے خون بہانے اور کاٹنے والی چیز ضروری ہے۔ پس اگر بسم اللہ کہہ کر لاٹھی ماری، غلہ یا پتھر مارا تو حلال نہ ہوگا (فتاوی محمدیہ صہ ۲۳)

جو چیز کاٹنے اور زخم لگانے والی ہو، اس سے ذبح جائز ہے۔ موٹی اور وزن دار چیزوں سے ضرب لگا کر زخم کر دیا تو ذبح جائز نہیں۔ کاٹنے والی چیز خواہ تیز پتھر ہو یا لکڑی یا کوئی گھاس ہو۔ (فتاوی محمدیہ صہ ۴۶ ج ۱)

**مسئلہ:** جس سے رگیں کٹ جائیں اور خون بہہ جائے، اس سے ذبح کرنا جائز ہے۔ (کفایت المفتی صہ ۱۸۰ ج ۸)۔

**مسئلہ:** حلال جانوروں کا تزکیہ (ذبح کرنا) دو قسم کا ہے، ایک اضطراری اور دوسرا اختیاری۔ اضطراری تزکیہ یہ ہے کہ کسی دھار دار یا باریک نوکدار چیز سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر جانور کے جسم میں جس جگہ ممکن ہو ضرب لگا کر خون بہا دیا جائے۔ یہ تزکیہ اس وقت مؤثر ہوتا ہے جب کہ جانور پر قابو پانا اور ذبح یا نحر کرنا ممکن نہ ہو (مثلاً جانور کسی جگہ پر مٹی یا بوجھ میں دبا ہوا ہے جب تک نکالا جائے گا، اندیشہ مرنے کا ہے۔ یا کھائی خندق وغیرہ میں گر گیا کہ زندہ نکالنا ممکن نہ ہو)۔

اختیاری تزکیہ یہ ہے کہ جانور کو دھار دار چیز سے ذبح کیا جائے، یا اونٹ کو نحر کیا جائے۔ (۲) ذبح کرنے سے بہنے والا خون نکل جاتا ہے، لیکن بہنے والے خون (دم سائل) کا نکالنا مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں اضطراری اور اختیاری کے فرق سے مختلف طریقوں سے لازم ہے۔ (۳) نمبر ۱ میں جو تفصیل ہے وہ

اضطراری اور اختیاری حالتوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۵۶ ج ۸)۔
مسئلہ :۔ قربانی کے جانور کو ایسی طرح ذبح کرنا چاہیئے کہ اسے غیر ضروری تکلیف اور ایذاء نہ ہو، کوئی ایسی حرکت جو جانور کو غیر ضروری ایذاء پہونچائے مکروہ ہے۔ ذبح کے لیے جگہ بھی پاک ہونی چاہیئے، ناپاک جگہ ذبح کرنا بہتر نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۵۹ ج ۸)۔
مسئلہ :۔ جس طرح بھی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے وہ ذبیحہ حلال ہے اگرچہ کھڑے ہوئے جانور پر چھری پھیر دی جائے، اور اگرچہ ذبح کرنے والا نماز اور روزہ کا غیر پابند ہو، مگر مسلمان ہو، اور ذبح کرنے والی رگیں کٹ جائیں۔ (عزیز الفتاویٰ ص۱۷۸ ج ۲)۔
مسئلہ :۔ سونا اور چاندی اور پیتل اگر تیز ہو، اس سے ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے، ایسا ہی پتھر اور ٹھیکری جو باریک ہے اور تیز لکڑی سے ذبح کرنے سے بھی حلال ہوتا ہے۔
مسئلہ :۔ بانس، پوست، اور جو چیز تیز ہو، اس سے بھی ذبح کرنے سے ذبیحہ حلال ہوتا ہے۔
مسئلہ :۔ اکھاڑے ہوئے دانت اور ناخن اور سینگ سے ذبح کرنے سے کھانا درست ہوتا ہے مگر اس طرح سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔
مسئلہ :۔ جو دانت یا ناخن اب تک بدن سے جدا نہیں ہوا اس سے ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتا۔
مسئلہ :۔ ذبح کے ہتھیار کو خوب تیز کرنا مستحب ہے اور جانور کو لٹا کر چھری تیز کرنا مکروہ تحریمی ہے۔
مسئلہ :۔ جانور کو ذبح کرنے کی جگہ تک پکڑ کے (الٹا یعنی پیچھے کی ٹانگوں کو آگے کی طرف سے) کھینچنا مکروہ تحریمی ہے۔ (خلاصۃ المسائل ص۱۰۹)
مسئلہ :۔ بعض عوام کہتے ہیں کہ جس چاقو سے جانور ذبح کیا جائے اس سے

حلال ہونے کی یہ شرط ہے کہ اس چاقو میں تین کیلیں ہوں۔ سو یہ محض غلط ہے۔ (اغلاط العوام ص۱۷۹)۔

## کس جگہ سے ذبح یعنی کاٹا جائے؟

مسئلہ:۔ ذبح دو طرح پر ہے، ایک اختیاری دوسرا اضطراری، پس ذبح اضطراری وہ ہے کہ ذبح کرنے کی جگہ (گردن) پر کسی عذر کی وجہ سے ذبح کرنے پر قادر نہ ہو جیسے کوئی جانور دیوار یا مٹی کے نیچے دب گیا، اُس کی گردن اور حلق مٹی کے نیچے ہے (یا کنویں کھائی پانی میں ڈوب رہا ہے، اور نکالنے تک اس کے مرنے کا اندیشہ ہے) یا کوئی جنگلی جانور کہ وہ دوڑ سے بھاگتا ہے ہرن وغیرہ، تو اس صورت میں حیوان کے بدن پر اگر کسی جگہ پر زخم کر سکے تو اس کو کھانا حلال ہوگا۔ اور ذبح اختیاری یہ ہے کہ ذبح کی جگہ میں ذبح کرنے پر قادر ہو۔ اور ذبح کرنے کی جگہ ٹھڈی کے نیچے جو ایک ہڈی باہر نکلی ہوئی ہے اُس کے نیچے اور جہاں سے سینہ شروع ہوتا ہے اس کے اوپر ہے۔ یہ ہدایہ اور جامع الرموز میں لکھا ہے۔ اور جامع صغیر میں لکھا ہے کہ تمام حلق ذبح کی جگہ ہے خواہ اوپر خواہ نیچے، خواہ درمیان میں ہو۔ (خلاصۃ المسائل ص۱۰۱)۔

مسئلہ:۔ جانور کے گلے کو یہاں تک کاٹے کہ چار رگیں کٹ جائیں۔ ایک نرخرا جس سے سانس لیتا ہے، دوسری وہ رگ جس سے دانہ پانی جاتا ہے اور دو شہ رگیں جو نرخرے کے داہنے اور بائیں ہوتی ہیں، اگر ان میں سے تین ہی کٹیں تب بھی ذبح درست ہے اور اس کا کھانا حلال ہے۔ اور اگر دو ہی رگیں کٹیں تو جانور مردار اور اس کا کھانا حرام ہے۔ اور اگر بھول جائے تو کھانا درست ہے۔ (بہشتی ثمر ص۵۲ ج۲)۔

مسئلہ:۔ گائے بھینس اگر کنویں میں گر جائے اور زندہ نکالنا دشوار ہو اور ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو کسی جگہ زخم کردینا کافی ہے اور کھانا حلال ہے۔ (عزیز الفتاوی ص۲۰۰ ج۱)

مسئلہ :- ذبح فوق العقدہ واقع ہوجائے تو مذبوح حرام نہیں ہوتا کیونکہ محلِ ذبح مابین لَبّہ اور لحیین ہے۔ اس میں ذبح واقع ہونے سے مقصودِ ذبح یعنی دمِ سائل (بہنے والا خون) اور روح نکل جاتی ہے۔ لہٰذا یہی قول راجح اور قوی ہے (یعنی ذبیحہ حلال ہے)۔ کفایت المفتی ص۲۵۸ ج۸)۔

اہلِ تجربہ سے معلوم ہوا کہ عروق ذبح فوق العقدہ ذبح کرنے سے بھی کٹ جاتی ہیں، لہٰذا اس کی حلت (حلال ہونے) میں شبہ نہیں۔ (عزیز الفتاوی ص۷۰۸ ج۱)۔

مسئلہ :- ذبح کرنے میں مرغی (یا کوئی جانور) کا گلا کٹ گیا یعنی الگ ہو گیا تو اس کا کھانا درست ہے مکروہ بھی نہیں۔ البتہ اتنا زیادہ ذبح کر دینا، یہ بات مکروہ ہے، مرغی (جانور) مکروہ نہیں ہوا۔ (بہشتی ثمر ص۵۲ ج )۔

## ذبح کے وقت بسم اللہ کے مسائل

سُوال :- یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض لوگ (جو نئے نئے مسلمان ہیں) ہمارے پاس گوشت بیچنے کے لیے لاتے ہیں، معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اس پر ذبح کے وقت خدا کا نام (بسم اللہ) لیا ہے یا نہیں۔ (کیونکہ وہ قواعدِ اسلامی سے پورے واقف نہیں) ایسے گوشت کا خریدنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- کچھ شبہ نہ کرو، تم اس کو خدا کا نام لے کر کھالیا کرو۔ (بخاری شریف)۔

تشریح :- آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ لوگ مسلمان ہیں اور ظاہر حال مسلمان کا یہ ہے کہ وہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرتا ہے تو تم دل میں شک و شبہات کو دخل نہ دو کہ شاید بسم اللہ چھوڑ دی ہو بلکہ بلا تکلف خدا کا نام لے کر کھالیا کرو۔ یہ مقصود نہیں کہ اگر انہوں نے خدا کا نام نہیں لیا ہوگا تو اس وقت تمہارا بسم اللہ پڑھنا کافی ہو جائے گا۔ اور نہ یہ منظور ہے کہ اگر درجۂ یقین کو پہونچ جائے کہ انہوں نے ذبح کے وقت خدا کا نام نہ لیا ہو، تب بھی کھاتے رہو بلکہ ایسے موقع پر گمانِ غالب پر حکم دیا جاتا ہے کہ جب ان کے حال اور قرینہ سے نہ سمجھا جائے اور

غالب گمان ہو جائے کہ خدا کا نام لے کر ذبح کیا ہوگا تب کھانا جائز ہے۔ چناں چہ بعض روایات میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے خوب قسمیں لے لیا کرو کہ خدا کے نام سے ذبح کیا ہے تب کھایا کرو، اگر غالب گمان بسم اللہ چھوڑ دینے کا ہو تو کھانا حرام ہے۔ (فتاویٰ محمدیہ ص۳۵ ج۱)۔

مسئلہ:۔ بھول سے بسم اللہ چھوٹ جائے، حلال ہے۔ لہٰذا ذبیحہ بھی حلال اور قربانی بھی درست ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص۵۵۸ ج۲)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے بسم اللہ کو سہواً ترک کیا تو ذبح کیا ہوا کھانا درست ہوگا۔

مسئلہ:۔ ذبح اختیاری میں شرط ہے کہ بسم اللہ ذبح کے ساتھ متصل ہو یعنی بسم اللہ کہتے ہی ذبح کرے اور کوئی کام بسم اللہ پڑھنے کے بعد ذبح کرنے سے پہلے نہ کرے، یہاں تک کہ اگر کسی نے بکری کو لٹا کے بسم اللہ پڑھی اور اس کے ذبح نہ کر کے چھوڑ دیا، پھر دوسری بکری کو اُسی بسم اللہ سے ذبح کیا تو وہ ذبیحہ کھانا درست نہ ہوگا۔ (خلاصۃ المسائل ص۱۰۸)۔

مسئلہ:۔ جس جانور پر بسم اللہ اللہ اکبر کی جگہ بسم اللہ سنت ابراہیم خلیل اللہ کہہ کر ذبح کیا جائے اس سے ذبیحہ حرام نہیں ہوتا، البتہ اس طرح پڑھنا خود مکروہ ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص۶۰۲ ج۳)۔

مسئلہ:۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس قدر آدمی جانور کر لیتے (اس میں حصہ دار بنتے) ہیں سب کو "ذبح کے وقت" بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔ اگر ایک بھی نہ کہے گا تو قربانی نہ ہوگی، یہ بالکل غلط ہے صرف ذبح کرنے والے کو کہنا ضروری ہے

مسئلہ:۔ بعض لوگ قربانی کے لیے ایک دعا پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کتابوں میں قربانی کے جانور کے ذبح کرنے کی ایک دعا بھی لکھی ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ بغیر اس دعا کے بھی قربانی جائز ہو جاتی ہے۔ یہ دعا صرف مستحب ہے ضروری نہیں۔ (اغلاط العوام مکمل ص۱۳۴)۔

مسئلہ:۔ جو شخص چھری چلانے والے کے ساتھ چھری چلانے میں شریک ہو اس پر

بسم اللہ اللہ اکبر وغیرہ کہنا واجب ہے۔ ہاتھ، پیر، منھ، پکڑنے والا شریک نہیں ہے بلکہ محض مُعین ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص۵۴۷ ج۳)۔

**مسئلہ:-** ذبح کرتے وقت بسم اللہ واللہ اکبر واؤ کے ساتھ کہنے میں ہمارے بعض فقہاء کو کچھ کلام ہے اور بسم اللہ اللہ اکبر یعنی بغیر واؤ کے کسی کو بھی کچھ کلام نہیں تو بلا واؤ کو اختیار کرنا غالباً مقتضائے احتیاط ہونا چاہیئے، باقی جواز میں کسی جانب کوئی تامل نہیں ہے اور متفق علیہ اختیار کرنا بھی اس لیے اچھا ہے، ہاں یہ ضروری ہے بالواؤ کو بھی جائز سمجھا جائے۔ روایات احادیث اس بارہ میں مختلف ہیں۔ احادیث فعلیہ میں بعض میں بسم اللہ واللہ اکبر وارد ہے۔ بعض میں اللہ اکبر مقدم اس کے بعد بسم اللہ پر ذبح کرنا مذکور ہے۔ اور بعض میں تسمیہ مذکور ہے۔ اور احادیث قولیہ میں سے اکثر روایات میں تسمیہ مجردہ (خالی بسم اللہ) کا حکم ہے۔ بڑے بڑے علماء و فقہاء کے بسم اللہ اللہ اکبر کو مستحب لکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے جب کہ باوجود علم اس امر کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالواؤ منقول ہے بلا واؤ کو ترجیح دیا ہے بخیال احتیاط و تجرید تسمیہ اور عوام الناس کو یہ بتلانے کے لیے کہ بسم اللہ اور ذبح میں فصل نہ ہونا چاہیئے، ایسا کہا ہے لیکن اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ محققین جیسے علامہ عینی رح وغیرہ نے یہ فرمادیا کہ بعد اس کے کہ بالواؤ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے مکروہ نہ ہونا چاہیئے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۰۰۷ ج۱)۔

**مسئلہ:-** قربانی کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے، زبان سے کہنا ضروری نہیں، البتہ ذبح کرنے کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔ (جواہر الفقہ ص۴۵۰ ج۱)

## بسم اللہ سے متعلق ایک سوال

**سوال:-** ایک شخص ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر شریعت ہے، کہتا ہے کیا ذبیحہ درست ہے؟

**جواب:-** ذبح کے وقت مسنون و مستحب یہ ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔ اگر اللہ اکبر شریعت ہے کہہ کر ذبح کیا اگرچہ ذبیحہ حلال ہے مگر ایسا نہ

کہنا چاہیئے، اچھا نہیں ہے۔ اگر صرف اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے تب بھی درست ہے۔ شامی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں ذبیحہ حلال ہے مگر اس طرح کہنا خلافِ سنت ہے، اس وجہ سے مکروہ ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۶۹۸ ج ۱)

**مسئلہ:** علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ سورۂ برأت کو جو قتلِ کفار کے حکم پر مشتمل ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے خالی رکھا گیا ہے کیونکہ یہ کلمۂ رحمت ہے جو موقع کا مقتضی نہیں ہے، اسی طرح جانور کو ذبح کرتے وقت بھی صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہنا مقرر کیا گیا ہے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، کیونکہ ذبح کی صورت میں قہر و عذاب کی شکل ہے اور یہ کلمۂ رحمت (یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کا محل اور مقتضی نہیں ہے۔ (مظاہر حق جدید ص ۴۶ ج ۳)۔

(شرعی حکم تو یہ ہے کہ ایک مسلمان اگر ذبح کرتے وقت زبان سے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا بھول جائے تب بھی ذبیحہ حلال ہوگا کیونکہ اس کے مسلمان ہونے کی بناء پر فرض کر لیا جائے گا کہ اس نے خدا کے سوا کسی کے نام پر یہ فعل انجام نہیں دیا ہے؛ نیز اللہ اکبر کا اضافہ بھی ضروری نہیں۔ صرف لفظ "بسم اللہ" کافی قرار پا سکتا ہے مگر یاد رکھیے کہ بھول جانا اور بات ہے، لیکن جان بوجھ کر بسم اللہ ترک کرنا اور اس کے تلفظ کو ایک معصیت سمجھ لینا بالکل دوسری بات ہے۔ یہ دوسری بات بہت سخت ہے اور آخرت میں اس پر شدید پکڑ ہو سکتی ہے، اور ذبیحہ بھی حرام ہے۔ (رفعت قاسمی)

## قربانی کی دُعاء

**مسئلہ:** اپنا داہنا پاؤں جانور کے شانے پر رکھے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔ قربانی کی نیت صرف دل میں کر لینا کافی ہے، زبان سے کہنا ضروری نہیں۔ البتہ ذبح کرتے وقت صرف ذبح کرنے والے کو بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔ (تاریخ قربانی ص ۵۲)۔

**مسئلہ:** قربانی کرتے وقت زبان سے نیت کرنا اور دُعاء پڑھنا ضروری نہیں ہے، اگر دل میں خیال کر لیا کہ میں قربانی کرتا ہوں اور زبان سے کچھ بھی نہیں پڑھا فقط بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دیا تو بھی قربانی درست ہو گئی، لیکن اگر یاد ہو تو

دعا پڑھ لینا بہتر ہے۔ (شامی صفحہ ۲۷۲ ج ۵)۔

**مسئلہ**:۔ جب قربانی کا جانور قبلہ رُخ لٹائے تو پہلے (اگر یاد ہو بہتر ہے) یہ آیت پڑھے:۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (پارہ ۸ نصف)۔

اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا اگر یاد ہو تو پڑھے:۔ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ، پھر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر ذبح کرے! اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا (اگر یاد ہو تو بہتر ہے) پڑھے:۔ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِیْلِكَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔ اور اگر کسی اور کی طرف سے ذبح کر رہا ہے تو "مِنِّیْ" کی جگہ مِنْ فلاں کہے اور فلاں کی جگہ اس کا نام لے لے (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۲۸ ج ۱)۔

## گوشت کی تقسیم کے مسائل

**سُوال**:۔ ایک شخص جو اپنی قربانی میں سے سری پائے یا کوئی حصہ سقہ بھنگی اور فقیر کو ان کا حق سمجھ کر دیتا ہے، کیا اس کی قربانی صحیح ہے؟

**جواب**:۔ قربانی ادا ہو جاتی ہے مگر کراہت کے ساتھ اور اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے کہ سری پائے کی جو قیمت ہو اندازہ کر کے اس کا صدقہ کرے ورنہ گنہگار رہے گا۔ اور یہ سب اس وقت ہے جب کہ خدمت پیشہ لوگوں کو مقرر کر کے بطور حق الخدمت دے، کیونکہ وہ بحکم بیع (بیچنے کے حکم میں) ہے، اور اگر اتفاقی طور پر کسی خدمت گار کو دے دیا جائے تو مضائقہ نہیں، بشرطیکہ رسم نہ پڑے۔ (امداد المفتین صفحہ ۹۶۵ ج ۲)۔

**مسئلہ**:۔ قربانی کا گوشت خود کھائے اور اپنے رشتہ ناطہ کے لوگوں کو دے دے اور فقیروں محتاجوں کو خیرات کرے۔ اور بہتر یہ ہے کہ تہائی حصہ خیرات کرے، خیرات میں تہائی سے کمی نہ کرے، لیکن اگر کسی نے تھوڑا ہی گوشت خیرات

کیا تو بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ (بہشتی زیور صـ۴۱ ج ۳، بحوالہ الہدایہ صـ۴۳۵ ج ۴)۔

**مسئلہ:** بڑے جانور میں اگر سات آدمی شریک ہوئے تو گوشت تقسیم کرتے وقت اٹکل (اندازے) سے نہ بانٹیں بلکہ خوب ٹھیک ٹھیک تول کر بانٹیں، نہیں تو اگر کوئی حصہ زیادہ یا کم رہے گا سود ہو جائے گا اور گناہ ہوگا، البتہ اگر گوشت کے ساتھ کلّہ پائے اور کھال کو بھی شریک کر لیا تو جس طرف مذکورہ چیزیں ہوں اس طرف اگر گوشت کم ہو تو درست ہے چاہے جتنا کم ہو جس طرف گوشت زیادہ تھا اس طرف کلّہ پائے شریک کیے تو بھی سود ہوگیا اور گناہ ہوا۔ (بہشتی زیور صـ۳۹ ج ۳، بحوالہ در مختار صـ۲۳۲ ج ۲)۔

**مسئلہ:** قربانی کا گوشت یا چربی یا چھیچھڑے قصائی کو مزدوری میں نہ دے بلکہ مزدوری اپنے پاس سے الگ دے۔ (شامی صـ۲۷۴ ج ۵)۔

(مسئلہ تو یہی ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کر لیے جائیں ایک اپنے گھر کے لیے، دوسرا رشتہ دار و احباب کے لیے، اور تیسرا فقرا اور محتاجوں کے لیے۔ لیکن اگر اہل و عیال زیادہ ہیں اور گوشت کی خود ضرورت ہے تو اپنے گھر کے لیے رکھ سکتا ہے، صدقہ نہ کرے۔ بعض جگہ گوشت تقسیم کرنے میں بڑی بے احتیاطی برتی جاتی ہے کہ اصل مستحق تک گوشت نہیں پہونچتا ہے، بلکہ اپنے دوست اور رشتہ دار کو پہونچاتے ہیں جن کے گھر سے گوشت آیا ہے، یا آنے کی امید ہے، بدلہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ضرورت مند کو دینے میں زیادہ ثواب ہے۔ اسی لیے گوشت کی بے حرمتی ہوتی ہے، دفن کرتے ہیں یا سڑکوں پر پھینکا ہوا نظر آتا ہے۔ ہر جگہ ضرورت مند ہوتے ہیں ان کا خیال رکھا جائے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

**مسئلہ:** میت کی طرف سے قربانی کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ اگر مرنے والے نے حکم یا وصیت کی تھی تو اس گوشت کو صدقہ کر دے، خود نہ کھائے۔ اور اگر بلا امر و وصیت

میت ہے تو اس کو خود بھی کھا سکتا ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۲۲۳ ج۱)۔

مسئلہ :۔ اپنی طرف سے میت کو ثواب پہونچانے کے لیے جو کرتا ہے تو اس کا وہی حکم ہے جو اپنی قربانی کا۔ یعنی جس قدر چاہے صدقہ کرے، جس قدر چاہے رکھ لے لیکن میت کی وصیت کردہ قربانی کھانا جائز نہیں، کل گوشت وغیرہ کا صدقہ کرنا چاہیے۔ نیز نذر مانی ہوئی قربانی کا گوشت بھی کھانا جائز نہیں، سب کا صدقہ کر دے۔ (فتاویٰ محمدیہ ص۴۰ ج۱)۔

مسئلہ :۔ اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ کیا کہاروں اور چماروں کو بھی قربانی کا گوشت دینا جائز ہے؟ جواب یہ ہے کہ جائز ہے بشرطیکہ کسی کام کی اجرت میں نہ دیا جائے

مسئلہ :۔ عموماً کلہ پارچہ میں کمینوں کا حق سمجھا جاتا ہے تو اگر حق الخدمت سمجھ کر دیا تو اس قدر گوشت کے برابر (جو حق سمجھ کر دیا ہے) قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ (اغلاط العوام ص۱۳۵)۔

مسئلہ :۔ عموماً قربانی کے جانور میں لازم سمجھتے ہیں کہ پائے حجام (نائی) کا حق ہیں اور سری سقہ کا حق ہے۔ (یہ بھی غلط ہے)۔ (اغلاط العوام مکمل ص۱۳۶)

مسئلہ :۔ اگر قربانی میں چند آدمی شریک ہوں اور سب کے سب اس بات پر راضی ہوں کہ گوشت کو بانٹا نہ جائے بلکہ ایک ہی جگہ پکا کر کھایا (یا تقسیم کیا) جائے یا کسی کو دے دیا جائے یا صدقہ کر دیا جائے تو یہ جائز ہے، لیکن اگر ان میں سے کوئی بھی اس کے خلاف ہو اور وہ اپنا حصہ بانٹ کر لینا چاہتا ہو تو تقسیم کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ :۔ قربانی کا گوشت اندازے سے بانٹنا جائز نہیں، وزن کر کے برابر بانٹنا ضروری ہے۔ اگر کسی حصہ میں کمی بیشی ہوگی تو سود ہو جائے گا، اور سود لینا، دینا، کھانا سب حرام ہے۔ (تو ضروری ہے کہ تول کر تقسیم کیا جائے) (شامی ص۲۰۹ ج۵)۔

مسئلہ :۔ قربانی کے جانور کی رسی اور جھول کا صدقہ کر دینا مستحب ہے

(عزیز الفتاویٰ ص ۷۲۴ ج ۱)۔

(اور اگر فروخت کر دی ہو تو اس کی قیمت کا صدقہ کر دینا واجب ہے۔
لیکن جانور کی رسّی وہ رسّی کہلائے گی جو بیچنے والے جانور کے ساتھ
خریدنے والے کو دیتے ہیں۔ رسّی وغیرہ کو خود بھی استعمال کر سکتا
ہے اور کسی کو ہدیہ میں بھی دے سکتا ہے لیکن فروخت کرنے پر
قیمت کا صدقہ واجب ہو جاتا ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔ قربانی کا گوشت بھنگی (جمعدار) کو دینا درست ہے (عزیز الفتاویٰ و مجموعہ ص ۵۱ ج ۳)

مسئلہ:۔ اگر میت اپنے ترکہ میں سے قربانی کرنے کی وصیت کر کے مرا ہے تو اس قربانی کا تمام گوشت مساکین کو دینا واجب ہے، اور اگر کوئی شخص اپنے مال سے تبرعاً میت کی طرف سے قربانی کرے، اس میں قربانی کرنے والے کو اختیار ہے جتنا چاہے کھائے، جتنا چاہے تقسیم کرے، خواہ کُل خود کھائے۔
(امداد الفتاویٰ ص ۵۳۳ ج ۳)۔

مسئلہ:۔ اگر مشترکہ حصّوں میں سے آپس کی رضامندی سے تقسیم سے پہلے کسی شخص کو کچھ گوشت وغیرہ دے دیا تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر شرکاء میں سے کسی نے قربانی کی نذر نہ کی تھی تو جائز ہے، کیونکہ تقسیم واجب نہیں، کہ ترکِ واجب سے کوئی عذر لازم آئے۔ اور اگر اس میں یعنی قربانی میں کسی کا نذر (میت) کا حصہ تھا اور مالدار کو دیا تو جائز نہیں، کیونکہ تقسیم کر کے ناذر (نذر کرنے والے) کا حصہ فقراء کو صدقہ کرنا واجب ہے، پس قربانی تو جائز ہو جائے گی لیکن نذر کرنے والے پر اپنے اس گوشت کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے جو کسی مالدار کو دے دیا گیا ہو، (امداد الفتاویٰ ص ۵۴۹ ج ۳)

مسئلہ:۔ قربانی گو خود واجب ہو مگر گوشت تقسیم کرنا واجب نہیں ہے پس وہ ہدیہ ہو گیا یا صدقہ نافلہ، لہٰذا کافروں کو دینا جائز ہے۔ البتہ جس قربانی کا گوشت تقسیم کرنا واجب ہو (مثلاً نذر، منّت وغیرہ) اس میں سے دینا جائز نہیں ہے۔
(امداد الفتاویٰ ص ۵۵۱ ج ۳)۔

مسئلہ :- کوئی واقعی مصلحت ہو تو دغیر قوم کو قربانی کا گوشت) دے سکتے ہیں، مگر بہتر نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں میں غربار کی کمی نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۵ ج۲)

مسئلہ :- قربانی کا گوشت بھنگی (جمعدار) کو دینا درست ہے (عزیز الفتاویٰ ص۲۶۱ ج۱)

مسئلہ :- گائے (بڑے جانور) کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، اپنے ہوں یا بےگانے (غیر)۔ اور اگر اپنے بھائی وغیرہ رشتہ دار ایک گھر کے رہنے والے ہیں تو گوشت تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (اگر چاہیں تو) سب اکٹھا گوشت رکھیں اور کھائیں۔ شامی میں اس کی تصریح کی گئی ہے کہ تقسیم کرنا لازم نہیں ہے۔ اگر تقسیم کریں اور نہ کریں تو کچھ حرج نہیں ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۷۱۸ ج۲)

مسئلہ :- قربانی کا مسئلہ اس طرح ہے کہ ایک بڑے جانور میں سات افراد تک شریک ہو سکتے ہیں (یعنی بڑے جانور میں سات حصے ہوں گے) ساتوں شریک یا جس قدر شریک ہیں پانچ یا چھ وہ سب وزن تول کے ساتھ گوشت تقسیم کر کے ہر ایک شریک اپنے حصہ کو خواہ خود کھائے یا دوسروں کو کھلائے، مگر بہتر یہ ہے کہ اپنے حصے کے گوشت کے تین حصے کر کے ایک حصہ خود رکھے اور ایک حصہ احباب و اقرباء کو تقسیم کرے۔ اور ایک حصہ فقراء کو دے۔ اور اگر کنبہ والے کو ضرورت ہو یہ بھی درست ہے کہ سب گوشت خود ہی رکھے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۷۱۹ ج۱)۔

مسئلہ :- ایک تہائی گوشت صدقہ کر دینا مستحب ہے لیکن عیال دار اور قبیلہ دار شخص کے لیے بہتر یہی ہے کہ صدقہ نہ کرے، اپنے اہل و عیال کے لیے تمام گوشت رہنے دے۔ (فتاویٰ محمدیہ ص۷۷ ج۱)۔

## گوشت کھانے کے مسائل

مسئلہ :- قربانی کا گوشت خود کھانا، اور مالدار اور فقیر کو دینا اور سکھا کر رکھنا درست ہے۔ (خلاصۃ المسائل ص۱۱۶)

مسئلہ :- اوجھڑی اور کھری کھانا درست ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص۵۵۲ ج۱)

مسئلہ :- (جائز طریقہ سے ذبح کیے ہوئے کا) کچا گوشت کھانا جائز ہے،

پکانا حلال ہونے کی شرط نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ مذبوحہ جانور کے خصیے اور عضوِ تناسل کا کھانا مکروہ تحریمی ہے، اوجھڑی (بٹیں) بلاکراہت حلال ہے۔ (کفایت المفتی صفحہ ۲۹۵ ج ۸)۔

مسئلہ:۔ جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے، اس کے سات اجزاء یعنی سات چیزیں کھانی حرام ہیں۔

(۱) ایک دمِ مسفوح یعنی بہنے والا خون۔ (۲) پیشاب کی جگہ (ذکر)۔ (۳) دونوں خصیے (فوطے)۔ (۴) پاخانے کی جگہ (مقعد)۔ (۵) غدود۔ (۶) مثانہ یعنی وہ جگہ جس میں پیشاب رہتا ہے۔ (۷) پتہ۔ (بدائع صنائع صفحہ ۶۱ ج ۵)۔

کنز میں حرام مغز کو بھی حرام لکھا ہے، وہ ایک ڈوری سفید دودھ کی طرح پیٹھ کی ہڈی کے اندر کمر سے لے کر گردن تک ہوتی ہے اس کو حرام مغز کہتے ہیں۔ اور بعض علماء نے مقعد پر جو تین گرہیں ہوتی ہیں ان کو بھی حرام لکھا ہے۔ (خلاصۃ المسائل صفحہ ۱۰۸)۔

مسئلہ:۔ سری اور پائے کا مع کھال کے پکانا اور کھانا جائز ہے (صرف بال جلا کر پکائے جاتے ہیں اس کے متعلق یہ مسئلہ ہے)۔ (کفایت المفتی صفحہ ۲۶۶ ج ۸)۔

مسئلہ:۔ قربانی کے گوشت کو آگ پر بھون کر کھانا درست ہے۔ (عزیز الفتاوی صفحہ ۷۰۹ ج ۱)۔

## منجمد خون کے گوشت کا حکم

جب کہ ذبح کرتے وقت جانور کے جسم میں حرکت نہ ہوا اور خون بھی منجمد پایا جائے تو وہ حلال نہیں ہے جن لوگوں نے غلطی سے (اس کا گوشت) کھا لیا، وہ صرف توبہ کریں کوئی اور کفارہ ان کے ذمہ نہیں۔ (کفایت المفتی صفحہ ۲۴۰ ج ۸)۔

مسئلہ:۔ اگر ذبح کے قبل متصلاً اس کی حیات (زندگی) یقینی ہو تب تو ذبح سے وہ حلال ہوتا ہے خواہ حرکت کرے یا نہ کرے اور خون نکلے یا نہ نکلے، اور اگر حیات یقینی نہ ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس جانور کو ایسی حرکت ہو جو علاماتِ حیات

کی ہوں جیسے منھ بند کرلینا یا آنکھ کا بند کرلینا یا پاؤں سمیٹ لینا یا بال کھڑے ہو جانا یا اتنا خون نکلے جیسا زندہ کے نکلتا ہے تب تو وہ حلال ہے۔ (امداد الفتاوی ص۵۵۲ ج۳)

مسئلہ:۔ ذبح کرنے کے وقت جانور اگر کانپا یا آواز کی اگرچہ اس وقت خون نہ دیا حلال ہے (عزیز الفتاوی ص۷۵۱)۔

## غیر مسلم سے گوشت خریدنا

جن مقامات میں مذبح (ذبح کرنے کی جگہ) مقرر ہے اور اس میں مسلمان ذبح کرنے والے متعین ہیں اور مذبح کے علاوہ دوسری جگہ جانور ذبح کرنا جرم ہے۔ ایسے مقامات میں اس امر کا ظنِ غالب موجود ہے کہ بازار میں فروخت ہونے والا گوشت مسلمان ہی کا ذبح کیا ہوا ہے اور اس ظنِ غالب کی بنا پر اُسے خریدنا اور استعمال کرنا جائز ہے۔

جہاں مذبح مقرر نہیں اور ذبح اور ذابح پر کوئی پابندی نہیں ہے وہاں کے ذبح کرنے کے بعد مسلمان کی نظر سے غائب نہ ہونے تک ہندو سے خریدنا جائز ہوگا اور نظر سے غائب ہو جانے کے بعد اس کا اطمینان نہیں کہ یہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے یا نہیں۔ اس لیے اس کا خریدنا ناجائز ہوگا۔

جہاں پر گھروں میں جانور ذبح کرنے پر کوئی قانونی پابندی نہیں ہے تو ایسے مقام پر غیر مسلم سے گوشت خریدنا جائز نہیں ہے بلکہ مسلمان ذابح کا ذبح کیا ہوا گوشت بھی غیر مسلم سے اس وقت خریدنا جائز ہے کہ ذبح کے وقت سے خریدنے کے وقت تک مسلمان کی نظر سے غائب نہ ہو۔ (کفایت المفتی ص۲۶۰ ج۸)۔

## غیر مسلم سے گوشت منگانا

اس مسئلہ میں غالب ظن کا اعتبار ہے، اگر غالب گمان یہ ہو کہ غیر مسلم مسلمان سے ہی حلال گوشت لایا ہے تو اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر احتیاط یہی ہے کہ مسلم کے ذریعہ سے گوشت منگایا جائے۔

مسئلہ:۔ مچھلی ہندو یا کسی اور غیر مسلم کے پاس سے (بھی) بہرصورت خریدنی جائز ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۶۱ ج۸)۔

**مسئلہ**:۔ قربانی کے گوشت کا حکم قربانی کی کھال کی مانند ہے کہ اگر فروخت کیا جائے گا تو اس کا حکم صدقہ واجبہ کا ہے۔ یعنی صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص۵۷۲ جلد نمبر۳)۔

## گوشت کا دھونا

**سوال**:۔ ذبح کے بعد جو گوشت جانور سے علٰحدہ کیا جاتا ہے، کیا اس کو پاک کر کے پکانا چاہیئے؟۔

**جواب**:۔ حامداً و مصلیاً۔ اس کو دھونے کی ضرورت نہیں، وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۳۱۶ ج ۲، بحوالہ طحطاوی ص۸۳ ج۱)۔

(مطلب یہ ہے کہ اگر دھونا چاہے تو دھو سکتا ہے، لیکن ناپاک سمجھ کر پاک کرنا غلط ہے۔ کیونکہ وہ پاک ہے، محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

## مشتبہ ذبیحہ کا گوشت کھانا

**سوال**:۔ (قربانی وغیرہ کا) جانور گم ہو گیا مالک نے دیکھا کہ جنگل میں جانور کے گلے پر چھری پھری ہوئی ہے محض گوشت ہی گوشت ہے، مگر اس نے سینگ و کھر وغیرہ سے پہچان لیا کہ اس کا ہی یہ جانور ہے، تو گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟ ذبح کرنے والا معلوم نہیں کون ہے، اور بسم اللہ کا بھی علم نہیں ہے، کیا حکم ہے؟

**جواب**:۔ اس جانور میں وجہ اشتباہ دو ہیں۔ اولؔ یہ کہ یہ جانور خود اس کا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ذبح کرنے والا کون ہے اور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھی یا نہیں؟

پہلے شبہ کا حکم کہ اگر مالک نے اس کے سینگ اور کھر وغیرہ سے اچھی طرح پہچان لیا ہے اور اُسے یقین یا گمان غالب ہے کہ یہ میرا ہی ہے تو وہ اس کی ملک ہے، اسے استعمال جائز ہے۔

دوسرے شبہ کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ جانور ایسے مقام پر پایا جائے کہ وہاں مسلمانوں کی آبادی ہے اور اس کے قرب وجوار میں غیر مسلم نہیں تو ظنِ غالب ہے کہ اسے کسی مسلمان نے ہی ذبح کیا ہوگا اس کا کھانا جائز ہے۔ لیکن اگر اس جگہ غیر مسلم لوگوں کی آبادی ہے، یا ملی جلی آبادی ہے یا غیر مسلم اس جگہ یہ کام کرتے ہوں (یعنی جانوروں

کے چمڑے اُتار کر گوشت چھوڑ جایا کرتے ہوں تو ان حالات میں اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۵۳ ج ۸)۔

## قربانی کا پکا ہوا گوشت نوکر کو کھلانا

سُوال:- نوکر رکھنے کا عام طریقہ یہ ہے کہ سالانہ تنخواہ مقرر کر لیتا ہے۔ خوراک کا ذکر نہیں کرتا مگر عرف و عادت کی بنا پر ملازم کا کھانا مالک کے ذمہ ہے، البتہ اگر مالک ملازم کے کھانے سے سبکدوش ہونا چاہے تو مقررہ تنخواہ پر کچھ اضافہ کرنا پڑتا ہے۔ کیا مالک کی قربانی کا گوشت نوکر (ملازم) کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- وہ گوشت جب مالک نے اپنے گھر کے لیے پکایا تو اس کے تصرف سے قربانی کا حکم ختم ہو گیا، اب اس کے گھر میں پکا ہوا اپنے تصرف کے لیے سالن ہے اور اس ملازم کو کھلانے میں کوئی حرج نہیں جس کی اجرت میں کھانا بھی شامل ہے۔ (محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی)۔

مذکور فی السوال نوکر کے لیے مالک کے یہاں قربانی کا گوشت پکا ہوا کھانا جائز ہے اور اس گوشت عقیقہ و قربانی کی یہ بیع (فروختگی) نہیں۔ یا اجرت میں محسوب نہیں اس لیے کہ جب مالک اور صاحبِ قربانی نے اپنے گھر میں اس کو پکایا اور اپنے استعمال اور تصرف میں لے آیا۔ تو قربانی اور عقیقہ کے گوشت کا حکم ختم ہو گیا، اب استعمال و تصرف کے بعد اس کی خالص ملک ہے، قربانی کا گوشت نہیں، جس کو اجرت سمجھ کر ناجائز قرار دیا جائے۔ بلکہ اب وہ جس طرح روٹی ہے اسی طرح پکا ہوا سالن ہے، اس کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اگر وہ شخص اپنے استعمال میں نہ لاتا اور اس کو نمک، مرچ، مصالحہ، گھی، تیل وغیرہ ڈال کر نہ پکاتا بلکہ ویسا ہی رہتا تو شبہ کی گنجائش تھی جو صورتِ سوال میں مذکور ہے، یہاں یہ صورت نہیں ہے۔

خلاصہ! کہ تصرف و استعمال میں لانے اور پکانے کے بعد پھر وہ گوشت اس کی خاص ملک ہو جاتا ہے، لہٰذا اس میں سے مذکورہ نوکر کو کھلانا جائز ہے۔ فقط کتبہ

سید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند۔ مورخہ ۲ر محرم ۱۳۶۹ھ۔
تفصیل دیکھیے (امداد المفتین ص ۹۶۶ ج ۲)۔
(یہاں پر یہ اشکال تھا کہ نوکر، خادم کا کھانا کھلانا جزوِ تنخواہ ہے، تو کیا قربانی کا گوشت اس کو کھلانے سے اجرت تو نہیں ہو گیا؟
خلاصۂ جواب یہی نکلا کہ بچانے پر بھی تو لاگت آتی ہے، اس لیے یہ کھانا اجرت میں شمار نہ ہوگا۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

## قربانی کی کھال میں تین قسم کے اختیارات ہیں

الف:۔ گوشت اور چمڑا جب تک خود موجود ہے اس میں قربانی کرنے والے کو تین قسم کے اختیارات شرعاً حاصل ہیں:۔
(۱) خود کھانا اور استعمال کرنا۔ (۲) دوسرے احباب اغنیاء (مال داروں) کو کھلانا اور استعمال کرانا۔ (۳) فقراء و مساکین پر صدقہ کر دینا۔
ب:۔ اور اگر قربانی کا چمڑا یا گوشت نقد روپیہ کے عوض یا کسی ایسی چیز کے عوض فروخت کر دیا جس سے نفع اٹھانا اس کی اصل کے رہتے ہوئے ممکن نہ ہو جیسے کھانے پینے کی چیزیں تو اس صورت میں تیسری صورت متعین ہو جاتی ہے یعنی صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے، خود کھانا یا اغنیاء کو کھلانا جائز نہیں رہتا، خواہ صدقہ کرنے کی نیت سے فروخت کیا ہو یا اپنے کھانے پینے کے لیے، ہر حال میں صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔
ج:۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فروخت کرنا قربانی کے گوشت یا چمڑے کا، اگر صدقہ کرنے کی نیت سے ہو تو جائز ہے۔ اور اگر اپنے کھانے پینے کی غرض سے ہو تو گناہ ہے لیکن بیع صحیح ہو جاتی ہے۔
قربانی کی کھال (اور گوشت)، کو اگر فروخت کر دیا جائے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے اور مصرف اس کا صرف فقراء و مساکین ہوتے ہیں اغنیاء کو نہیں دیا جا سکتا۔ اور اسی طرح مدرسین کی تنخواہوں میں بھی صرف نہیں

کیا جا سکتا، کیونکہ صدقہ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مسکین (غریب) کو بغیر کسی معاوضہ کے دیا جائے۔ اور اگر تنخواہوں میں دیا گیا تو اُجرت ہو جائے گی اور اگر مالدار کو دیا گیا تو حقیقتاً ہبہ ہوگا، گو لفظِ صدقہ کہا جائے۔

ہاں اگر گوشت اور کھال جب کہ خود موجود ہوں تو ان کا خود کھانا اور استعمال کرنا یا کسی مالدار کو دے دینا۔ اس کو شریعت نے جائز رکھا ہے وہ بھی اس حیثیت سے کہ بنصِ حدیث یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی مہمانی ہے اور ظاہر ہے کہ مہمان کو کھانے پینے کی اجازت ہوتی ہے فروخت کرنے کی نہیں۔

## خلاصۂ کلام

یہ ہے کہ چرمِ قربانی فروخت کرنے سے پہلے تو خود بھی استعمال کر سکتا ہے اور اغنیار کو ہدیۃً بھی دے سکتا ہے اور فقرار و مساکین پر صدقہ بھی کر سکتا ہے لیکن اگر روپیہ پیسوں کے عوض فروخت کر دیا تو خواہ کسی نیت سے فروخت کیا ہو، اس کا صدقہ کر دینا واجب ہو جاتا ہے۔ اور اس کا مصرف صرف فقرار و مساکین ہیں۔ اغنیار کو دینا یا ملازمین و مدرسین کی تنخواہوں میں دینا جائز نہیں۔ (جواہر الفقہ ص۴۵۷ ج۱)

## مساجد میں کھالیں دینا

سُوال:- قربانی کی کھالیں جب فروخت کر دی جائیں، ان کی قیمت کس قسم کے صدقہ میں شمار ہیں، اور ان کے مصارف کیا ہیں اور مسجدوں کی تعمیر وغیرہ میں ان کا صَرف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟۔ اگر یہ کھالیں مساجد کے متولیان یا پیش امام کو مسجد بنانے کے لیے دے دی جائیں کہ یہ لوگ ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت مسجد کی تعمیر میں صرف کریں شرعاً جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:- قربانی کی کھالوں کی قیمت ان کے فروخت کرنے کے بعد از روئے شریعت صدقہ واجبہ میں داخل ہیں۔

ہدایہ میں ہے کہ قربانی کی کھالیں فروخت کرنے کے بعد مثل زکوٰۃ وغیرہ کے ان کی قیمت کا صدقہ کر دینا واجب ہے۔ لہٰذا ان کے مصارف بھی مصارفِ۔

زکوٰۃ ہیں اور چوں کہ زکوٰۃ ونیز دیگر صدقات میں تملیک (مالک بنا دینا) شرط ہے (۳) لیے ان کو تعمیرِ مسجد وغیرہ میں صرف کرنا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ مسجد میں تملیک پائی نہیں جاتی، جیساکہ دُرِّ مختار میں ہے کہ مسجد کی تعمیر اور میت کے کفن دفن وغیرہ میں تملیک نہیں پائی جاتی اس لیے خرچ نہیں کر سکتے ہیں۔

حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ "جو کھال فروخت کردی اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، اور صدقہ کی حقیقت یہ ہے کہ جس کو دیا جائے وہ مالک بن جائے، اور چونکہ یہ صدقہ واجبہ ہے اس لیے اس کے مصارف مثل زکوٰۃ کے ہیں"۔

اگر کھال کو مسجد کے متولیاں یا پیش اماموں کو مسجد بنانے کے لیے دیدی جائے کہ یہ لوگ اس کی قیمت کو تعمیرِ مساجد میں صرف کریں وہ بھی جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہاں بھی شرطِ تملیک (مالک بنا دینا) جو رکن ہے پائی نہیں جاتی کیونکہ تملیک کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ کسی شخص کو مالک بنا دینا تاکہ وہ مالک ہونے کے بعد جو چاہے کرے۔ اور بصورتِ مذکورہ اس قسم کا مالک بنانا پایا نہیں جاتا بلکہ دینے والے اس لیے دیتے ہیں کہ یہ رقم مسجد کی تعمیر میں صرف کی جائے، یہ تملیک نہیں بلکہ سراسر توکیل ہے (وکیل بنانا اور اختیارات دینے کو کہتے ہیں) قربانی کرنے والا اس کا مجاز نہیں کہ کھال کی قیمت مسجد کی تعمیر میں صرف کرے ویسا ہی یہ بھی مجاز نہیں کہ کسی دوسرے کو مساجد وغیرہ کی تعمیر میں اسے صرف کرنے کو وکیل بنا دے۔ کیونکہ جس تصرف کے لیے خود مؤکل مجاز نہیں ہے اس کے واسطے دوسرے کو وکیل بنانا بھی جائز نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قربانی کی کھال جب فروخت کردی گئی پھر اس کی قیمت مساجد وغیرہ میں صرف کرنا شرعاً ممنوع ہے اور نہ اسے دوسرے کو اس لیے دینا جائز ہے کہ فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت تعمیرِ مساجد میں صرف کریں (عزیز الفتاویٰ ص۷۱۲ ج۱)۔

مسئلہ :- ظاہر ہے کہ متولی و مہتمم انجمن وغیرہ کو ان کھالوں کا مالک بنانا مقصود نہیں ہے، بلکہ محض امین و وکیل ہیں، فروخت کرنے اور مصرف میں صرف کرنے کے۔ (عزیز الفتاوٰے ص۱۱ ج۱)۔

## کھال کی قیمت میں حیلہ کرنا

اگر کھال قربانی کی فروخت کردی تو اس کی قیمت کا صدقہ فقراء و مساکین پر کرے یعنی ان کو مالک بنانا ضروری ہے کہ زکوٰۃ وغیرہ صدقاتِ واجبہ کو جس میں قربانی کی کھال کی قیمت بھی داخل ہے۔ تعمیر مسجد و مرمت مسجد و روشنی و سامانِ مسجد وغیرہ میں صرف نہیں کرسکتے، اور یہ حیلہ بھی کتبِ فقہ میں لکھا ہے کہ کسی مسکین کو یا فقیر کو اول اس کا مالک بنا دیا جائے پھر اس سے کہا جائے کہ تو اپنی طرف سے اس روپے کو مسجد وغیرہ میں یا روشنی وغیرہ میں صرف کردے، مگر دینے کے وقت یہ شرط نہ کرے بلکہ دینے کے بعد اس سے کہہ دے۔ بہرحال اس حیلہ سے روشنی وغیرہ میں یا خریداری لالٹین وغیرہ میں اس کو صرف کرسکتے ہیں (عزیز الفتاوی ص۱۲ جلد اول)۔

مسئلہ :- قربانی کی کھال اگر قربانی کرنے والا کسی کو دیدے اور وہ شخص جس کو کھال دی ہے، کھال کو فروخت کرکے کسی معلم (پڑھانے والے) کو تنخواہ دے یا مسجد کی تعمیر میں خرچ کردے تو جائز ہے لیکن اگر قربانی کرنے والا خود فروخت کرے تو پھر وہ اس کھال کے روپے کو معلم وغیرہ کی تنخواہ یا مسجد میں خرچ نہیں کرسکتا بلکہ صدقہ کردینا لازم ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۲۷ ج۸)۔

## قربانی کی کھال کا عام حکم

قربانی کی کھال کی نسبت یہ حکم ہے کہ یا تو اس کو بجنسہ اپنے کسی کام میں لے آئے مثلاً رنگوا کر گھر کا ڈول وجوتہ یا جائے نماز و دسترخوان وغیرہ بنالے، یا کسی غریب محتاج کو یا قرابت دار و احباب کو دے دے۔ کسی کی خدمت کے معاوضہ میں نہ دے مثلاً سقہ یا مسجد یا امام و مؤذن مسجد محلہ کو ان کی خدمت کرنے کے معاوضہ میں

نہ دے، یہ درست نہیں۔ اسی طرح اپنے گھر کے سقہ کو بھی نہ دے جبکہ وہ تنخواہ دار ہو لیکن فروخت کرنے کے بعد جو قیمت اس کھال کی ہو، اُس کو نہ خود رکھ سکتا ہے نہ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے، نہ کسی معاوضہ میں دے سکتا ہے، نہ مسجد میں لگا سکتا ہے، بلکہ یہ ضروری ہے کہ محتاجوں پر صدقہ کردے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو اس کے ذمہ اس قدر روپیہ صدقہ کرنا ضروری ہے، ورنہ قربانی میں نقصان رہے گا۔ (عزیز الفتاوی ص۱۷۰ ج۱)

**مسئلہ:** قربانی کے چمڑے کا وہی حکم ہے جو گوشت کا ہے جس طرح گوشت، مال دار کو دیا جاسکتا ہے چمڑا (کھال) بھی دے سکتے ہیں اور صاحب نصاب بخوشی لے سکتا ہے، ممنوع نہیں ہے۔ اور جس مالدار یا غریب کو چمڑا ہدیۃً (بغیر قیمت) دیا گیا ہے وہ بیچ کر اس کی قیمت اپنے کام میں لے سکتا ہے، البتہ اگر قربانی کرنے والے نے چمڑا بیچ دیا تو اس کی قیمت کے حقدار صرف غرباء ہیں مالدار کو دینا درست نہیں ہے (فتاوی رحیمیہ ص۱۶۸ ج۶)۔

## کھال سے متعلق مسائل

**مسئلہ:** کھال کی قیمت عیدگاہ کی مرمت میں صرف کرنا جائز نہیں، کیونکہ کھال بیچ دینے کے بعد قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوجاتا ہے اور اب یہ رقم اسی جگہ صرف ہوسکتی ہے جو صدقہ کے مصرف ہیں، ہاں کسی یتیم خانہ یا مدرسہ کے طلباء یا محتاج معذور عزیزوں یا مساکین پر صرف کی جاسکتی ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۱۵ ج۸)۔

**مسئلہ:** قربانی کی کھال کی قیمت مسجد یا کنویں وغیرہ مصارف میں خرچ کرنا جن میں تملیک نہیں ہوتی، وجوب تصدق کے منافی ہے ان جگہوں میں صرف کردینا (جس میں مالک نہ بنایا جائے) تصدق نہیں ہے (صدقہ ادا نہیں ہوگا)۔ (کفایت المفتی ص۲۲۳ ج۸)۔

**مسئلہ:** اگر کھال فروخت کردی تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ مگر یہ صدقہ نافلہ ہے۔ کا فر غریب ہو تو اس کو بھی دی جاسکتی ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۲۷ ج۸)

مسئلہ:۔ کھالوں کی قیمت کا روپیہ مدرسین کی تنخواہوں میں نہیں دیا جا سکتا ہے، ہاں نادار طلبہ کو وظائف کی صورت میں یا سامانِ تعلیم کی صورت میں دینا جائز ہے مگر جو دیا جائے وہ تملیک کی صورت میں دیا جائے، تعمیر میں خرچ کرنا درست نہیں (کفایت المفتی صـ۲۲۹ ج ۸)۔

مسئلہ:۔ قربانی کی کھال سید کو دے دینی جائز ہے یعنی خود کھال دی جائے نہ کہ اس کی قیمت۔ (کفایت المفتی صـ۲۲۴ ج ۸)۔

مسئلہ:۔ فقہائے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ جب تک کھال فروخت نہ ہو ہر شخص کو اس کا (کھال کا) دے دینا اور خود بھی اس سے منتفع ہونا جائز ہے اور جب فروخت کر دی تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، اور صدقہ کی ماہیت میں تملیک ماخوذ ہے، اور چونکہ یہ صدقہ واجب ہے اس لیے اس کے مصارف مثل مصارفِ زکوٰۃ کے ہیں، پس مدرسین کی تنخواہوں میں اس کا صرف کرنا جائز نہیں، البتہ غریب مسلمان طالب علم جو زکوٰۃ کا مصرف ہو سکے، اس کو بطورِ انعام یا امداد خوراک و پوشاک تملیکاً دے دینا جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ صـ۵۲۶ ج ۳)۔

مسئلہ:۔ قربانی کے چمڑے کے پیسے صرف زکوٰۃ کے مستحقین پر خرچ کیے جائیں قرآن پاک، پارۂ عم، تختی وغیرہ خرید کر غریب بچوں کو مالک بنا دیں تو بھی جائز ہے کفن دفن میں تملیک (ملکیت) نہیں ہوتی، اس لیے اس میں استعمال نہیں کر سکتے، ہاں پہلے کسی غریب وارث یا منتظم کو جو مستحق زکوٰۃ ہو، اس کو مالک بنا دیں اور پھر وہ اپنی مرضی سے کفن دفن میں خرچ کرے تو جائز ہے۔ اور اس رقم کو استاذ کی تنخواہ میں نہیں دے سکتے، اگر وہ مستحق زکوٰۃ ہوں تو بطورِ امداد دے سکتے ہیں۔ (رحیمیہ صـ۱۶۵ ج ۶)۔

مسئلہ:۔ بعض لوگ ذبح سے پہلے ہی کھال فروخت کر دیتے ہیں، سو یاد رہے کہ "ذبح سے" پہلے کھال کا فروخت کر ڈالنا حرام ہے۔ (زوال السنہ صـ۲۳ و اغلاط العوام صـ۱۳۷)۔

مسئلہ:۔ قربانی کا چمڑا اگر شریک اپنے حصہ کے علاوہ دوسرے شرکائے اُن کے چمڑے کے حصے خرید لے تو پھر وہ تمام چمڑا خرید کنندہ شریک اپنے استعمال میں لا سکتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص۵۷۵ ج ۳)

مسئلہ:۔ اصل حکم کے لحاظ سے قربانی کے ہر حصہ دار چمڑے کو کاٹ کر بھی (یعنی سات حصہ کر کے) لے سکتے ہیں، لیکن کاٹنے سے چمڑے کی قیمت کم ہو جاتی ہے اور خود چمڑے کو کام میں لانا مقصود نہ ہو تو اس صورت میں کاٹنے سے فقراء کا نقصان متصور ہے لہٰذا کاٹ کر تقسیم نہیں کرنا چاہیئے۔ (کفایت المفتی ص۲۲۲ ج ۸)۔

مسئلہ:۔ قربانی کی کھال سے خود فائدہ اٹھانا یا کسی کو کھال دے دینا خواہ وہ غنی (مال دار) ہو یا فقیر، ہاشمی ہو، یا اور کوئی اپنے اصول و فروع ہوں یا اجنبی، یہ سب جائز ہے۔ اس میں تملیک بھی واجب نہیں کیونکہ خود اپنے لیے اس کا مصلیٰ، ڈول وغیرہ بنا لینا یا اور کام میں لانا جائز ہے جس میں تملیک متصور نہیں۔ لیکن اگر قربانی کرنے والا کھال سے نفع نہ اٹھائے اور نہ کسی کو کھال ہبہ کرے بلکہ اُسے فروخت کر ڈالے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اب اس میں زکوٰۃ کے احکام جاری ہو جاتے ہیں کہ تملیک بھی لازم اور اصول و فروع و ہاشمی و غنی کو دینا بھی درست نہیں۔ امام مسجد کا حق لازم سمجھنا، یہ بات بہر صورت غلط ہے، حق لازم کسی کا نہیں اور اگر امامت کی اُجرت کے طور پر کھال یا اس کی قیمت دی جائے تو ناجائز ہے۔ اگر امام بھی مسکین (ضرورت مند غریب) ہو تو اُسے تبرعاً دے سکتے ہیں لیکن اگر وہ مالدار ہو یا اپنا حق لازم سمجھے، یا اجرتِ امامت (و مؤذن وغیرہ) قرار دے کر طلب کرے تو ان صورتوں میں اُسے دینا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کھال کسی مالدار یا فقیر کو دے دے تو یہ بھی جائز ہے لیکن کھال کو فروخت کرنے کے بعد قیمت کا صدقہ کرنا یعنی مسکین کو بلا معاوضہ دے دینا واجب ہو جاتا ہے۔ پس کھال یا اس کی قیمت کو امام یا مؤذن کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں اور کھال کی قیمت کو مسجد کی روشنی، فرش، تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنا بھی

جائز نہیں، (کفایت المفتی صہ۲۲۸ ج ۸)۔

**مسئلہ:**۔ قربانی کی کھال مال دار کو بھی ہبتہً (بغیر پیسوں کے) دینا جائز ہے اس کا صدقہ کرنا واجب نہیں ہے استحبابی ہے جیسے گوشت کا۔ البتہ اگر کھال بیچ دی جائے تو اس کی قیمت واجب التصدق ہے۔ وہ قیمت صرف مستحقین زکوٰۃ ہی کو دی جا سکتی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ صہ۱۸ ج ۶۔ بحوالہ درمختار صہ۲۸۷ ج ۵)۔

**مسئلہ:**۔ قربانی کی کھال فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ اگر اپنے استعمال میں لائی گئی تو اس کا بدل صدقہ کرنا واجب ہے۔ ورنہ ثواب قربانی میں نقصان ہوگا۔ (کفایت المفتی صہ۲۲۹ ج ۸)

## کھال کی رقم سے آمدنی کا ذریعہ بنانا

**سوال:**۔ قربانی کی کھال کی رقم جماعت کے پاس جمع ہے وہ اس میں سے غرباء کو دیتے ہیں اور اسی طرح نادار بچوں کو اسکول کی کتابیں وغیرہ خرید کر دیتے ہیں اور بیماروں کی امداد کرتے ہیں۔ اب ان کا ارادہ ہے کہ ان کھال کے پیسوں سے مستقل آمدنی کا ذریعہ بنالیں اور پھر اس آمدنی کو غرباء پر خرچ کرتے رہا کریں۔ تو ان کے لیے چمڑے کی قیمت سے مکان، دوکان بنوانا کیسا ہے؟۔

**جواب:**۔ قربانی کی کھال جماعت کو ہدیتہً نہیں دی جاتی بلکہ بطور وکالت دی جاتی ہے، لہٰذا اس کی قیمت مستحقین کو تملیکاً دے دی جائے اور جہاں تک ہو سکے جلد ادا کر کے سبکدوش ہوجائیں، بلا وجہ شرعی تاخیر کرنا کراہت سے خالی نہیں غریبوں کو قرآن شریف اور کتابیں دے دی جائیں، غریب بیماروں کی امداد کی جائے، لیکن قربانی کی کھال یا اس کی قیمت کو آمدنی کا ذریعہ ہرگز نہ بنایا جائے، غیر مصرف میں رقم استعمال ہوگی تو جماعت کے لوگ ذمہ دار گنہگار ہوں گے۔ (فتاویٰ رحیمیہ صہ۱۲۷ ج ۲)۔

## کھال سے گوشت بدلنا

**سوال:**۔ یہاں پر قربانی کے جانور کی کھال قصاب (قصائی) کو دیتے ہیں اور اس سے

کھال کے عوض محترم میں گوشت لے کر خود کھاتے ہیں اور کھلاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟۔

جواب :۔جن شہروں میں چمڑا عدداً فروخت ہوتا ہے وہاں یہ بیع درست ہے جب کہ گوشت کی مقدار اور صفت پورے طور سے بیان کردی جائے لیکن جو گوشت آئے گا اس سب کا خیرات کرنا مساکین پر واجب ہے۔اگر خود کھائیگا یا مالداروں کو کھلائے گا تو اتنی مقدار کی قیمت کا صدقہ واجب ہوگا۔ (امداد الفتاوی صـ۵۶۴ ج ۳)۔

## کھال کی رقم کا چوری ہوجانا

فی الدر المختار وللمودع حفظها بنفسه وعیاله وهم من یسکن بیعه حقیقةً اوحکماً۔ روایت مذکورہ کی بنا پر زید پر (یعنی جس کے پاس قربانی کی رقم رکھی ہوئی تھی، مدرسہ کے مہتمم یا متولیان وغیرہ پر) یا اس روپیہ کا ضمان نہیں، البتہ اس چور پر ضمان واجب ہے، اور زید کے ذمہ واجب ہے کہ بقدر اپنی قدرت کے اس سے (چور سے لینے کی کوشش کرے فقط، اور ایک اور بات زید پر یہ بھی ضروری ہے کہ جن جن لوگوں کی رقم ضائع ہوئی ہے ان کو اطلاع کردے، کیونکہ ان کے ذمہ یعنی قربانی کرنے والوں کے یہ رقم کھال کی واجب التصدق رہ گئی ہے۔وہ لوگ مساکین کو ادا کریں۔جب کہ چور سے وصول نہ ہو۔(امداد الفتاوی صـ۶۱ ج ۲)۔

# صدقہ فطر کے مسائل

عید کا دن بہت مبارک اور خدا کی مہمانی کا دن ہے۔ آج کے دن ہم سب خدا کے مہمان ہیں، اسی وجہ سے آج کا روزہ حرام ہوگیا۔ کیونکہ جب خدا نے ہمیں مہمان بنا کر کھانے پینے کا حکم دیا ہے تو ہم کو اس سے منہ موڑنا ہرگز نہ چاہیئے آج کے دن روزہ رکھنا گویا خدا کی مہمانی کو رد کرنا ہے۔ یہ ہم مسلمانوں کا بہت بڑا تیوہار ہے، ہمارے تیوہار میں کھیل تماشہ اور ناچ گانا وغیرہ نہیں ہوتا۔ کسی کو تکلیف دینا، ستانا نہیں ہوتا، بلکہ جسکو خدا نے دیا ہے وہ دوسرے ضرورتمندوں کی ضرورتیں پوری کرتا ہے، مالدار جب اپنے پھول سے بچوں کو اُجلے اُجلے کپڑوں میں خوشی خوشی اُچھلتا کودتا دیکھتا ہے تو غریب کے مرجھائے ہوئے چہرے اور اس کے بچوں کی حسرت بھری نظریں اس سے دیکھی نہیں جاتیں۔ مسلمان دولتمند اپنے گھر کے اس قسم کے خوشبودار اور لذیذ کھانوں کو اس وقت تک ہاتھ نہیں لگاتا جب تک کہ مفلس پڑوسی کے گھر میں سے دھواں اُٹھتا نہ دیکھ لے۔ بھلا میری کیا عید اگر میرا پڑوسی آج کے دن بھی بھوکا رہا بھلا میری جگمگ ہوتی مجھے کیسے بھا سکتی ہے جبکہ برابر میں ایک نادار کی بیوی کے کپڑوں میں تین تین پیوند ہیں۔ اگر خدانخواستہ ہم اتنے غیرت مند نہیں ہیں۔ اور مسلمان غیرتمند کیوں نہ ہو؟ تو ہمارا غیور خدا تو اسکو برداشت نہیں کرسکتا کہ میرا ایک محتاج بندہ اپنے میلے کپڑوں کی وجہ سے عید کی نماز تک میں شریک ہونے سے شرما رہا ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے جب اپنے ساتھ کھیلنے والے بچوں کے پاس جھل بل کرتے ہوئے شاندار کپڑے اور کھنا کھن بجتے ہوئے پیسے دیکھکر اپنی ماں سے منہ بسور کر اماں ہم بھی ایسا ہی

لیں گے۔ کہتے ہیں۔ پھر ان کی ماں بچوں کو کلیجے سے لگاتے ہوئے آنسوں پونچھتے ہوئے کہتی ہے کہ بیٹا ہاں تم کو بھی دلائیں گے۔ اور یہ کہتے ہوئے مارے غم کے بے اختیار اسکی چیخ نکل پڑتی ہے اور اس کے دکھی دل پر فکر وغم کے بادل چھا جاتے ہیں تو یہ منظر خدائے رحیم وکریم سے دیکھا نہیں جاتا۔ اور کون غیر تمند دیکھ سکتا ہے؟۔ اس لیئے خدانے اپنے خوش حال بندوں پر یہ لازم کر دیا ہے کہ جب تک وہ میرے غریب بندوں اور بندیوں کے آنسوں نہ پونچھ دیں، جب ان کا تن نہ ڈھانپ دیں، جب تک ان کا چولہا گرم نہ کر دیں، جب تک ان کے نونہالوں کو مسکراتا نہ دیکھ لیں خود عید نہ منائیں، جب تک ان کے دل کی کلی نہ کھل جائے میرے سامنے نہ آئیں جب تک اسکی بیوی کی سکھ سے عید منانے کا انتظام نہ ہو جائے۔ اپنی بیوی کی پازیب کو بیڑی اور ہار کو طوق سمجھیں۔ آپس کی اس ہمدردی کے کم سے کم اور مزدوری سے حصے کا نام "صدقۃ الفطر" ہے صدقہ فطر مسلمانوں کی آپس کی ہمدردی کا وہ کم سے کم اور گرے سے گرا حصہ ہے کہ اگر اتنا بھی نہ ہو تو مالداروں پر خدائی قہر اترتا ہے ان کی کمائیوں کی برکتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ خدائے قہار ان کے پیچھے ایسی الجھنیں لگا دیتا ہے ہے کہ صدقہ فطر سے کہیں زیادہ پیسہ برباد ہو جاتا ہے اور کسی غریب کے ایک دن کے رونے کی پرواہ نہ کرنے کی سزا میں خدائے غیور اس بے غیرت دولتمند کو کبھی کبھی برسوں گھٹنوں میں سر دے کر رلاتا ہے اور جب یہ بندے خوشیوں اور مسرتوں میں دوسروں کو اپنا شریک نہیں بناتے تو خدائے دانا وبینا غموں تکلیفوں، آنسوں اور ہچکیوں میں دونوں کو شریک کر کے اپنے تمام بندوں کو یکسا کر دیتا ہے (رمضان کیا ہے؟ صفحہ ۱۷۵)

## صدقۂ فطر کے شرائط

صدقہ فطر واجب ہے فرض نہیں اور صدقہ فطر کے واجب ہونے کے لیئے

صرف تین چیزیں شرط ہیں۔ (۱) آزاد ہونا (۲) مسلمان ہونا (۳) کسی ایسے مال کے نصاب کا مالک ہونا جو اصلی ضرورتوں سے فارغ ہو۔ اور قرض سے بالکل یا بہ قدر ایک نصاب کے محفوظ ہو۔ اس مال پر سال کا گذرجانا شرط نہیں نہ مال کا تجارتی ہونا شرط ہے نہ صاحب مال کا بالغ ہونا اور عاقل ہونا شرط ہے یہاں تک نابالغ بچوں اور مجنونوں پر صدقۂ فطر واجب ہے ان کے اولیار کو ان کی طرف سے ادا کرنا چاہیئے اور اگر ولی نہ ادا کرے اور وہ اس وقت خود مالدار ہوں تو بالغ ہوجانے کے بعد یا جنون زائل ہوجانے کے بعد خود ان کو عدم بلوغ یا جنون کے زمانے کا صدقہ فطر ادا کرنا چاہیئے۔

صدقۂ فطر کا حکم نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی سال دیا تھا جس سال رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تھے۔

صدقۂ فطر کی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ دن خوشی کا ہے اور اس دن اسلام کی شان وشوکت کثرتِ جمعیت کے ساتھ دکھائی جاتی ہے اور صدقہ دینے سے یہ مقصد خوب کامل ہوجاتا ہے علاوہ اس کے اس میں روزہ کی تکمیل ہے۔ صدقہ فطر کے دینے سے روزہ مقبول ہوجاتا ہے، اور اس صدقہ میں حق تعالٰے کا عظیم الشان احسان کہ اس نے ماہِ مبارک سے مشرف کیا اور اس میں روزہ رکھنے کی ہم کو توفیق دی۔ اور کچھ ادائے شکر بھی ہے۔

(علم الفقہ ج ۴ صہ ۵ وصہ ۱۰)

صدقۂ فطر ادا کرنا اس شخص کے ذمہ واجب ہے جو صاحبِ نصاب مالدار ہو یعنی ۵۲ تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو۔

(فتاویٰ دارالعلوم ج ۶ صہ ۳۲۲ درمختار ج ۲ صہ ۹۹)

## ضرورتِ اصلیہ کیا ہے

کسی کے پاس بڑا بھاری گھر ہے اگر بیچا جائے تو ہزار پانچسو کا بکے اور پہننے کے قیمتی قیمتی کپڑے ہیں مگر ان میں گوٹا (چاندی سونے کا) گوٹا نہیں ہے، اور ضرورت

کیلئے دو چار خدمت گار ہیں گھر میں ہزار یا پانچسو کا ضروری اسباب بھی ہے مگر زیور نہیں، اور وہ سب کام میں آیا کرتا ہے یا کچھ سامان ضرورت سے زائد بھی موجود ہے اور کچھ سچا گوٹا اور زیور وغیرہ بھی ہے لیکن وہ اتنا نہیں جتنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو ایسے پر صدقہ فطر واجب نہیں ہے۔ (بہشتی زیور حصہ سوم صفحہ ۳۲ بحوالہ نور الایضاح ص)

نیز کسی کے پاس ضروری سامان سے زائد اسباب ہے لیکن وہ قرض دار بھی ہے تو قرض کا اندازہ (تخمینہ) لگا کر دیکھو کیا بچتا ہے اگر اتنی قیمت کا سامان بچ جائے جتنے پر زکوٰۃ واجب ہو جائے تو صدقہ واجب ہے اور اگر اس سے کم بچے تو واجب نہیں۔ (بہشتی زیور حصہ سوم صفحہ ۳۳ بحوالہ ہدایہ ج ۱ صفحہ ۱۸۹)

## خالی مکان ضرورتِ اصلیہ میں داخل ہے یا نہیں؟

کسی کے دو گھر ہیں ایک میں خود رہتا ہے اور ایک خالی پڑا ہے یا کرایہ پر دے رکھا ہے تو دوسرا مکان ضرورت سے زائد ہے اگر اسکی قیمت اتنی ہو جتنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہے اور ایسے کو تو زکوٰۃ کا پیسہ دینا بھی جائز نہیں ہے البتہ اگر مالک مکان کا اسی پر گزر اوقات ہے (یعنی کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے) تو یہ مکان بھی ضروری اسباب میں داخل ہو جائے گا اور اس پر صدقہ فطر واجب نہیں ہو گا اور زکوٰۃ کا پیسہ لینا دینا درست ہو گا۔

خلاصہ یہ ہوا جس کو زکوٰۃ وصدقہ واجبہ کا پیسا لینا درست ہے اس پر صدقہ فطر واجب نہیں ہے اور جسکو صدقہ اور زکوٰۃ کا لینا دینا درست نہیں اس پر صدقہ فطر واجب ہے۔ (بہشتی زیور ج سوم صفحہ ۳۵ بحوالہ فتاویٰ خانیہ ج ایک صفحہ ۲۲۶)

جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہے اس پر صدقہ فطر بھی واجب ہے لیکن فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ کے نصاب میں تو سونا، چاندی یا تجارت کا مال ہی ہونا ضروری ہے اور صدقہ فطر واجب ہونے کیلئے صرف یہی تین چیزیں نہیں بلکہ اس کے نصاب میں ہر قسم کا مال حساب میں لیا جاتا ہے، ہاں یہ بات دونوں نصابوں میں شرط ہے کہ اپنی روزمرہ کی ضروریات

سے زائد ہوا اور قرضے سے بچا ہوا ہو۔
چنانچہ اگر ایک شخص کے پاس روزانہ پہننے کے کپڑوں کے علاوہ کچھ اور کپڑے رکھے ہوں، یا روزمرّہ کی ضرورت سے زائد تانبے، پیتل، اسٹیل، چینی وغیرہ کے برتن رکھے ہیں یا اس کا کوئی مکان خالی پڑا ہوا ہے یا اور کسی قسم کا سامان ہے اور روزانہ کی ضرورت سے زائد ہے تو اگر ان چیزوں کی قیمت مل کر نصاب کے برابر یا اس سے زائد ہو جاتی ہے تو اس پر زکوٰۃ تو فرض نہیں لیکن صدقہ فطر واجب ہے، اور ایسی طرح صدقہ فطر کے نصاب پر سال گزرنا بھی ضروری نہیں بلکہ اگر اسی دن اتنے مال کا مالک ہوا ہو تب بھی صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے
(رمضان کیا ہے؟ ص۱۶۷)

## جو صاحبِ نصاب نہ ہو اسکیلئے حکم

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "غنی بھی صدقہ فطر ادا کرے اور فقیر بھی صدقہ دے" ان دونوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے " اللہ تعالےٰ اس مالدار کو تو اس صدقہ فطر دینے کی وجہ سے پاکیزہ بنا دیتا ہے اور فقیر (جو مالکِ نصاب نہ ہو) اسکو اس سے زیادہ عنایت فرماتا ہے جتنا اس نے صدقہ فطر کے طور کے برابر دیا ہے"
یہ بشارت اگرچہ مالدار کیلئے بھی ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے مال میں اس سے کہیں زیادہ برکت عطا فرماتے ہیں جتنا اس نے دیا ہے مگر اس بشارت کو فقیر کے ساتھ مخصوص اس لئے فرمایا تاکہ اس کی ہمت افزائی ہو، اور وہ صدقہ فطر دینے میں پیچھے نہ رہے، (مظاہر حق جدید قسط سوم ج۲ ص۵۸)

## صدقہ فطر کسوقت واجب ہوتا ہے؟

صدقہ فطر کا وجوب عیدالفطر کی فجر طلوع ہونے پر ہوتا ہے لہٰذا جو شخص قبل طلوع فجر کے مرجائے یا فقیر ہو جائے، اس پر صدقہ فطر واجب نہیں، اسی طرح جو شخص بعد

طلوع فجر کے اسلام لائے اور مال پاجائے یا جو لڑکا، لڑکی فجر طلوع ہونے سے پہلے پیدا ہوا ہو یا جو شخص فجر کے طلوع ہونے سے پہلے اسلام لائے یا مال پاجائے اس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ (علم الفقہ حصہ چہارم ص۵۱)

عید کے دن جس وقت فجر کا وقت آتا ہے اسی وقت یہ صدقہ واجب ہوتا ہے۔ تو اگر کوئی فجر کا وقت آنے سے پہلے ہی مر گیا تو اس پر صدقہ فطرہ واجب نہیں اس کے مال میں سے نہ دیا جائے۔ (بہشتی زیور حصہ سوم ص۳۵ بحوالہ عالمگیری ج ایک ص۱۹۲)

## رمضان سے پہلے صدقہ فطر دینا

سوال:- صدقۂ فطر کی ادائے گی کا کیا وقت ہے؟ رمضان سے پہلے مثلاً شعبان یا رجب میں ادا کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- اختلافی مسئلہ ہے، رمضان سے پہلے کا قول بھی ہے، اس پر عمل کرنا خلاف احتیاط ہے۔ لہ رمضان میں بھی ادا کرنے میں اختلاف ہے، مگر قوی یہ ہے کہ درست ہے اور صدقہ ادا ہو جائے گا۔

(فتاویٰ رحیمیہ ج ۵ ص۱۷۶ بحوالہ ج ۲ البحر الرائق ص۲۵۵)

صدقہ فطر رمضان شریف میں دینا درست ہے خواہ کسی بھی عشرہ میں دیدے (فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص۳۰۵)

## صدقۂ فطر کس کس کی طرف سے دینا واجب ہے؟

صدقہ فطر کا ادا کرنا اپنی طرف سے بھی واجب ہے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی اور بالغ اولاد کی طرف سے بھی بشرطیکہ وہ فقیر یعنی صاحب نصاب نہ ہوں اور اپنی خدمت گار لونڈی غلاموں کی طرف سے بھی اگرچہ وہ کافر ہوں، نابالغ اولاد اگر مالدار ہوں تو ان کے مال سے ادا کرے، اور اگر مالدار نہیں ہیں تو اپنے مال سے، بالغ اولاد اگر مالدار ہوں تو ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں ہاں احساناً

اگر ادا کردے تو جائز ہے یعنی پھر ان اولاد کو دینے کی ضرورت نہیں رہے گی، اور اگر بالغ اولاد مالدار تو ہوں مگر مجنون ہوں تب بھی ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے مگر انہیں کے مال سے، جو لونڈی غلام خدمت کے نہ ہوں بلکہ تجارت کے ہوں ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں۔

باپ اگر مرگیا ہو تو دادا باپ کے حکم میں ہے یعنی پوتے اگر مالدار ہیں تو انکے مال سے ورنہ اپنے مال سے ان کا صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے،

(علم الفقہ ج سوم صفحہ ۵۲)

فتاویٰ دارالعلوم ج ۶ صفحہ ۳۲۴ بحوالہ عالمگیری میں اس طرح لکھا ہے۔
عورت پر جب کہ صاحب نصاب ہو تو فطرہ اسی پر واجب ہے اگر شوہر ادا کردے گا تو ادا ہوجائے گا، باپ پر نہیں ہے"

## صدقہ فطر میں اجازت کی ضرورت ہے یا نہیں؟

سوال :- جس طرح کسی دوسرے شخص کی زکوٰۃ اسکی اجازت کے بغیر ادا نہیں ہوتی تو کیا یہی حکم صدقہ فطر کا بھی ہے یا کچھ فرق ہے؟

جواب :- ہاں یہی حکم صدقہ فطر کا بھی ہے اجازت ضروری ہے لیکن چونکہ صدقہ فطر کی مقدار کم اور معلوم ہے اس لئے بیوی اور اولاد کی طرف سے جو اس کے عیال (زیر کفالت) میں ہیں ادا کردیتا ہے، اور عادتاً اسکی اجازت ہوتی ہے اس لئے استحساناً جائز ہے، بخلاف زکوٰۃ کے اسکی مقدار نا معلوم اور زیادہ ہوتی ہے بغیر کہے ادا کرنے کی عادت نہیں ہے اس لئے اجازت اور وکالت ضروری ہے،

(فتاویٰ رحیمیہ ج ۵ صفحہ ۱۷۳ بحوالہ الرشامی ج ۱ صفحہ ۱۰۳)

## جسنے روزے نہ رکھے ہوں اسکا حکم

جس نے کسی وجہ سے رمضان کے روزے نہیں رکھے اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے

اور جس نے روزے رکھے اس پر بھی واجب دونوں میں کچھ فرق نہیں، بہشتی زیور حصہ سوم صفحہ ۳۵ بحوالہ عالمگیری ج ۱ ص ۱۹۲ اور فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ ص ۱۳۴ پر " جسنے روزے نہ رکھے ہوں تب بھی اس پر صدقہ فطر واجب ہے نہ ادا کیا ہو تو اب دیدے جب تک وہ ادا نہ کرے بری الذمہ نہ ہوگا۔"

## شادی شدہ لڑکی کا فطرہ کس پر واجب ہے؟

سوال :- لڑکی کی شادی ہو چکی ہو۔ اور وہ لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر ہے، نابالغ ہے اسکا فطرہ کس پر ہے ماں باپ پر یا سسرال والوں پر؟

جواب:- اگر وہ لڑکی مالدار ہے تو خود اس کے مال میں صدقہ فطر واجب ہے خواہ بالغ ہو یا نابالغ اور اگر مالدار نہیں تو بالغ ہے تو کسی کے ذمہ نہیں، اور اگر مالدار نہیں اور نابالغ ہے اور رخصت نہیں ہوئی تو باپ کے ذمہ اور اگر رخصت ہو گئی تو باپ کے ذمہ نہیں، (امداد الفتاویٰ جدید ج ۲ صفحہ ۸۰)

## مال تقسیم ہونے کے بعد صاحبِ نصاب نہ ہو تو کیا فطرہ واجب ہے؟

سوال :- چار بھائیوں کا مال مشترک ہے اگر تقسیم کیا جائے تو کسی کا حصہ بقدرِ نصاب نہیں ہوتا ہے کیا قربانی یا صدقہ واجب ہے؟

جواب :- اس صورت میں کہ کسی ایک بھائی کا حصہ قدرِ نصاب کو نہیں پہنچتا کسی پر بھی فطرہ اور قربانی واجب نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۳۰۸ بحوالہ رد المحتار باب صدقۃ الفطر ج ۲ ص ۹۹)

## جو جوان لڑکے اپنی کمائی باپ کو دیتے ہیں اُنکے فطرے کا حکم

سوال :- ایک شخص کے دو لڑکے ہیں جو کچھ کماتے ہیں باپ کو دیتے ہیں لڑکوں کے پاس کچھ نہیں ہے تو ایسی حالت میں ان بھائیوں پر صدقہ فطر، زکوٰۃ یا قربانی واجب ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ان پر زکوٰۃ اور صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ج ۶ ص ۱۳۷ بحوالہ ردالمحتار ج ۲ ص ۷۹)

## کیا صاحبِ نصاب بچہ بالغ ہونے کے بعد فطرہ ادا کرے؟

سوال:۔ اگر بچہ مالکِ نصاب ہے۔ اور اس کا ولی اسکی طرف سے صدقہ فطر ادا نہ کرے تو اس بچہ پر بالغ ہونے کے بعد ادا کرنا کیا واجب ہے؟

جواب:۔ ہاں اس کو بالغ ہونے کے بعد صدقہ فطر ادا کرنا ہوگا۔ اگر بچہ صاحب نصاب نہ ہو گو باپ صاحب نصاب تھا، اور اس نے ادا نہ کیا تو بچہ پر بالغ ہونے کے بعد ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ۷۸)

## سب کا فطرہ ادا کرنے کی گنجائش نہ ہو تو؟

اگر کسی شخص کے پاس اتنا ہی غلہ موجود ہو کہ کچھ لوگوں کا صدقہ ادا کر سکتا ہے اور کچھ لوگوں کا ادا نہیں کر سکتا تو ان لوگوں کا صدقہ پہلے ادا کرے جن کے نفقہ کی تاکید زیادہ ہو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اولاد کے نفقہ (خرچ) کو بیوی کے نفقہ پر اور بیوی کے نفقہ کو خادم کے نفقہ پر مقدم فرمایا ہے۔

مسلمان مرد پر اس کا، اسکی بیوی۔ بچوں، غلاموں اور ان رشتہ داروں کا صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ جنکا خرچ اس پر ہے، جیسے باپ، دادا، ماں، نانی، وغیرہ حدیث میں ہے ان لوگوں کا صدقہ ادا کرنا جنکا خرچ تم اٹھاتے ہو۔

(احیاء العلوم ج ۱ ایک قسط ۵ صفحہ ۵۲۷ بحوالہ ابو داؤد شریف)

## فطرہ عید گزر جانے سے معاف نہیں ہوتا

اگر کسی نے عید کے دن صدقہ فطر نہ دیا ہو تو معاف نہیں ہوا، اب کسی دن بھی دیدینا

چاہیئے۔ (بہشتی زیور حصہ سوم صفحہ ۳۵ بحوالہ ہدایہ صفحہ ۱۹۱ ج ایک)

# صدقہ فطر کی مقدار

صدقہ فطر میں گیہوں یا گیہوں کا آٹا یا گیہوں کا ستو دے تو اسی کے سیر یعنی آدھی چھٹانک اور پونے دو سیر (پونے دو کلو) بلکہ احتیاط کیلئے پورے دو سیر یا کچھ زیادہ دینا چاہیئے کیونکہ زیادہ ہونے میں کچھ حرج نہیں ہے بلکہ بہتر ہے اور اگر جو یا جو کا آٹا دے تو اس کا دو گنا دینا چاہیئے، اور اگر جو کے علاوہ کوئی اور اناج دے جیسے چنا، جوار، چاول تو اتنا دے کہ اسکی قیمت اتنے گیہوں کی برابر ہو جائے، جس میں پونے دو کلو گیہوں آسکیں۔ (بہشتی زیور حصہ سوم صفحہ ۳۵ بحوالہ فتاویٰ عالمگیری ج صفحہ ۹۲)

## کیا چاول دینے سے فطرہ ادا ہو جائے گا

سوال:- ہمارے یہاں بنگال میں عام طور پر ہر فرد کی غذا چاول ہے، اس صورت میں ہم لوگ پونے دو سیر چاول سے فطرہ ادا کر سکتے ہیں۔؟

جواب:- درمختار میں ہے اگر کوئی شخص صدقہ فطر میں چاول ادا کرنا چاہے تو اس چاول کا کوئی وزن یا پیمانہ معتبر نہیں بلکہ وہ چاول اس قدر ہوں کہ قیمت میں برابر نصف صاع (پونے دو کلو) گیہوں یا ایک صاع جو کے ہو جائیں تو اس وقت صدقہ فطر ادا ہوگا۔ اگر کسی نے پونے دو کلو چاول دیدیا اور وہ قیمت میں اشیاء مذکورہ سے کم ہو تو صدقہ فطر ادا نہ ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ ج ایک صفحہ ۱۵۶)

صدقہ فطر اگر گیہوں، گیہوں کے آٹے، یا ستو کا دے تو پونے دو کلو دیا جائے یا اسکی قیمت ادا کی جائے اگر گیہوں نہ دے بلکہ کوئی اناج (چاول وغیرہ) دے تو اتنا دے کہ اسکی قیمت پونے دو کلو گیہوں کے برابر ہو جائے اور اگر جو یا جو کا آٹا دے تو پونے دو سیر کا دو گنا دے؛ فتاویٰ ہندیہ ج ۱ صفحہ ۱۹۲ کفایت المفتی ج ۴ صفحہ ۲۹۳ میں ہے غیر منصوص اشیاء میں حکم یہ ہے کہ صاع یا نصف صاع (پونے دو کلو) گیہوں کی قیمت

میں جس قدر چاول آتے ہوں اس قدر دے"

## صدقہ فطر میں میدہ یا اس کی قیمت دینا

سوال :- یہاں پر جزیرہ موریشش میں لوگ گیہوں کی روٹی نہیں کھاتے ہیں بلکہ باہر سے تیار میدہ آتا ہے اسکی روٹی کھاتے ہیں اور اس کے بالخصو گرام کی قیمت تقریبا پچاس پیسے ہیں، اور جسکو خاص ضرورت ہو وہ لوگ گیہوں خرید کر کھاتے ہیں سوال یہ ہیکہ ہم میدہ کی قیمت کا اعتبار کر کے صدقہ فطر ادا کریں یا گیہوں کی قیمت کا؟

جواب :- جب آٹا (میدہ) خالص گیہوں کا ہو. اس میں کسی اور چیز کی ملاوٹ نہ ہو اور پونے دو کلو دیا جائے تو صدقہ فطر ادا ہو جائے گا. اسی طرح اسکی قیمت دی جائے تو بھی صدقہ فطر ادا ہو جائے گا، ہاں اگر اس میدہ میں کسی اور چیز کی ملاوٹ ہو تو پونے دو کلو دینے سے صدقہ فطر ادا نہ ہوگا، اور اسکی قیمت بھی صدقہ فطر کی ادائیگی کیلئے کافی نہ ہوگی خالص گیہوں کی قیمت سے صدقہ فطر ادا کیا جائے (فتاویٰ رحیمیہ ج۵ ص۱۷۴ بحوالہ ہدایہ ج۱ ص۱۹۰)

## جو مختلف غلہ استعمال کرتا ہو وہ کیا دے؟

صدقہ فطر اس غلے میں سے ادا کرے جو خود استعمال کرتا ہو، اگر کوئی شخص گیہوں استعمال کرتا ہے تو اس کے لئے جو کا دینا صحیح نہ ہوگا، اگر مختلف غلے استعمال کرتا ہو تو وہ غلہ دے جو سب سے اچھا ہو، اگر کوئی معمولی غلہ بھی دیدے گا تو صدقہ فطر ادا ہو جائے گا۔ (احیاء العلوم ج ایک قسط ۳ ص ۲۳۰ بحوالہ ابوداؤد شریف)

## کیا صدقہ فطر میں کنٹرول کی قیمت کا اعتبار ہے؟

صدقہ فطر میں اصل تو یہ ہیکہ گیہوں وغیرہ کا غلہ دیا جائے، غلہ اعلیٰ قسم کا، یا اوسط یا ادنیٰ جو بھی دیا جائے صدقہ فطر ادا ہو جائے گا۔ قیمت ادا کرنی ہو تو بازاری دام سے

ادا کرنی ہوگی۔ یہ ضروری نہیں کہ اعلیٰ قسم کے گیہوں کی قیمت ہو، اوسط اور ادنیٰ قسم کے گیہوں کی قیمت بھی معتبر ہے، مگر قیمت ہو تو بازاری دام (قیمت) کے گیہوں کی۔ کنٹرول (راشن) کی قیمت معتبر نہیں۔ فقیر کے ہاتھ میں اتنی رقم پہونچنی چاہیئے کہ اگر وہ اس کے گیہوں خریدنا چاہیئے تو پونے دو کلو (ایک کلو ۶۳۳ گرام) گیہوں بازار سے مل جائیں کنٹرول (سرکاری راشن) کے حساب سے قیمت دی جائے گی تو بازار سے اتنے گیہوں نہیں ملیں گے۔ اور کنٹرول سے حاصل کرنے کیلئے راشن کارڈ کا ہونا ضروری ہے اور کارڈ ہر فقیر کے پاس نہیں ہوتا ہے اس لئے کنٹرول کے حساب لگا کر ادا کرنا اور اس کے حساب کے مطابق قیمت ادا کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

اگر گیہوں کے علاوہ اور کوئی غلہ باجرہ، چاول وغیرہ دیا جائے تو اس میں گیہوں کی قیمت کا اعتبار ہوگا یعنی جس قدر پونے دو کلو گیہوں کی قیمت ہو اتنی رقم کا دوسرا غلہ دیا جائے (فتاویٰ رحیمیہ ج۵ صفحہ ۱۷۲)

اگر آٹا کی قیمت گیہوں سے کم ہو جیسے کہ آج کل سرکاری راشن کا آٹا تو آٹے کی بجائے وزن مذکور یعنی پونے دو کلو گیہوں سے صدقہ فطرا دا کرنا چاہیئے یا اتنا آٹا دیا جائے کہ جسکی قیمت پونے دو کلو گیہوں کی برابر ہو۔ (احسن الفتاویٰ ج۴ صفحہ ۴۰۵)

## فطرہ میں قیمت کہاں کی معتبر ہوگی؟

سوال:- ہمارے یہاں گیہوں کی پیداوار نہیں؟ ورنہ فروخت ہوتا ہے، البتہ بعض گھروں میں آٹا کم اور میدہ بکثرت، میدہ کی قیمت آٹے سے بہت زیادہ تو ایسی صورت میں میدہ کے حساب سے فطرہ دیا جائے یا ہندوستان سے گیہوں کے دام معلوم کرنے؟

جواب:- گیہوں، میدہ، آٹا، تینوں میں سے کسی ایک کے دینے سے صدقہ فطرادا ہو جاتا ہے، گیہوں سے آٹا دینا افضل ہے اور آٹا دینے سے قیمت دینا افضل ہے۔

جس قریب کی جگہ گیہوں آٹے کی فروخت ہوتی ہو وہاں کے نرخ سے قیمت لگائی جائے

اور رمضان کے مہینہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ اور جب آپ کے یہاں میدہ کی فروخت بکثرت ہوتی ہے تو خود میدہ یا اسکی قیمت دینا چاہیئے اگرچہ گیہوں سے زیادہ بیٹھے۔ ہندوستان سے گیہوں کا نرخ معلوم کر کے قیمت دینا کافی نہیں۔ (قریب جگہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا)

(فتاویٰ محمودیہ ج۷ ص۳۷۱)

## صدقہ فطر میں شہر یا ضلع کی قیمت کا اعتبار

سوال:۔ اگر کسی جگہ گیہوں نہ ملیں اور آٹا زیادہ قیمت کو ملتا ہے اور شہر میں گندم کی قیمت کم ہو تو شہر کی قیمت سے صدقہ فطر ادا کرنا کیسا ہے۔؟

جواب:۔ اپنی بستی کے حساب سے صدقہ فطر ادا کرنا چاہیئے۔ اگر وہاں گندم نہ ملیں تو آٹا کی قیمت کا حساب کرنا چاہیئے یا جوار، اور چھوہارے کے صاع کی قیمت کا حساب کرنا چاہیئے غرض جو جنس (منصوص یعنی جنکا حدیث میں ذکر ہے مثلاً گیہوں، چھوہارے، منقےٰ، جو کا ایک صاع) وہاں ملتی ہو اس کی قیمت کا کا حساب کیا جائے۔ فتاویٰ دار العلوم ج۶ ص۳۲۳ بحوالہ ردالمحتار باب الصدقۃ الفطر ج۲ ص۱۰۱)

## سب سے بہتر فطرہ

اگر گیہوں یا جو کی قیمت دیدی جائے تو یہ سب سے بہتر ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ایک ص۱۹۲)

اگر زمانہ ارزانی کا ہو تو نقد دینا بہتر ہے اگر خدانخواستہ گرانی کا ہو تو کھانے کی چیزوں کا دینا افضل ہے،

اور علم الفقہ کے حاشیہ میں یہ ہے کہ: میرے نزدیک امراکو یہ مناسب ہے کہ اگران سے گراں چیز کی قیمت دیں مثلاً آج کل چھوہارا، اور منقےٰ ان سب چیزوں میں گراں ہیں لہٰذا اسکی قیمت دیا کریں کیونکہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ " اذا وسع اللّٰہ فوسعوا " جب اللہ تمہیں زیادہ دے تو تم بھی زیادہ دو،

(علم الفقہ ج چار ص۵۳)

## غیرممالک والوں کا فطرہ کس حساب سے دیا جائے؟

سوال :۔ بیرون ممالک کے باشندے اپنے خویش واقارب سے فطرہ کی ادائے گی کیلئے لکھتے ہیں کہ ہماری طرف سے اتنے فطرہ ادا کر دیں، احتیاطاً چار سیر گیہوں یا اس کی قیمت دیجاتی ہے معلوم یہ کرنا ہے کہ ان کے فطرہ کی قیمت یہاں پر کس قیمت پر ادا کی جائے یہاں کی قیمت سے یا وہاں کی قیمت سے۔؟

جواب :۔ ان کے فطرے عمدہ قسم کے گیہوں پونے دو کلو گیہوں ادا کرے، یا وہاں کے حساب سے گیہوں کی قیمت دیجائے، اگر یہاں کے گیہوں کی قیمت زیادہ ہوتی ہے تو یہاں کے حساب سے ادا کرے، بہتر یہی ہے کہ گیہوں دیدے، اور اگر قیمت دے تو وہ قیمت لگائی جائے جس میں صدقہ لینے والے غریبوں کا فائدہ ہو۔

(فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ صفحہ ۱۱۳)

## عہد نبویؐ میں فطرہ کس وقت دیا جاتا تھا؟

سوال :۔ آپؐ کے زمانہ میں صدقہ فطر نماز سے پہلے نکالا جاتا تھا یا نہیں یا کچھ دنوں تک جمع رہتا تھا اس کے بعد محتاجوں کو تقسیم کیا جاتا تھا؟

ہمارے یہاں ایک جگہ کے سردار کے پاس صدقہ فطر جمع ہو کر رہتا ہے اور سردار یا نائب سردار حسب مرضی ہو جب تقسیم کرتے ہیں یہ عمل کیسا ہے؟

جواب :۔ در مختار میں لکھا ہے کہ جسکا حاصل یہ ہے کہ صدقہ فطر نماز سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم اور فعل کے موافق۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز کے جانے سے پہلے صدقہ فطر کے نکالنے کا حکم فرمایا ہے، پس ثابت ہوا کہ جو کچھ عمل ان سرداروں کا ہے خلاف سنت ہے اور بے اصل ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ج ۲ ص ۳۰۳ بحوالہ مشکوٰۃ باب صدقۃ الفطر فصل اول صفحہ ۱۶۰)

صدقہ فطر کا اگر وہ عید کے دن سے پہلے ادا نہ کیا گیا ہو تو عید گاہ جانے سے پہلے ادا کر دینا مستحب ہے۔ (علم الفقہ حصہ چہارم ص۳۴)

## کیا سید کو صدقہ فطر دے سکتے ہیں؟

جواب:۔ مفتی بہ مذہب یہی ہے کہ سادات کو اس زمانے میں بھی زکوٰۃ اور صدقات واجبہ مثلاً چرم قربانی اور صدقہ وغیرہ دینا حرام ہے اور زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ پانچ ص ۱۶۹ فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ ص ۱۶۰ پر ہے کہ سید کو زکوٰۃ وعشر کا روپیہ یا غلہ دینا درست نہیں۔ ہاں حیلہ کر کے دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ حیلہ کی صورت یہ ہے کہ کسی غریب کو یہ کہکر دیدیا جائے کہ فلاں سید کو دینا تھا مگر وہ سید ہے اس کے لئے زکوٰۃ جائز نہیں لہٰذا تم کو دیتے ہیں اگر کل یا بعض اسکو بھی اپنی طرف سے دیدو بہتر ہے۔ اور وہ لیکر دیدے تو سید کیلئے جائز ہے (بحوالہ کفایت المفتی ص۲۷۴)

## صدقہ کی تقسیم کا طریقہ

ایک آدمی کا صدقہ فطر ایک ہی فقیر کو دیدے یا تھوڑا کر کے کئی فقیروں کو دیدے دونوں باتیں جائز ہیں۔ نیز اگر کئی آدمیوں کا صدقہ فطر ایک ہی فقیر کو دیدیا تو یہ بھی درست ہے، حاشیہ میں لکھا ہے، لیکن وہ اتنے آدمیوں کا نہ ہو کہ یہ سب مل کر نصاب زکوٰۃ یا نصاب صدقہ فطر کو پہنچ جائے اس لئے اس قدر دینا ایک شخص کو مکروہ ہے، نیز صدقہ فطر کے مستحق وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

حاشیہ میں لکھا ہے غیر مسلم کو بھی صدقہ فطرہ دینا درست ہے، لیکن زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ (بہشتی زیور حصہ سوم ص۳۶ بحوالہ فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ایک ص۱۹۱)

*

## صدقہ فطر کی رقم سے مدرسہ کی زمین خریدنا

سوال:۔ برسنگھم مسجد ٹرسٹ، مسجد سے ملحق زمین پر بچوں کیلئے دینی مدرسہ بنانا چاہتے ہیں۔ یہاں پر اس وقت بچوں کی تعلیم کیلئے کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ ہمارے پاس روپے کی کمی ایک دیرینہ شکایت ہے لیکن صدقہ فطر کی رقم کی مد میں کچھ رقم بڑی ہوئی ہے آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا یہ رقم اس زمین کی خریداری میں استعمال کی جاسکتی ہے؟

جواب:۔ صدقہ فطرہ کا حکم یہ ہے کہ عید کے دن نماز عید سے پہلے ادا کیا جائے اور اور اس سے پہلے بھی ادا کرنا درست ہے، اگر کسی نے ادا نہ کیا تو جلدی ادا کرنے کی فکر کرے۔ ساقط اور معاف نہیں ہوتا ہے۔

اس حکم کے باوجود آپ حضرات کے پاس صدقہ فطر کی کثیر رقم کیسے جمع ہے تعجب ہوتا ہے، اور افسوس بھی، اور اگر آپ کی مالی حالت مدرسہ بنانے کے قابل نہ اسوقت ہے نہ مستقبل قریب میں ہونے کی توقع ہے تو اس رقم کا شرعی حیلہ کرکے مدرسہ کیلئے خریدی جاسکتی ہے، بلا اضطراری حالت اور بدوں عذر شرعی کے حیلہ کرکے بھی یہ رقم زمین خریدنے میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔

صدقہ فطر کے اصل حق دار فقراء و مساکین ہیں ان کی حق تلفی ہوگی۔

(فتاویٰ رحیمیہ ج ۵ ص ۱۷۴)

## فدیے کی رقم کو مقروض کے قرض میں مجرا کرنا

سوال:۔ ایک شخص کا قرض کسی کے ذمہ ہے اور مدیون مفلس اور نادار ہے، اگر قرض دار صدقہ فطر میں اس قرض کو مجرا کرلے تو کیا صدقہ فطر ادا ہو جائے گا؟

جواب:۔ اس طرح صدقہ فطر ادا نہ ہوگا، بغیر وصول کئے قرض میں مجرا کرلینے سے زکوٰۃ و فطرہ ادا نہیں ہوتا ہے۔ قرض میں وصول کرسکتے ہیں مگر دینا ضروری ہے

(فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۳۰۳ بحوالہ رد المحتار ج ۱ باب المصرف ص ۸۵ وکتاب الزکوٰۃ ج ۲ ص ۱۶)۔

## مسجد کے امام کو صدقہ دینا

سوال:- امام مسجد کو صدقہ فطر دینا جائز ہے یا نہیں؟
جواب:- امامت کی وجہ سے اسکو فطرہ دینا جائز نہیں ہے، (فتاویٰ دارالعلوم ج۶ ص۳۲۶)

## جو سحری کیلئے اُٹھاتا ہے اسکو فطرہ دینا

صدقہ فطر کا مال اس شخص کو دینا جو سحری کیلئے لوگوں کو اٹھاتا ہو جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ اس کو اسکی اجرت میں قرار نہ دے بلکہ پہلے کچھ اور اس کو دیدے اسکے بعد صدقہ فطر کا مال دے۔ (علم الفقہ حصہ چار ص۵۴)

## نابالغ کو فطرہ دینا

سوال:- فطرہ غریب ویتیم مسکین نابالغ بچوں کو دینے سے ادا ہو جاتا ہے یا نہیں؟
جواب:- اگر غریب نابالغ ہو تو ان کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں، البتہ ان کے لئے سرپرستوں کو دینا جائز ہے،
اگر وہ بچے سمجھدار ہیں تو خود ان کو بھی دینا جائز ہے اور اگر وہ بچے مالدار کے ہیں تو ان کو کسی طرح بھی دینا درست نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ج۷ ص۲۹۹)

## جہاں فقراء نہ ہوں، وہاں فطرہ کسوقت نکالا جائے؟

سوال:- جس ملک میں شرعی فقراء نہ ہوں، وہاں کے لوگ صدقہ فطر عید کے دن نماز سے پہلے نکال کر علیحدہ رکھ لیں یا کسی شخص معتمد کو دیدیں، اس کے بعد دوسرے غریب ملک کو روانہ کر دیا جائے، تو مستحب ادا ہوگا یا نہیں؟
جواب:- صدقہ فطر عید سے پہلے فقراء کو دینا مستحب ہے، پس اس صورت میں

## غیر ممالک والوں کا فطرہ کس حساب سے دیا جائے؟

سوال :- بیرون ممالک کے باشندے اپنے خویش واقارب سے فطرہ کی ادائے گی کیلئے لکھتے ہیں کہ ہماری طرف سے اتنے فطرہ ادا کر دیں، احتیاطاً چار سیر گیہوں یا اس کی قیمت دیجاتی ہے معلوم یہ کرنا ہے کہ ان کے فطرہ کی قیمت یہاں پر کس قیمت پر ادا کی جائے یہاں کی قیمت سے یا وہاں کی قیمت سے۔؟

جواب :- ان کے فطرے عمدہ قسم کے گیہوں پونے دو کلو گیہوں ادا کرے، یا وہاں کے حساب سے گیہوں کی قیمت دیجائے، اگر یہاں کے گیہوں کی قیمت زیادہ ہوتی ہے تو یہاں کے حساب سے ادا کرے، بہتر یہی ہے کہ گیہوں دیدے، اور اگر قیمت دے تو وہ قیمت لگائی جائے جس میں صدقہ لینے والے غریبوں کا فائدہ ہو۔

(فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ صفحہ ۱۱۳)

## عہدِ نبویؐ میں فطرہ کس وقت دیا جاتا تھا؟

سوال :- آپؐ کے زمانہ میں صدقہ فطر نماز سے پہلے نکالا جاتا تھا یا نہیں یا کچھ دنوں تک جمع رہتا تھا اس کے بعد محتاجوں کو تقسیم کیا جاتا تھا؟

ہمارے یہاں ایک جگہ کے سردار کے پاس صدقہ فطر جمع ہو کر فرور؟ ہے اور سردار یا نائب سردار جب مرضی ہو جب تقسیم کرتے ہیں ایسا یہ عمل کیسا ہے؟

جواب :- در مختار میں لکھا ہے کہ جسکا حاصل یہ ہے کہ صدقہ فطر نماز سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم اور فعل کے موافق۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز کے لئے جانے سے پہلے صدقہ فطر کے نکالنے کا حکم فرمایا ہے۔ بس ثابت ہوا کہ جو کچھ عمل ان سرداروں کا ہے خلاف سنت ہے اور بے اصل ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ج ۶ ص ۳۰۳ بحوالہ مشکوٰۃ باب صدقۃ الفطر فصل اول صفحہ ۱۶۰)

## عقیقہ کی وجہ تسمیہ

عقیقہ "عَقٌّ" سے مشتق ہے، لغت میں عَقّ کے معنی ہیں "چیرنا، پھاڑنا" اصطلاح میں عقیقہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو نوزائیدہ بچے کے (پہلے پہل کے) سر پر ہوتے ہیں۔ ان بالوں کو عقیقہ اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہ بال ساتویں دن مونڈے جاتے ہیں، اور اسی مناسبت سے عقیقہ اس بکری کو بھی کہتے ہیں جو بچے کے سر مونڈنے کے وقت ذبح کی جاتی ہے (مظاہر حق جدید ص۶۵ ج۵)

(عَقّ کا لفظ جو عین کے زبر اور قاف کے تشدید کے ساتھ ہے، اس کے معنی لغت میں پھاڑنا اور لڑکے کی طرف سے قربان کرنا اس کی پیدائش کے پہلے ہفتہ میں۔ ماں کے پیٹ سے جو بال بچہ کے سر پر ہوتے ہیں ان کو دور کرنا، صاف کرنا، کاٹنا اور عقیق جو امیر کے وزن پر ہے اور عِقّہ عین کے زیر اور قاف کے تشدید کے ساتھ اور عقیقہ سفینہ کے وزن پر، انسان اور حیوان کے بچے کے بال، اور عقیقہ کے معنی اونٹ کے بچے کے بال کے بھی ہیں اور بکری و مینڈھا جو بچہ کی پیدائش کے پہلے ہفتہ میں ذبح کیا جائے، اس کو بھی کہتے ہیں۔ پیدائشی بال جو بچہ کے سر پر ہوتے ہیں ان کو عقیقہ اس واسطے بھی کہا جاتا ہے کہ عَقّ کے معنی پھاڑنا ہے اور یہ بال گوشت اور چمڑا پھاڑ کر نکلتے ہیں پھر مجازاً اس جانور کا نام رکھ دیا جو بچہ کے لیے ذبح ہو، اس لیے کہ بچہ کے سر کے بال اس جانور کے ذبح ہونے کا سبب ہیں تو اس وجہ سے سبب کا جو نام تھا وہ مسبب کا ہو گیا۔ اب یہ مجازی معنیٰ اس قدر مشہور و معروف ہو گئے کہ عقیقہ کا لفظ بولتے ہی فوراً وہ جانور ہی سمجھا جاتا ہے جو بچہ کے پیدائشی بال کاٹتے وقت ذبح کیا جاتا ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

## عقیقہ کیا ہے؟

اہل عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کیا کرتے تھے اور عقیقہ میں بہت سی مصلحتیں تھیں، جس کا فائدہ خاندان، غیر خاندان اور خود عقیقہ کرنے والوں کو بھی تھا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برقرار رکھا اور آپؐ نے اس پر عمل بھی کیا، اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دی منجملہ ان مصلحتوں کے

(۱) یہ ہے کہ عقیقہ میں نہایت خوبی کے ساتھ اولاد کے نسب کی اشاعت ہوتی ہے اور اشاعتِ نسب ایک ضروری چیز ہے تاکہ کوئی شخص اس کی نسبت ناپسندیدہ باتِ نہ کہے اور یہ بات نامناسب تھی کہ بچہ کا باپ گلی کوچوں میں پکارتا اور اعلان کرتا پھرے کہ میرے اولاد ہوئی ہے۔ پس اشاعت و اطلاع کے لیے یہی طریقہ بہت مناسب ہوا۔

(۲) عقیقہ کے اندر سخاوت کے معنیٰ کا اتباع اور بخل کی صفت کا عصیان پایا جاتا ہے۔

(۳) مصلحت یہ بھی ہے کہ نصاریٰ میں جب کسی کے بچہ پیدا ہوتا تھا تو اس کو زرد پانی سے رنگا کرتے تھے اور اس کو عموٗیہ کہتے تھے اور ان کا قول تھا کہ اس کے سبب سے وہ بچہ نصرانی ہو جاتا ہے۔ اسی نام کے ساتھ مشاکلت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں سورۂ بقرہ پارہ الٓمٓ میں فرمایا کہ:۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔ ہم نے قبول کرلیا رنگ اللہ کا (یعنی دینِ حق) اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے۔

تو مناسب ہوا کہ دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نصاریٰ کے فعل کے مقابل میں کوئی ایسا امتیاز پایا جائے جس سے اس فرزند (بچہ) کا حنفی یعنی اسلامی اور ملتِ ابراہیمی و اسمٰعیلی کا تابع ہونا معلوم ہو اور جس قدر افعال حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص تھے اور برابر ان کی اولاد میں چلے آئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہونا اور پھر خدا تعالیٰ کا اس کے بدلہ میں ذبحِ عظیم (قربانی) کے ساتھ انعام کرنا ہے اور ان یادگاروں میں سے زیادہ مشہور یادگار حج ہے جس کے اندر سر کے بال منڈانا اور ذبح کرنا ہوتا ہے پس ان باتوں میں ان کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا اس بات کی علامت ہے کہ ہم اور ہماری اولاد ملتِ حنیفی پر قائم ہے۔ (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر جو کہ اسلام ہے اسی پر قائم ہیں)۔

(۴) مصلحت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ عقیقہ شروعِ پیدائش میں کرنے سے اس بات

کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ گویا اس نے بچہ کو خدا کی راہ میں دے دیا ہے جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچہ کے ساتھ کیا تھا۔ (حضرت اسمٰعیل ؑ کو شروع ہی میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کیا تھا)۔

اسی میں سلسلہ احسان اور نیازمندی اور فرماں برداری کو حرکت دینا بھی معلوم ہوتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص۵۰۸)

عقیقہ میں دو ہی کام ہوتے ہیں۔ ایک بچّے کا سر منڈوا دینا اور دوسرے بچّہ کی طرف سے شکرانہ اور فدیہ (بدلہ) کے طور پر جانور قربان کردینا۔ ان دونوں عملوں میں ایک خاص ربط اور مناسبت ہے۔ اور یہ ملّتِ ابراہیمیؒ کے شعائر (نشانی، یادگار) میں سے ہیں۔ حج میں بھی ان دونوں کا اسی طرح جوڑ ہے۔ اور حاجی قربانی کرنے کے بعد سر صاف کراتا ہے۔ اس لحاظ سے عقیقہ عملی طور پر اس کا بھی اعلان ہے کہ ہمارا رابطہ (تعلق) اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے، اور بچہ بھی ملّتِ ابراہیمیؒ کا ہی ایک جزو ہے۔ (معارف الحدیث الحدیث ص۲۷ ج۶)۔

## عقیقہ کا شرعی حکم

**سوال**:۔ بچہ کے عقیقہ کا کیا حکم ہے؟ ایک شخص کا کہنا ہے کہ عقیقہ رسمی چیز ہے، اسلامی طریقہ نہیں اور امام ابوحنیفہ رحؒ خود اس کو بدعت اور مکروہ لکھتے ہیں۔ صحیح کیا ہے؟

**جواب**:۔ مذہبِ حنفی میں عقیقہ مسنون و مستحب ہے (رواجی نہیں) اسلامی طریقہ ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر بدعت اور مکروہ تحریمی کا الزام لگانا غلط اور بہتان ہے۔

مالابدمنہ میں ہے کہ عقیقہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و امام شافعی رحمہ اللہ نیز امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہے اور امام احمدؒ کی ایک روایت وجوب کی بھی ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب ہے اور ان کی طرف بدعت کا قول منسوب کرنا حضرت امام صاحب رحؒ پر افترار ہے (مالابدمنہ ص۱۷۸)۔

بچہ پیدا ہونے کی خوشی میں شکریہ کے طور پر نیز آفات و امراض سے حفاظت کے

ے ساتویں دن (یعنی بچہ جمعہ کے دن پیدا ہو تو جمعرات کو) لڑکے کے لیے دو بکرے اور
لی کے لیے ایک بکرا ذبح کیا جائے اور بچہ کا سر منڈوا کر بالوں کے ہم وزن چاندی
یا اس کی قیمت) غریبوں کو صدقہ کردے اور بچہ کے سر پر زعفران لگائے۔ یہ تمام
یں مستحب ہیں۔ اور حدیث سے ثابت ہیں۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ غُلَامٍ رَھِیْنَۃٌ
عَقِیْقَتِہٖ تُذْبَحُ عَنْہُ یَوْمَ سَابِعِہٖ وَیُحْلَقُ وَیُسَمّٰی رَأْسَہٗ
ترمذی شریف ص۱۸۳ جلد اول)۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ بچہ اپنے عقیقہ کے بدلہ میں مرہون
ہا ہے لہٰذا ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام طے کر لیا
ئے، نیز اس کا سر منڈوایا جائے (ترمذی)

مرہون کے بہت سے مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً (۱) احادیث میں آتا ہے کہ
ماں باپ کے لیے سفارش کرے گا اور وہ ان کا شفیع ہوگا لیکن اگر حیثیت کے باوجود
یقہ نہیں کیا اور بچپن ہی میں بچہ کا انتقال ہو گیا تو ماں باپ کے لیے شفاعت نہیں
ے گا، گویا جس طرح گروی رکھی ہوئی چیز کام میں نہیں آتی، یہ بچہ بھی ماں باپ کے
م نہیں آئے گا۔

(۲) عقیقہ کیے بغیر بچہ سلامتی نیز خیر و برکات سے محروم رہتا ہے یعنی جب تک عقیقہ
و مرض کے قریب اور محافظت سے دور رہتا ہے۔

(۳) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکرا ذبح کر کے امام حسن رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا اور
رت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حکم فرمایا کہ اس کا سر منڈواؤ اور بالوں کے ہم وزن چاندی
ت کر دو۔ (ابوداؤد شریف ص۳۷ ج۲)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت (یعنی قبل از اسلام) میں
پیدا ہوتا تو ہم بکرا ذبح کرتے اور اس کا خون بچہ کے سر پر لگاتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے
م سے نوازا تو اب ہم ساتویں دن بکرا ذبح کرتے ہیں، نیز بچہ کا سر مونڈتے ہیں اور

اس کے سر پر زعفران لگاتے۔ (ابوداؤد شریف ص۳۶ ج ۲)۔

نور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے، آپ نے فرمایا عقیقہ میں لڑکے کے لیے دو بکرے اور لڑکی کے لیے ایک بکری ہو، اس میں کوئی حرج نہیں کہ بکرا ہو یا بکری۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۹۲ ج ۲)۔

عقیقہ کے عوض بچے کے رہن ہونے کے شارحین نے کئی مطلب بیان کیے ہیں ایک یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بچہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے اور صاحبِ استطاعت کے لیے عقیقہ کی اس کا شکرانہ اور گویا اس کا فدیہ (بدلہ) ہے۔ جب تک یہ شکریہ پیش نہ کیا جائے اور فدیہ ادا نہ کر دیا جائے باقی رہے گا اور گویا بچہ اس کے عوض رہن رہے گا۔ (معارف الحدیث ص۲۶ ج ۶)۔

## عقیقہ میں آں حضرتؐ کا عمل

عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاۃٍ وَّقَالَ یَا فَاطِمَۃُ اِحْلِقِیْ رَاْسَہٗ وَتَصَدَّقِیْ بِزِنَۃِ شَعْرِہٖ فِضَّۃً فَوَزَنَاہُ فَکَانَ وَزْنُہٗ دِرْھَمًا اَوْ بَعْضَ دِرْھَمٍ (رواہ الترمذی)

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن رضؓ کے عقیقہ میں ایک بکری کی قربانی کی۔ اور آپؐ نے (اپنی صاحبزادی سیدہ) فاطمہ رضؓ سے فرمایا کہ "اس کا سر صاف کر دو اور بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کر دو"، ہم نے وزن کیا درہم برابر یا اس سے کچھ کم تھے (بال)۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ وُّلِدَ لَہٗ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ یَّنْسُکَ عَنْہُ فَلْیَنْسُکْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَیْنِ وَعَنِ الْجَارِیَۃِ شَاۃً۔ (ابوداؤد، نسائی)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کے بچہ پیدا ہو وہ اس کی طرف سے عقیقہ کرنا چاہے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری قربان کرے۔
تشریح :۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقیقہ فرائض و واجبات کی طرح کوئی لازمی چیز نہیں ہے، بلکہ اس کا درجہ استحباب کا ہے جیسا کہ حدیث کے خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اسی طرح لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریاں کرنا بھی کچھ ضروری نہیں ہے، ہاں اگر وسعت ہو تو دو کی قربانی بہتر ہے، ورنہ ایک بھی کافی ہے۔

دنیا کی قریب قریب سب ہی قوموں اور ملتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ بچہ پیدا ہونے کو ایک نعمت اور خوشی کی بات سمجھا جاتا ہے اور کسی تقریب کے ذریعہ اس خوشی کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضہ بھی ہے اور اس میں ایک مصلحت یہ ہے کہ اس سے نہایت لطیف اور خوب صورت طریقے پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ باپ اس بچے کو اپنا ہی بچہ سمجھتا ہے۔ اور اس بارے میں اس کو اپنی بیوی پر کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اس سے بہت سے فتنوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ عربوں میں اس کے لیے جاہلیت (آپؐ کے زمانہ سے قبل) میں بھی عقیقہ کا رواج تھا۔ یہ دستور تھا کہ بچہ کی پیدائش کے چند روز بعد نومولود بچے کے سر کے بال جو وہ ماں کے پیٹ سے لے کر پیدا ہوا ہے صاف کرا دیئے جاتے، اور اس خوشی میں کسی جانور کی قربانی کی جاتی (جو ملّتِ ابراہیمی ؑ کی نشانیوں میں سے ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی طور پر اس کو باقی رکھتے ہوئے بلکہ اس کی ترغیب دیتے ہوئے اس کے بارے میں مناسب ہدایات دیں اور خود عقیقے کر کے عملی نمونہ بھی پیش فرمایا۔ (معارف الحدیث ص۲۲ تا ص۲۹ جلد ۶)۔

## عقیقہ سنت ہے یا واجب؟

عقیقہ کرنا مسنون و مستحب ہے فرض و واجب نہیں۔ پیدا ہونے کے بعد ساتویں دن یا چودھویں دن یا اکیسویں دن عقیقہ کرنا مسنون ہے۔ ساتویں دن سے پہلے

عقیقہ کرنا درست نہیں ہے۔ اور بالوں کے برابر چاندی تول کر (یا اس کی قیمت) مساکین اور محتاجوں کو صدقہ کر دینا مستحب ہے، حجام (نائی جس نے بال کاٹے ہیں) اس کو اُجرت میں دینا جائز نہیں۔ اُن بالوں کو زمین میں دفن کر دینا بھی مستحب ہے۔

تشریح:۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا ہر ایک بچہ گروی ہے اپنے عقیقہ کے عوض یعنی اگر وہ بچہ بچپن میں بغیر عقیقہ ہوئے مرجائے تو قیامت کے روز ماں باپ کی شفاعت نہ کرے گا۔

علماء نے فرمایا کہ اگر قدرت (گنجائش) ہوتے ہوئے عقیقہ نہ کرے تو شفاعت سے محروم رہے گا۔ اور افضل وبہتر یہ ہے کہ پیدا ہونے کے ساتویں دن عقیقہ کریں اور نام رکھیں اور سر کے بال اُترائیں اور زعفران پیس کر بچہ کے سر پر لگائیں، اگر لڑکا ہے تو دو بکریاں ذبح کریں اور لڑکی ہو تو ایک بکری، نر ہو یا مادہ ہو، بھیڑ ہو یا دنبہ سب درست ہے، لیکن بکری، بکرا ایک سال سے کم نہ ہو، اور دنبہ چھ ماہ کا بھی درست ہے جب کہ فربہ ہو اور سال بھر کا معلوم ہوتا ہو۔ باقی جو شرطیں قربانی کے جانور میں ضروری ہے وہ سب عقیقہ کے جانور میں بھی ضروری ولازم ہیں۔ (فتاویٰ محمدیہ صفحہ ۱۰۳)

عقیقہ کرنا واجب نہیں ہے سنت ہے۔ اگر وسعت (گنجائش) ہو تو عقیقہ کرنا اَولیٰ وافضل ہے۔ (کفایت المفتی صفحہ ۲۴۴ ج ۸)۔

## عقیقہ کس عمر تک ہے؟

عقیقہ کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ ساتویں روز کیا جائے، اگر ساتویں روز نہ ہو تو چودھویں روز یا اکیسویں روز کرے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عقیقہ کے جانور کو ساتویں روز ذبح کیا جائے یا چودھویں روز یا اکیسویں روز۔ (طبرانی)۔

بہت سے علماء نے ساتویں دن کی تعداد کا لحاظ کر کے بالغ ہونے تک مدت لکھی ہے، اور بہت سے حضرات نے کسی مدت کی قید نہیں لگائی۔ عقیقہ خود مستحب ہے اور اس کو مستحب طریقہ سے ادا کرنا چاہیے۔ لہٰذا ساتویں روز عقیقہ کرنا بہتر ہے نہ ہو سکے تو چودھویں دن یا اکیسویں دن کرے، بغیر کسی مجبوری کے اس سے زیادہ تاخیر

نہ کرے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۹۳ ج۲)۔

مسئلہ:۔ بڑھاپے تک عقیقہ جائز تو ہے مگر وہ عقیقہ کیا ایک خیراتی ذبیحہ ہوگا (کفایت المفتی ص۲۴۴ ج۸)۔

## بچّہ کا عقیقہ کون کرے؟

سوال:۔ اگر بچّے کے والدین، صاحبِ نصاب ہوں اور بچّے کا عقیقہ ماموں، چچا، دادا، نانا وغیرہ رشتے دار کریں تو صحیح ہے یا نہیں؟

عقیقہ ادا ہوجائے گا؟ یا والدین کو پھر دوبارہ کرنا ہوگا؟

جواب:۔ جس کے ذمّہ بچہ کا نفقہ (ضروری خرچ) واجب ہے، اسی کے ذمّہ عقیقہ بھی ہے۔ باپ کی حیثیت نہ ہو تو ماں عقیقہ کرے، اگر اس میں حیثیت (گنجائش) نہ ہو تو قرض لے کر عقیقہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۹۴ ج۲)

اس کے باوجود اگر والدین کو اس کی توفیق نہ ہوئی اور دوسرے کرنا چاہیں اور والدین رضامند ہوں تو کافی ہوجائے گا دوبارہ کرنا ضروری نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۷۲ جلد۶)۔

## عقیقہ میں کیا ایک بکرا کافی ہے؟

اگر حیثیت ہو تو لڑکے کے لئے دو بکرے یا دو بھیڑے یا دو دُنبے یا قربانی کے جانور اونٹ، گائے، بھینس یا کٹڑے میں دو حصّے افضل ہیں، ورنہ (گنجائش نہ ہو تو) ایک بکرا یا بھیڑ یا بڑے جانور میں سے ایک حصہ بھی کافی ہے۔ اس سے بھی عقیقہ ہوجاتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۹۴ ج۲)۔

مسئلہ:۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے عقیقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ایک مینڈھے کی قربانی غالباً اس لیے کی کہ اُس وقت اتنی ہی وسعت تھی۔ اور اس طرح اُن لوگوں کے لیے جن کو زیادہ وسعت حاصل نہ ہو، ایک نظیر بھی قائم ہوگئی۔ (معارف الحدیث ص۲۸ ج۶)۔

## عقیقہ ساتویں دن کیوں؟

عقیقہ ساتویں روز کرنے کی وجہ یہ معلوم

ہوتی ہے کہ پیدائش اور عقیقہ میں کچھ فاصلہ ہونا ضروری ہے کیونکہ سب گھروالے زچّہ (ماں) اور بچّہ کی خبرگیری میں شروع شروع میں مشغول رہتے ہیں، ایسے وقت میں مناسب نہیں کہ ان کو عقیقہ کا حکم دے کر ان کا شغل یعنی کام اور زیادہ بڑھا دیا جائے۔ نیز بعض لوگوں کو اسی وقت بکری (جانور وغیرہ) دستیاب نہیں ہوسکتی بلکہ تلاش کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پس اگر پہلے ہی روز عقیقہ مسنون کیا جاتا تو لوگوں کو دِقّت ہوجاتی اس لیے سات روز کا فاصلہ (وقتِ مدّت) ایک کافی اور مناسب مدّت۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص۵۰۹ ج۱)۔

پیدائش ہی کے دن عقیقہ کرنے کا حکم غالبًا اس لیے نہیں دیا گیا کہ اس وقت گھروالوں کو زچّہ (ماں) کی دیکھ بھال کی فکر ہوتی ہے، علاوہ ازیں اسی دن بچّے کا سَر صاف کرادینے (بال کٹادینے) میں طبّی اصول پر ضرر (نقصان) کا بھی خطرہ ہے۔ ایک ہفتہ کی مدّت ایسی ہے کہ اس میں زچّہ (بچّہ کی ماں) بھی عمومًا ٹھیک ہوجاتی ہے اور بچّہ بھی سات دن تک اس دنیا کی ہوا کھا کر ایسا ہوجاتا ہے اُس کا سَر صاف کرادینے (بال کٹادینے) میں نقصان (ضرر) کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ (معارف الحدیث ص۲۶ ج۶)۔

## لڑکے کے لیے دو بکریاں کیوں؟

جو شخص دو بکریوں کا متحمل ہوسکتا ہے اس کو مستحب ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرے اور اس کا یہ سبب ہے کہ لوگوں کے نزدیک بہ نسبت لڑکیوں کے لڑکوں کا نفع زیادہ ہے، لہٰذا دو کا ذبح کرنا زیادتی ہے اور اس کی عظمت کے مناسب ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص۵۰۹)۔

عقیقہ کا رواج یہود میں بھی تھا لیکن وہ صرف لڑکوں کی طرف سے عقیقہ کی قربانی کرتے تھے، لڑکیوں کی طرف سے نہیں کرتے تھے، جس کی وجہ غالبًا لڑکیوں کی ناقدری تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی اصلاح فرمائی اور حکم دیا کہ لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی طرف سے بھی عقیقہ کیا جائے۔ البتہ دونوں صنفوں میں جو قدرتی اور فطری

فرق ہے (جس کا لحاظ میراث اور قانونِ شہادت وغیرہ میں بھی کیا گیا) اس کی بنا پر آپؐ نے فرمایا کہ لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکری اور لڑکے کے عقیقہ میں (اگر استطاعت اور وسعت ہو تو) دو بکریوں کی قربانی کی جائے۔ (معارف الحدیث صفحہ ۶۴ ج ۶ بحوالہ کنز الاعمال صفحہ ۲۷۲)۔

(اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر بڑائی و فضیلت دی ہے، چنانچہ میراث میں مرد کا حصہ عورت سے دوگنا یعنی ڈبل مقرر کیا۔ اور ایک مرد کی گواہی دو عورتوں کے برابر ٹھہرائی اور نماز میں عورت کی امامت درست نہیں، تو ضروری ہوا کہ عقیقے میں بھی مرد عورت میں فرق اور امتیاز ہو، اور یہ فرق دو ہی طرح سے ہو سکتا تھا کہ ایک یہ کہ لڑکے کے لیے عقیقہ ہو، اور لڑکی کے لیے نہ ہو جیسے مرد کی امامت درست اور عورت کی نہیں۔ دوسرے یہ کہ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریاں ذبح ہوں اور لڑکی کے عقیقہ میں ایک ذبح ہو، پہلا طریقہ (لڑکی کا عقیقہ) نہیں ہو سکتا تھا، کیوں کہ احادیث میں لڑکی کے لیے بھی عقیقہ کرنے کا ذکر ہے، اس لیے یہ امتیاز کیا گیا کہ لڑکے کے لیے دو اور لڑکی کے لیے ایک مقرر کی جائے۔ واللہ اعلم۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

## بچّہ کے بالوں کے ہموزن خیرات کیوں؟

بچہ کے بالوں کے برابر چاندی خیرات کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بچہ کی حالت جنبیہ (ناپاکی یعنی منی اور حیض وغیرہ کا گندہ خون) سے منتقل ہو کر بچپن کی طرف آنا، اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے تو اس پر شکر واجب ہے اور بہترین شکر یہ ہے کہ اس کے بدلے کچھ دیا جائے، پیدائشی بال ناپاکی کی نشانی تھی، ان کا دور ہونا نشاناتِ طفلیہ (بچپن) کے استقلال کی نشانی ہے، اس لیے صدقہ کرنا واجب ہوا کہ ان کے بدلہ چاندی (یا نقد رقم) دی جائے اور چاندی کی خصوصیت یہ ہے کہ سونا گراں (قیمتی) ہے سوائے امراء کے اور کسی کو دستیاب نہیں ہوتا ہے، اور چیزیں علاوہ اس کے ایسی نہیں ہیں کہ مولود (بچہ) کے بالوں کے برابر دے سکیں (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۵۰۹)۔

عقیقہ کے سلسلہ میں قربانی کے علاوہ بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی (یا قیمت) صدقہ کرنے کا بھی ذکر ہے، یہ بھی مستحب ہے۔

حدیث کے بیان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادہ حسنؓ (نواسہ رسولؐ) کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کرنے کا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو حکم فرمایا تھا، بعض حضرات نے اس کی توجیہہ یہ کی ہے کہ حضرت حسنؓ کی پیدائش کے دنوں میں ان کے ماں باپ (حضرت فاطمہ و حضرت علی رضی اللہ عنہما) کے ہاں اتنی وسعت نہیں تھی کہ وہ عقیقہ کی قربانی کر سکتے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کی قربانی تو اپنی طرف (یعنی خرچہ) سے کر دی، لیکن حضرت فاطمہؓ سے فرمادیا کہ "بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی وہ صدقہ کر دیں"، تاکہ ان کی (والدین کی) طرف سے بھی شکرانہ صدقے کی شکل میں اللہ کے حضور میں گذر جائے (معارف الحدیث صـ۲۹ـ ج۶)۔

## بچے کے سر پر زعفران لگانے کا ثبوت

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا وُلِدَ لِأَحَدِنَا غُلَامٌ ذَبَحَ شَاةً وَلَطَخَ رَأْسَهُ بِدَمِهَا فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ كُنَّا نَذْبَحُ شَاةً يَوْمَ السَّابِعِ وَنَحْلِقُ رَأْسَهُ وَنَلْطِخُهُ بِزَعْفَرَانٍ۔ (ابوداؤد شریف)۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کے لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری یا بکرا ذبح کرتا اور اس کے خون سے بچے کے سر کو رنگ دیتا، پھر جب اسلام آیا تو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کے مطابق) ہمارا طریقہ یہ ہوگیا کہ ہم ساتویں دن عقیقہ کی بکری یا بکرے کی قربانی کرتے ہیں اور بچے کا سر صاف کرا کے (منڈوا کے) اس کے سر پر زعفران لگا دیتے ہیں۔

آپؐ نے حکم فرمایا: "اِجْعَلُوْا مَكَانَ الدَّمِ خَلُوْقًا"، یعنی بچے کے سر پر

خون نہیں بلکہ اس کی جگہ خلوق لگایا کرو۔"

"خلوق" ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے۔ (معارف الحدیث ص۲۳ ج۶)۔

**بچے کے عقیقہ کے ساتھ اپنا عقیقہ کرنا**

**مسئلہ:**۔ اگر آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا اور آپ کے والدین کا عقیقہ نہیں ہوا ہے، اس وجہ سے آپ اپنے بچہ کے عقیقہ کے ساتھ سب کا عقیقہ کرنا چاہتے ہیں اور اس لیے بڑا جانور خریدا ہے تو یہ عقیقہ کرنا درست ہے اور اگر آپ کا یا آپ کے والدین کا عقیقہ ہو چکا ہے تو دوسری مرتبہ عقیقہ کرنا مشروع نہیں، اس لیے اس صورت میں ان کو شامل کرنے کی اجازت نہیں، پورا جانور بچہ کی طرف سے عقیقہ کر دیں یا دو بکرے خرید کر عقیقہ کر دیں، یہ سمجھنا کہ قربانی کے دنوں کے علاوہ اور دنوں میں بڑا جانور عقیقہ کے لیے نہیں چل سکتا، صحیح نہیں ہے، یعنی جائز ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۷۹ ج۶)۔

**مرحوم بچہ کا عقیقہ**

عقیقہ زندگی میں کیا جاتا ہے، مرنے کے بعد عقیقہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں، اگر مردہ بچہ کے عقیقہ کو مستحب نہ سمجھا جائے، محض شفاعت کی امید اور مغفرت کے لالچ سے کر دیا جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے، جیسے کسی نے حج نہیں کیا اور بلا وصیت مر گیا اور وارث نے اس کی مغفرت کی امید پر اپنے خرچ سے حجِ بدل کیا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اس صورت میں عقیقہ کا جانور الگ مستقل ہو، احتیاطاً قربانی کے جانور میں شرکت نہ کرے۔ (رحیمیہ ص۱۷۳ ج۶)۔

**مسئلہ:**۔ اگر جانور ذبح کرنے سے پہلے بچہ کا انتقال ہو گیا تو اس کے حصہ میں نیت بدل لینا اور کسی قربانی کرنے والے کو شریک کر لینا (یعنی وہ حصہ جو بڑے جانور میں لیا کسی کو دے دینا) چاہیے تھا، (اگر بغیر شریک کیے قربانی کر لی تو) تاہم وہ قربانی ہو گئی اور عقیقہ کا حصہ بھی قربت کا ذبیحہ ہو گیا۔ (کفایت المفتی ص۲۰۵ ج۸)۔

مسئلہ:- ایک شخص نے اپنے بچہ کے عقیقہ کے لیے جانور خریدا، اتفاقاً بچہ مرگیا تو اس نے ارادہ ملتوی کر کے جانور فروخت کر کے اس کی کل رقم طالب علم کو دیدی وہ بھی صحیح ہے، طالب علم وہ رقم لے سکتا ہے۔ اب (دینے کے بعد) اس رقم کو طالب علم سے لینا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۳۵۱ ج۱)۔

(بعض حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا دیگر مرحومین حضرات کے نام سے عقیقہ کرتے ہیں، یہ غلط رواج ہے کیونکہ عقیقہ صرف ایک مرتبہ ہوتا ہے وہ بھی زندگی میں۔ مرحوم کے لیے تو شریعت نے نفلی قربانی کی اجازت دی ہے جس کا بہت بڑا ثواب ہے۔ نفلی قربانی زندہ اور مردہ دونوں کی طرف سے اور جتنی چاہے کرسکتا ہے لیکن عقیقہ نہیں کرسکتا (رفعت قاسمی)

## بڑے جانور میں دو بچوں کا عقیقہ

سوال:- ایک شخص اپنے دو لڑکوں کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے اگر وہ ایک بڑا جانور خرید کر اس کو دونوں لڑکوں کے عقیقہ میں ذبح کردے تو درست ہے یا نہیں؟ یا اس کو تین حصے اور تلاش کرنا پڑیں گے؟ اور اسی طرح اگر قربانی کے دنوں میں قربانی کے جانور میں عقیقہ کے لیے بڑے جانور میں چار حصے لے لے اور تین حصے قربانی کے ہوں تو درست ہے یا نہیں؟

جواب:- حامداً و مصلیاً۔ بڑے جانور میں دو بچوں کا عقیقہ کرنا درست ہے، اس کی ضرورت نہیں کہ اور خریدار بھی شریک کیے جائیں۔ قربانی کے دنوں میں اگر چار حصے عقیقہ کے واسطے لیے اور تین حصے قربانی کرنے والوں کے اس میں ہیں تو شرعاً قربانی بھی درست ہوجائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۳۲۶ ج۴)۔

مسئلہ:- دو لڑکوں اور ایک لڑکی کی طرف سے اگر ایک بھینس یا کٹڑا دو سالہ عقیقہ میں کردیا تب بھی اس کا عقیقہ درست ہوجائے گا بلکہ سات حصہ تک درست ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۳۵۱ ج۱)۔

مسئلہ:- زید نے بکرا اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑ رکھا ہے۔ بعد ازاں زید کے

یہاں لڑکا پیدا ہوا، اب زید اس بکرے کو عقیقہ میں ذبح نہیں کر سکتا، یہ بکرا تو مستقل طور پر نذر کا ہو گیا۔ اس بکرے کو عقیقہ میں یا اپنی واجب قربانی میں ذبح کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو اپنی نیت کے موافق قربان کرنا چاہیئے۔ (کفایت المفتی ص۲۰۲ ج ۸)

## عقیقہ کے مسائل

بچہ کی پیدائش کے ساتویں روز عقیقہ کرنا، نام رکھنا مستحب ہے۔ اس سے پہلے نام رکھدیں تو یہ بھی جائز ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۴۲ ج ۸)۔

مسئلہ:۔ اگر ساتویں دن عقیقہ نہ کر سکا تو جب کبھی کرے ساتویں دن ہونے کا خیال کرنا بہتر ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس دن بچہ پیدا ہوا ہو اس سے ایک دن پہلے عقیقہ کر دے۔ یعنی اگر جمعہ کو ولادت ہوئی تو جمعرات کو عقیقہ کر دے اور اگر جمعرات کو پیدائش ہوئی تو بدھ کو کرے، چاہے جب کرے وہ حساب سے ساتواں دان پڑے گا۔ (ساتواں دن پڑنا مناسب ہے)۔

مسئلہ:۔ یہ جو دستور ہے کہ جس وقت بچہ کے سر پر استرہ رکھا جائے نائی (حجام) سر مونڈنا شروع کرے فوراً اسی وقت بکری ذبح ہو۔ یہ محض مہمل رسم ہے۔ شریعت سے سب جائز ہے۔ سر مونڈنے کے بعد کرے۔ یا ذبح کر کے تب سر مونڈے۔ بلا وجہ ایسی باتیں تراش لینا غلط ہے۔ (بہشتی زیور ص۴۳ ج ۳)۔

مسئلہ:۔ بچے کے عقیقہ کا جانور منیٰ میں ذبح کرنا اور بال ہندوستان میں اتارنا اس مسئلہ کی تصریح کہیں نظر میں نہیں آئی۔ اگرچہ اصولاً کوئی مانع معلوم نہیں ہوتا۔ مگر میرے خیال میں عقیقہ کے تمام اعمال اسی جگہ ادا کرنا جہاں بچہ موجود ہو بہتر اور احوط ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۴۳ ج ۸)۔

مسئلہ:۔ سر کے بال منڈوا کر بال کے برابر چاندی یا سونا تول کر دیا پیسے اتنی قیمت کے خیرات کر دے اور بچہ کے سر میں اگر دل چاہے تو زعفران لگائے۔ (بہشتی زیور ص۴۲ ج ۳)۔

مسئلہ:۔ لڑکے اور لڑکی کے عقیقہ میں جانور کے مذکر، مؤنث (نر، مادہ) ہونے

کا فرق نہیں ہے۔ لڑکے کے عقیقہ میں بکری اور لڑکی کے عقیقہ میں بکرا ذبح کیا جا سکتا ہے مگر یہ فرق ہے کہ لڑکے کے عقیقہ کے لیے دو بکرے افضل ہیں اور لڑکی کے لیے ایک۔ (کفایت المفتی صہ ۲۴۱ ج ۸)۔

مسئلہ:۔ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے یا دو بھیڑے یا دو بکریاں یا دو بھیڑیں ذبح کرنا مستحب ہے۔ اگر دو کی وسعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے۔ (کفایت المفتی صہ ۲۴۴ ج ۸)۔

مسئلہ:۔ اور اگر بالکل ہی عقیقہ نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں ہے (بہشتی زیور صہ ۴۳ ج ۳)

مسئلہ:۔ ایک ہی گائے بیل میں (یعنی بڑے جانور جس کی قربانی جائز ہے) عقیقہ کے سات حصے ہو سکتے ہیں جس طرح قربانی کے سات حصے ہو سکتے ہیں۔

مسئلہ:۔ ایک بڑے جانور میں عقیقہ کی نیت سے کئی آدمی شریک ہو سکتے ہیں بشرطیکہ تمام شرکاء کی نیت قربانی یا عقیقہ کی ہو۔ بعض شرکاء قربانی کی نیت سے اور بعض عقیقہ کی نیت سے (بڑے جانور) گائے میں شریک ہو سکتے ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ کسی شریک کا حصہ ۱/۷ سے کم نہ ہو یعنی ساتوں حصے برابر ہونے چاہئیں (کفایت المفتی صہ ۲۴۲ ج ۸)۔

مسئلہ:۔ عقیقہ کا گوشت ایک تہائی مساکین کو تقسیم کر دینا افضل ہے۔ باقی دو تہائی اقرباء واحباب کی ضیافت میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔ اگر تمام گوشت بھی ضیافت میں صرف کر دیا جائے تاہم عقیقہ ہو جائے گا۔ اگرچہ یہ خلافِ افضل ہے۔ (کفایت المفتی صہ ۲۴۴ ج ۸)۔

مسئلہ:۔ عقیقہ کے گوشت کے متعلق مشہور ہے کہ بچے کے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی نہ کھائیں۔ مگر یہ بات غلط ہے۔ شریعتِ مقدسہ میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، یہ سب لوگ کھا سکتے ہیں۔ (نیز) جانور کی جو عقیقہ میں ذبح کیا جائے ہڈیاں توڑنا جائز ہے بعض لوگوں نے ہڈیاں توڑنے کو منع کیا ہے مگر اس ممانعت کے لیے کوئی سند نہیں ہے۔ (کفایت المفتی صہ ۲۴۳ ج ۸)۔

مسئلہ :- عقیقہ کا کچا گوشت اگر لوگ نہیں لیتے تو پکا کر روٹی کے ساتھ دیدیا جائے۔ یا پلاؤ پکا کر دے دیا جائے، دونوں صورتیں جائز ہیں۔ (کفایت المفتی ص۲۴۳ ج۸)

عقیقہ کا گوشت چاہے کچا تقسیم کرے چاہے پکا کر بانٹے، چاہے دعوت کرکے کھلا دے۔ (بہشتی زیور ص۴۳ ج۳)۔

مسئلہ :- قربانی اور عقیقہ کا حکم یکساں نہ ہے یعنی قربانی کے جانور میں عقیقہ کے لیے شرکت صحیح ہے اور ایک بڑے جانور میں سات بچوں کے عقیقہ کرسکتے ہیں (سات حصے ہوں گے)۔ اور جس طرح قربانی کے گوشت میں اختیار ہے کہ خود کھائے یا تقسیم کردے یا رشتہ داروں کو دے یا صدقہ کردے، وہی تمام صورتیں عقیقہ کے گوشت میں جائز ہیں اور والدین وغیرہ بھی کھا سکتے ہیں۔ (عزیز الفتاویٰ ص۱۶۷ ج۱)۔

مسئلہ :- عقیقہ کا گوشت اور قربانی کا گوشت کافر کو دینا درست ہے (عزیز الفتاویٰ ص۲۱۷ ج۱)۔

مسئلہ :- حنفیوں رہ کے نزدیک عقیقہ کے گوشت کا حکم مثل قربانی کے ہے جیسے قربانی کے گوشت کو سب گھر والے اور رشتہ دار کھا سکتے ہیں، اسی طرح عقیقہ کا گوشت بھی سب کھا سکتے ہیں ماں باپ، دادا دادی وغیرہ سب کو کھانا اس کا درست ہے۔ اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ سر جانور کا بال بنانے والے (نائی) کو اور ران دائی کو دی جائے۔ اور اگر دیں تو کچھ حرج بھی نہیں ہے مگر کچھ ضروری بات نہیں ہے۔ (تعیین کرنا ضروری نہیں ہے جو چاہے ان کو دے سکتا ہے (عزیز الفتاویٰ ص۱۶۷ جلد اول)۔

مسئلہ :- جس جانور کی قربانی جائز نہیں، اس جانور کا عقیقہ بھی درست نہیں اور جن کی قربانی درست ہے اس کا عقیقہ بھی درست ہے۔ (شامی ص۲۹۴ ج )۔

مسئلہ :- جن حضرات نے لکھا ہے کہ عقیقہ کا حکم مثل قربانی کے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عقیقہ کیا جائے تو ایسے جانور کو ذبح کرے جس میں قربانی کی صلاحیت ہو، ایسا جانور ذبح نہ کیا جائے جس کو قربانی میں ذبح کرنا درست نہیں (یعنی جو شرائط قربانی

کے جانوروں کے لیے ہیں کہ عمر وغیرہ اور وہ تمام شرائط کہ کس کی قربانی درست اور کس کی نہیں ہے، عیوب وغیرہ کا بھی لحاظ کیا جائے گا۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

نیز جس طرح قربانی کے گوشت کا طریقہ ہے کہ خود کھانا، احباب کو دینا، فقراء کو خیرات کرنا اور آئندہ کے لیے رکھ لینا سب کچھ درست ہے، اسی طرح عقیقہ کے گوشت کا حکم ہے۔ اور ہڈی نہ توڑنے کے متعلق امام احمد و امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ استحباب کے قائل ہیں حنفیہ کے نزدیک یہ چیزیں نہیں ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۲۲۶ ج ۸)۔

مسئلہ:۔ عوام عقیقہ کے جانور کی ہڈیوں کے توڑنے کو ناجائز سمجھتے ہیں، یہ عقیدہ غلط ہے، علماء نے اس کی تردید کی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۲۹۸ ج ۴)۔

مسئلہ: عقیقہ کی نیت سے قربانی کے جانور میں حصہ خریدنے سے کچھ خرابی نہیں ہوتی۔ اور ساتویں دن کی رعایت محض مستحب ہے جیسا کہ نفس عقیقہ بھی بہت سے بہت مستحب ہے، لہٰذا اگر ذبح کے دن ساتواں دن نہ ہو، اور نیت عقیقہ کی کرلی تب بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مصالح ساتویں روز کے بیان فرمائے ہیں ان کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۲۲۲ جلد چہارم)۔

مسئلہ:۔ شادی، نکاح و ختنہ اور عقیقہ وغیرہ میں کسی قسم کے باجے کی اجازت نہیں ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۷۳۹ ج ۱)۔

## عقیقہ کا جانور ذبح کرتے وقت کی دعاء

سوال:۔ عقیقہ کا جانور ذبح کرتے وقت کونسی دعاء پڑھی جائے؟

الجواب:۔ عقیقہ کے جانور کو ذبح کرتے وقت (اگر یاد ہو تو) یہ دعاء پڑھے:۔

اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ عَقِیْقَۃُ ابنی (بچہ کا نام لے) دَمُھَا بِدَمِہٖ و لحمھا بلحمہ وعظمھا بعظمہ وجلدُھا بجلدہ و شعرھا بشعرہ اللّٰھم اجعلھا فداء لابنی (لڑکے کا نام لے)۔

نوٹ :۔ لڑکی کا عقیقہ ہو تو ضمیر کو بجائے مذکر کے مونث بنا دے جیسے اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ عقیقۃ بنتی (لڑکی کا نام لے) دمھا بدمھا وعظمھا بعظمھا وجلدھا بجلدھا وشعرھا بشعرھا۔ اَللّٰھُمَّ اجعلھا فداء لبنتی (لڑکی کا نام لے)۔ اگر باپ کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی ذبح کرے تو ابنی یا بنتی کی جگہ اس کے باپ کا نام لے۔ دعاء مذکورہ کے ساتھ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ تک پڑھے اور اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ پڑھ کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۹۳ ج۲)۔

(نوٹ :۔ ذبح کرتے وقت دعاء اگر یاد ہو تو پڑھے ضروری نہیں، بغیر اس کے بھی جائز ہے لیکن بسم اللہ اللہ اکبر کو نہ چھوڑے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

## ولیمہ میں عقیقہ کا گوشت استعمال کرنا

سوال :۔ ایک شخص شادی کے موقع پر عقیقہ کرتا ہے اور دعوت میں عقیقہ کا گوشت استعمال کرتا ہے، عرفاً لوگ اس موقع پر چڑھاوا (تحفہ) دینے کے عادی ہیں اور مدعو بھی چڑھاوا دینا ضروری سمجھتا ہے، تو ایسی صورت میں عقیقہ کا گوشت دعوت (ولیمہ) میں کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب :۔ عقیقہ کا گوشت بلا کسی عوض کے مفت کھلانا چاہئے۔ شادی کی تقریب میں چونکہ کھانا کھلا کر چڑھاوا لیا جاتا ہے، اس لیے عوض بدلہ کا شبہ ہوتا ہے، لہٰذا بچنا چاہئے۔ ہاں جس دعوت میں چڑھاوا لینے کا دستور نہیں ہے، کھلانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

شادی کی دعوت میں عقیقہ کا گوشت کھلانے کا رواج (دستور) ہو جانے میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ استحباب کی رعایت نہ ہوگی۔ مستحب یہ ہے کہ ساتویں روز عقیقہ ہو، اور تیسرا حصہ غرباء کو دیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۷۲ ج۶)

مسئلہ :۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ عقیقہ کے چمڑے (کھال) کی ... ہے ... نہیں ہے

جو قربانی کے جانور کے چمڑے کی ہے۔ لیکن اسے غربا ہی کو دیا جائے۔ اس کی قیمت سے نکاح خوانی کا رجسٹر نہ خریدا جائے۔ (فتاوی رحیمیہ ص۱۷۳ ج ۶)۔

## عقیقہ کی رسمیں

عقیقہ کے روز لڑکے کے لیے دو بکرے یا دو بکری اور لڑکی کے لیے ایک بکرا یا بکری ذبح کرنا اور اس کا گوشت کچا یا پکا کر تقسیم کر دینا اور بالوں کے برابر چاندی وزن کر کے (یا اس کی قیمت) خیرات کر دینا اور سر مونڈانے (بال اتروانے) کے بعد زعفران بچہ کے سر میں لگا دینا۔ بس یہ باتیں تو ثواب کی ہیں، باقی جو فضولیات اس میں نکالی گئی ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہیں، (یعنی نہیں کرنی چاہئیں)۔

(۱) برادری اور کنبے کے لوگ جمع ہو کر سر مونڈانے کے بعد کٹوری میں بعض جگہ سوپ میں جس میں کچھ اناج بھی رکھا جاتا ہے کچھ نقد ڈالتے ہیں جو نائی یعنی بال کاٹنے والے کا حق سمجھا جاتا ہے اور یہ اسی گھر والے کے ذمہ قرض سمجھا جاتا ہے کہ ان دینے والوں کے یہاں کوئی کام (خوشی، تقریب) پڑے جب ادا کیا جائے (جس کی خرابیاں بہت سی ہیں)۔

(۲)۔ بہن وغیرہ (دھیانیاں) یہاں بھی وہی اپنا حق جو پیچ پوچھو ناحق ہی لیتی ہیں، جس میں کافروں کی مشابہت کے سوا اور بھی کئی خرابیاں ہیں مثلاً دینے والے کی نیت خراب ہونا، کیونکہ یہ یقینی بات ہے، بعض وقت گنجائش نہیں ہوتی اور دینا گراں گزرتا ہے، مگر صرف نہ دینے میں شرمندگی ہوگی اور لوگ مطعون کریں گے مجبور ہو کر دینا پڑتا ہے، اسی کو ریا و نمود کہتے ہیں اور شہرت و دکھلاوے کے لیے مال خرچ کرنا حرام ہے۔

(۳) ان رسموں کی پابندی کی معیت میں کبھی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے عقیقہ موقوف رکھنا پڑتا ہے اور مستحب کے خلاف کیا جاتا ہے بلکہ بعض جگہ تو کئی کئی سال بعد عقیقہ ہوتا ہے۔

(۴) ایک رسم یہ بھی ہے کہ جس وقت بچے کے سر پر استرا رکھا جائے، فوراً

ں وقت بکرا ذبح ہو، یہ بھی محض لغو (غلط بات) ہے۔ شریعت سے چاہے
مونڈنے کے کچھ دیر بعد ذبح کرے یا ذبح کر کے سر مونڈے سب درست ہے
ن اس دن دونوں کام ہوجانے چاہئیں۔ (اگر بال پہلے کٹوا دے اور عقیقہ
عید میں حصہ لے کر یا پورا جانور کیا تب بھی جائز ہے۔ غرضیکہ دونوں کا ایک ساتھ
ضا غلط ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

(۵) ایک رسم یہ بھی ہے کہ عقیقہ کے جانور کا سر نائی کو اور ران دائی کو دینا ضروری
ضا بھی لغو ہے۔ چاہے دو یا نہ دو، دونوں اختیار ہیں، پھر اپنی من گھڑت بات
کیا فائدہ۔ ران نہ دو، اس کی جگہ گوشت دے دو تو اس میں کیا نقصان ہے۔

(۶) بعض جگہ یہ بھی دستور ہے کہ عقیقہ کے جانور کی ہڈیاں توڑنے کو برا جانتے ہیں
کر دینے کو ضروری سمجھتے ہیں یہ بھی محض بے اصل بات ہے۔ (بہشتی زیور ص۱۳ ج۶
مشکوٰۃ شریف ص۳۶۲)۔

## کی تقریب میں جو دیا جاتا ہے اس کا حکم

مسئلہ:۔ ختنہ و عقیقہ وغیرہ کسی تقریب
چھوٹے بچوں کو جو کچھ دیا جاتا ہے اس سے خاص اُس بچہ کو دینا مقصود نہیں
بلکہ ماں باپ کو دینا مقصود ہوتا ہے اس لیے وہ سب نیوتہ یعنی بچہ کی خوشی
آئی ہوئی چیزیں اور نقد روپیہ بچہ کی ملکیت نہیں بلکہ ماں باپ اس کے مالک
جو چاہیں کریں اختیار ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص خاص بچہ ہی کو کوئی چیز دے (دینے والے کی نیت بچہ کو ہی دینے
ہے، والدین سے بدلہ لینے کی نہیں ہے) تو پھر وہی بچہ اس کا مالک ہے، اگر بچہ
دار ہے تو خود اس کا قبضہ کرلینا کافی ہے، جب قبضہ کرلیا تو مالک ہوگیا۔ اگر
ضہ نہ کرے یا قبضہ کرنے (یعنی لینے) کے قابل (لائق) نہیں ہے تو اگر باپ ہو تو
کے قبضہ کرلینے سے اور اگر باپ نہ ہو تو دادا کے قبضہ کرلینے سے بچہ مالک
ے گا۔

مسئلہ :۔ اگر باپ دادا بھی موجود نہ ہوں تو وہ بچہ جس کی پرورش میں ہے اس کو قبضہ کرنا چاہئے اور باپ دادا کے ہوتے ہوئے ماں، نانی، دادی وغیرہ اور کسی کا قبضہ کرنا معتبر نہیں۔ (یعنی لے لینا درست نہیں)۔

مسئلہ :۔ اگر باپ یا باپ کے نہ ہونے کے وقت دادا اپنے بیٹے پوتے کو کوئی چیز دینا چاہے تو صرف اتنا کہہ دینے سے ہبہ صحیح ہو جائے گا کہ میں نے اس کو یہ چیز دے دی۔

باپ دادا نہ ہو اُس وقت ماں بھائی وغیرہ بھی اگر بچہ کو کچھ دینا چاہیں اور وہ بچہ ان کی پرورش میں بھی ہو۔ اُن کے اس کہہ دینے سے بھی بچہ مالک ہو گیا کسی کے قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ :۔ جو چیز نابالغ کی ملک ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اسی بچہ ہی کے کام میں لگانا چاہیئے، کسی کو اپنے کام میں لانا جائز نہیں۔ خود ماں باپ بھی اپنے کام میں نہ لائیں، نہ کسی اور بچہ کے کام میں لگائیں۔

مسئلہ :۔ اگر ظاہر میں بچہ کو دیا مگر یقیناً معلوم ہے کہ منظور تو ماں باپ ہی کو دینا ہے صرف بچہ کی تقریب کا بہانہ ہے اور اکثر بچہ کے نام پر ہی والدین کو دینا مقصود ہوتا ہے، پھر وہ والدین کسی موقع پر اس کا بدلہ کرتے ہیں، مگر اس چیز کو حقیر سمجھ کر بچے ہی کے نام سے دے دیا تو ماں باپ کی ملک ہے، وہ جو چاہیں کریں، پھر اس میں دیکھ لیں کہ اگر ماں کے علاقہ (رشتہ وتعلق) داروں نے دیا ہو تو ماں کا ہے، اگر باپ کے علاقہ (تعلق ورشتہ داروں نے دیا ہے تو باپ کا ہے۔ (بہشتی زیور ص۴۶ ج ۵، بحوالہ درمختار ص۱۶۰ ج ۲ وشامی ص۵۸۴ ج ۴)۔

# تمت بالخیر

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (الحکیم)

احقر محمد رفعت قاسمی

## مؤلف کی دوسری کتابیں

# مسائل نمازِ جمعہ

① جمعہ کی وجہ تسمیہ ● جمعہ کا حکم و ثبوت ● جمعہ کے فضائل ● نمازِ جمعہ کی حکمتیں ● جمعہ کے آداب و مستحبات ● جمعہ کے دن مقبولیت کی ایک گھڑی ●

② جمعہ کے دن کے غسل کی ابتداء ● غسل کے فوائد و فرائض ●

③ نمازِ جمعہ کے واجب ہونے کی شرطیں ● جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں ● ہندوستان میں نمازِ جمعہ کا حکم ● دیہات وغیرہ کے احکامات ●

④ جمعہ کے دن کے اعمال کیا ہیں؟ ●

⑤ امام و خطیب سے متعلق مسائل ● معذورین کے لیے احکامات ●

⑥ نمازِ جمعہ کا وقت ● نماز کے لیے کب روانہ ہوں؟ ● نمازِ جمعہ سے متعلق احکامات

⑦ جمعہ کے دن اذان اور اس کے متعلقہ احکامات ●

⑧ جمعہ کی سنتیں ● سنت و نوافل کے فوائد و احکامات ●

⑨ خطبہ کیا ہے؟ ● خطبہ کس زبان میں ہو اور متعلقہ احکامات ●

⑩ نمازِ جمعہ کی نیت ● صف بندی کے احکام ● سُترہ کے احکام ● نماز میں شرکت کے احکام ● اور نمازِ جمعہ کے متعلقہ احکامات ●

---

### مکمل و مدلل مسائل عیدین و قربانی

یہ کتاب بھی اپنے موضوع پر جامع ہے، جسمیں عیدین، فطرہ، قربانی، عقیقہ کے مسائل جمع کر دیئے ہیں،

### مکمل و مدلل مسائل شب برات و شب قدر

اس کتاب میں مبارک راتوں کے فضائل و مسائل اور اعمال قرآن و حدیث کی روشنی میں جمع کر دیئے ہیں۔

